# گُلبانگ

۹۱

# گلبانگ

فراق گورکھپوری

ساہتیہ کلا بھون
۱۸ اے، مہاتما گاندھی مارگ، الہ آباد-۱

سول ایجنٹ

پی، سی، دوادش شرینی اینڈ کمپنی (پرائیوٹ) لمیٹڈ

علی گڑھ • الہ آباد • پٹنہ



پہلی اشاعت : ۱۹۶۷ء

قیمت : ۱۳-۵۰ روپے

طابع

وشو ودیالیہ پریس

۱۸ اے، مہاتما گاندھی مارگ

الہ آباد-۱

# پیش لفظ

میری شاعری کی عمر آدھی صدی سے کچھ زیادہ ہے۔ اب تک میری غزلوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے، ایک ہزار سے کچھ زیادہ تعداد رُباعیوں کی ہے اور نظموں کے اشعار کی تعداد بھی ڈھائی، تین ہزار تک پہنچتی ہے۔ کسی بھی شاعر کو ہر دل عزیزی اور خواص و عوام میں مقبولیت سے خوشی اور اطمینان حاصل ہونا فطری بات ہے۔ لیکن مجھے اپنی غزلوں کی انتہائی حد تک مقبولیت سے صرف ایک شکایت آمیز خوشی ہوتی ہے کیونکہ میری غزلوں کو سراہتے وقت بہت سے لوگ میری نظموں کو یا میری رباعیوں کو دانستہ نادانستہ طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

بہت کچھ سوچ سمجھ کر میں نے 'گلبانگ' کے نام سے اپنی نظموں، غزلوں، رباعیوں اور متفرقات کا یہ انتخاب مرتب کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میرا جتنا کلام خواص و عوام

میں مقبول ہو چکا ہے اور جسے اعلیٰ شاعرانہ قدروں کا حامل سمجھا گیا ہے وہ سب کا سب ایک جگہ اکٹھا کر دینا تو ممکن نہیں ہو سکا ہے پھر بھی اس کا اسّی فی صدی حصّہ ضرور میں نے "گلبانگ" میں محفوظ کر دیا ہے۔ موجودہ نسل یا آئندہ نسلیں اگر میری کسی ایک کتاب کو میری زندگی میں یا میرے بعد میری یادگار سمجھنا چاہیں گی، تو وہ کتاب "گلبانگ" ہوگی۔ اس سے پہلے اپنے کئی شائع شدہ شعری مجموعوں کا ایک انتخاب "گل نغمہ" کے نام سے شائع کرا چکا ہوں۔ "گل نغمہ" پر ۱۹۶۱ء میں ساہتیہ اکاڈمی کا انعام بھی مجھے ملا تھا۔ "گلبانگ" کے نام کا یہ مجموعہ ہر لحاظ سے "گل نغمہ" کے مقابلہ میں میری شاعری کی زیادہ مکمل نمایندگی کرے گا۔ کیونکہ اس مجموعے میں بہت سے قیمتی اضافے کئے گئے ہیں۔

اب میری زندگی ۷۱ ویں سال میں قدم رکھنے والی ہے۔ میں یہ کہہ نہیں سکتا کہ اب زندگی میں "گلبانگ" کے مقابلہ کا کوئی دوسرا مجموعہ پیش کر سکوں گا یا نہیں کیونکہ یہ میری شاعری اور میری زندگی دونوں کی شام ہے اور اب دونوں کو سکون دائمی اور سکوت دائمی کا انتظار ہے۔

میں اپنا یہ مجموعہ ہرگز ہرگز مرتب نہ کر پاتا اگر ترتیب و انتخاب میں شروع سے اخیر تک قدم قدم پر ڈاکٹر جعفر رضا نے میرا ہاتھ نہ بٹایا ہوتا۔ پریس کے دشوار گذار مرحلوں کو طے کرنا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ تمام فرائض نہایت ذمہ داری، دیدہ ریزی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انھوں نے انجام دیے جس کا میں دل سے ممنون ہوں۔ ڈاکٹر جعفر رضا الہ آباد یونیورسٹی میں اردو کے استاد ہیں اور ہندی کے بھی مصنف اور ادیب ہیں۔ انھیں کی نگرانی میں "گلبانگ" کا ہندی اڈیشن بھی جلد ہی شائع ہونے والا ہے۔

۸/۴ بنک روڈ، الہ آباد۔۲

۱۷ر فروری ۱۹۶۷ء

فراقؔ گورکھپوری

# فہرست

گلبانگ

## غزلیں

گلبانگ

## • تضمین



## • متفرق اشعار



# میری زندگی کی دھوپ چھاؤں

•

فراقؔ گورکھپوری

میری پیدائش ۱۲ بجے دن کو ۲۸؍اگست ۱۸۹۶ء بروز جمعہ گورکھپور شہر میں ہوئی۔ میرے والد منشی گورکھ پرشاد عبرتؔ مرحوم تھے اور میری والدہ گورکھپور ہی کے ایک نہایت خوشحال، تعلیم یافتہ اور باعزت سریواستو کائستھ خاندان میں پیدا ہوئی تھیں۔ میرے پانچ بھائی اور تین بہنیں تھیں، جن میں دو بھائیوں اور ایک بہن کا انتقال ہو چکا ہے۔ میری پیدائش سے قبل میرے والد اولادِ نرینہ کے معاملے میں کچھ متردّد اور مایوس رہتے تھے۔ میری والدہ میرے والد کی تیسری بیوی تھیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی۔ میری دونوں سوتیلی ماؤں کا انتقال ہو چکا تھا، تب میری والدہ سے عبرتؔ مرحوم نے شادی کی۔ دوسری شادی سے ایک نہایت ذہین اور ہونہار لڑکا تھا، جو میری پیدائش سے قبل ہی کتّے کے کاٹنے کی وجہ سے عین طفلی میں بہت تکلیف کی موت مرا اور جس کی موت پر حضرت عبرتؔ نے ایک نہایت موثر نظم 'ننھا مسافر' کے عنوان سے لکھی۔ میری پیدائش کا دن اور وقت ایک مجذوب فقیر نے بتایا تھا جو حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔

گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ بچپن ہی سے میری شخصیت نے غیر معمولی زندگی اور ہمک کا ثبوت دیا اور جب تعلیم شروع ہوئی تو ہزاروں ہم عمر بچوں سے کہیں زیادہ تیز اور ذہین ثابت ہوا۔ بچپن ہی سے میں، جس کا نام رگھوپتی سہائے رکھا گیا تھا، بہت جذباتی تھا۔ ہر چیز ـــــ گھر کے پلے ہوئے جانوروں، محلے کے لوگوں، گھر والوں، قدرتی فضاؤں اور منظروں، حتیٰ کہ معمولی چیزوں سے مجھے شدید محبت تھی اور یہ محبت کبھی خود میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتی تھی۔ جب تعلیم شروع ہوئی تو اردو، ہندی اور انگریزی کے پڑھانے والے استادوں کو میں اپنے تیز ذہن اور معصوم شوخیوں اور دماغی سنجیدگی اور سرگرمی سے اپنا والہ و شیدا بنا لیتا تھا۔ بچپن میں پڑھنے لکھنے کے شغل کے علاوہ کسرت اور کشتی، جمناسٹک اور دوسرے کھیلوں میں دلچسپی لیتا رہا۔

بچپن ہی سے میری رگ رگ حساس تھی۔ میری والدہ کا کہنا تھا کہ میں بچپن ہی سے کسی بدقوارہ اور بدصورت مرد اور عورت کی گود میں نہیں جاتا تھا۔ حسن و قبح کا شدید احساس میرے اندر بچپن ہی سے تھا۔ انٹرنس تک آتے آتے میں نے اپنے پچیسوں استادوں کے دل میں گھر کر لیا اور ہر ایک استاد یہ پیشگوئی کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ یہ لڑکا غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کرے گا۔ ایک دلچسپ امر اس سلسلے میں یہ ہے کہ چھوٹے درجوں سے ہائی اسکول تک ہر درجے میں میرے ہم جماعت ایسے ہوتے تھے جو امتحانوں میں مجھ سے زیادہ نمبر لاتے۔ لیکن جو میری طباعی اور ذہنی رسائی سے بہت متاثر رہتے۔

۱۹۱۲ء میں میں نے گورنمنٹ جوبلی ہائی اسکول گورکھپور سے سکنڈ ڈویژن میں اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ کا امتحان پاس کیا اور میور سنٹرل کالج الٰہ آباد میں ایف۔ اے میں داخلہ لیا۔ اب وہ زمانہ آ گیا تھا کہ صرف روزانہ کی زندگی میں نہیں، بلکہ امتحانوں میں بھی میرے جوہر چمکنے لگے۔ میرے وہ ہم جماعت جو انٹرنس تک امتحانوں میں مجھے پیچھے چھوڑ جایا کرتے تھے، اب خود انھیں میں نے میلوں پیچھے چھوڑ دیا۔ ایف، اے میں بھی غیر معمولی طور پر تیز اور ذہین ہم جماعت مجھے نصیب ہوئے اور اُن سب پر میں نے اپنا سکہ جما لیا۔

اسی دوران میں خود مجھے اور میرے پورے خاندان کو دھوکہ دے کر ایک صاحب

نے میری شادی ایک ایسے خاندان میں اور ایک ایسی لڑکی سے کرادی کہ میری زندگی ایک ناقابل برداشت عذاب بن گئی۔ میری بیوی میں کوئی اخلاقی عیب نہیں تھا لیکن معمولی سے معمولی انسان سے بھی یہ لڑکی کند ذہن اور نااہل تھی۔ صورت میں کوئی کشش نہیں تھی، بلکہ اُلٹے شدید ناپسندیدگی کا اثر پڑتا تھا۔ یہ لڑکی گھر کو بالکل نہیں چلا سکتی تھی اور اس کا میرے گھر آنا پورے کنبے کے لئے منحوس ثابت ہوا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو یا تو دوسری شادی کرلیتا یا من مار کر رہ جاتا۔ میں دوسری شادی بھی نہ کرسکا اور تب سے آج تک میری زندگی ایک ناقابل برداشت تکلیف اور تنہائی کا شکار رہی۔ پورے ایک سال تک شادی کے بعد مجھے نیند نہیں آئی اور عمر بھر میں اس مصیبت کو بھول نہیں سکا۔ آج تک میں اس بات کے لئے ترس گیا کہ میں کسی کو اپنا سمجھوں اور کوئی مجھے اپنا سمجھے۔ بیوی میں تو اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ دو وقت کا کھانا یا دو وقت کا ناشتہ سلیقے سے مجھے دے سکے۔

اس گلا گھونٹ دینے والی حالت میں میں نے ایف۔ اے کا امتحان دیا اور سارے صوبے میں میری ساتویں پوزیشن آئی۔ ازدواجی زندگی کی بدنصیبی نے مجھ کو ہر طرح سے برباد کردیا، لیکن دماغی قویٰ مضبوط تھے کہ ایف۔ اے کلاس ہی میں بلند پایہ سے بلند پایہ کتابیں نہایت انہماک سے پڑھتا رہا، ایسی کتابیں جن کے سمجھنے میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کے طلبہ بھی صدہا دقتیں محسوس کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ زبان اور بیان کے رموز اور نکات گویا میری گھٹی میں پڑے تھے اور میں ایف۔ اے کلاس ہی میں جب میری عمر ۱۷، ۱۸ سال ہی کی تھی کسی مسئلہ یا مضمون پر انگریزی زبان میں ایسی تحریریں لکھتا تھا۔ جن میں ایک غلطی بھی نہیں ہوتی تھی اور انگریزی انشاپردازی کے بہت سے محاسن ہوتے تھے۔ علمی اور دماغی حقائق شروع ہی سے میرے لئے ایک داخلی احساس کا مرتبہ رکھتے تھے اور محسوسات کے اظہار میں شروع ہی سے مجھ کو غیر معمولی ملکہ تھا، کیونکہ جو کچھ لکھتا تھا لفظوں اور معانی کی تہ تک پہنچ کر لکھتا تھا۔ پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا کہ حقائق اور معانی کو چھو رہا ہوں اور اپنے بیان کو سراسر لسیانی تجربے بنا رہا ہوں۔ علم میرے لئے محض ذہنی ورزش نہیں تھا اور نہ محض ظاہری

تحلیل نگار

یا خارجی احساس کی چیز۔

ایف۔اے پاس کرنے کے بعد میں نے بی۔اے میں داخلہ لیا۔ ہر وقت آنکھ کے سامنے اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ پورے سال بھر نیند نہ آنے کی وجہ سے سنگرہنی کا راج روگ ہو گیا۔ اور پورے ایک سال کے لئے مجھے اپنی تعلیم منقطع کرنی پڑی۔ بنارس کے مشہور معالج پنڈت ترمبک شاستری کی توجہ سے میری زندگی بچ گئی اور میں نے پھر سے بی۔اے میں داخلہ لے کر نہایت غمزدگی کے عالم میں اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

پورے خاندان پر نحوست چھا چکی تھی۔ چوبیس گھنٹے میں ایک پل بھی ایسا نہیں گذرتا تھا کہ مجھ کو اپنی ازدواجی زندگی کی بدنصیبی بھول سکے۔ اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ۱۰۔ برس کی عمر ہی سے مجھے حُسن و قُبح، خوبصورتی اور بدصورتی کا تکلیف دہ حد تک غیر معمولی شدت کے ساتھ احساس تھا۔ اسی زمانے میں مجھ کو پہلے پہل ایک عشق ہو گیا، جو چند دنوں کی رنگینیوں کے بعد ایک دیرپا اور صبر آزما، بلکہ صبر شکن حالت میں تبدیل ہو گیا۔ مجھے خود اس امر کا یقین نہیں آتا کہ ایسی حالت میں میں اپنی دماغی ریاضت اور اکتساب علم کے عمل کو کیسے جاری رکھ سکا۔ مجھے ہر وقت ایسا محسوس ہوتا تھا گویا میں ناگ پھنی کا کوئی گھا ئل گیا ہوں میری حالت اب ایک ایسے گھائل ہیرو کی تھی، جو زندگی سے لڑ رہا ہے اور گھاؤ پر گھاؤ کھاتا جا رہا ہے۔ اسی صورت میں میں نے بی۔اے کا امتحان دیا اور سارے صوبے میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔

بی۔اے کا امتحان دے کر جب میں الہ آباد سے گورکھپور پہنچا تو اپنے والد محترم منشی گورکھ پرشاد عبرتؔ کو اتنا بیمار پایا کہ تحت الشعوری طور پر مجھے اس امر کا احساس ہو گیا کہ اس مرض سے میرے والد جانبر نہ ہو سکیں گے۔ ڈاکٹروں کے مشورے سے میں اپنے والد کو لے کر تبدیلی آب و ہوا کے لئے اور شفایابی کی موہوم امید کے ساتھ دہرہ دون پہنچا، جہاں اپنے والد کے نہایت معقول علاج کا بندوبست کیا، لیکن صحت یابی کے بجائے مرض ٹھہر گیا اور طول کھینچتا گیا۔ میں نے اپنے چچیرے بھائی اور اپنی والدہ کو بھی بلا لیا، جن کی گود میں میرا سب سے چھوٹا بھائی یدوپتی سہائے تھا،

جسے میں اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا ہوں اور جو اب الہ آباد یونیورسٹی میں ۲۲ برس کے عرصے سے ایک مشہور پروفیسر ہے۔

مجھے اس امر سے ڈھارس بندھی کہ اسی زمانے میں میرے سب سے بڑے دوست پنڈت امرناتھ جھا بھی میرے یہاں آکر ٹھہرے۔ سر تیج بہادر سپرو کے بیٹے بھی بغل ہی کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ غریب الوطنی میں تنہائی کا غم قدرے کم ہو گیا تھا اور والد کی تیمارداری کرتے ہوئے ایک غم آلود ہنسی خوشی کے ساتھ دوستوں میں کچھ وقت کٹ جاتا تھا۔ ابھی میری شاعری شروع نہیں ہوئی تھی۔ صرف بہترین انگریزی اور اردو ادب و فلسفہ کی کتابیں زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

والد کی حیات زندگی اور موت کے درمیان معلق تھی۔ ۱۷ جون ۱۹۱۸ء کی شام کو میرے مریض والد کو کھانسیوں کے کچھ جھٹکے آئے اور اُلٹی سانسیں چلنے لگیں۔ مجھے وہ رات کبھی نہیں بھول سکتی، جب آدھی رات کے قریب سول سرجن کی کوٹھی پر مجھے کئی میل تنہا جانا پڑا اور اسے اپنے ساتھ لانا پڑا۔ رات بھر میرے والد اُلٹی سانسیں لیتے رہے اور اُسی ۱۸ جون کو علی الصباح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اس صبح جس کوٹھی میں میں مع خاندان مقیم تھا، چڑیوں کا نغمہ کئی گنا بڑھ گیا اور فضا غیر معمولی حد تک سہانی ہو گئی۔ میرے والد بستر مرگ پر اس طرح دائمی راحت میں لیٹے نظر آرہے تھے، گویا میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ میری والدہ نے مجھ سے کہا "تیرا باپ بڑا نرچھل آدمی تھا۔ جبھی تو اس کی رحلت کے بعد یہاں کی فضا اتنی پاکیزہ اور سہانی معلوم ہوتی ہے۔" اس حادثے کے کئی برس بعد جب میری شاعری شروع ہو چکی تھی تو اس منظر کی تصویر میں نے اس رباعی میں کھینچی:-

غفلت کا حجاب کوہ و دریا سے اُٹھا ۔۔۔ پردہ فطرت کے روئے زیبا سے اُٹھا
پو پھوٹنے کا سماں سہانا ہے ۔۔۔ پچھلے کو فراق کون دُنیا سے اُٹھا

باپ کا کریا کرم کر کے میں پس ماندگان کو لے کر گورکھپور آیا۔ خاندان بھر کے لئے روٹیاں کمانے والا دُنیا سے اُٹھ چکا تھا اور تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے اپنی چھوٹی بہن کی

شادی کا انتظام کرنا تھا۔ ناقابل برداشت پریشانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے میں اس فرض سے سبکدوش ہوا۔ کچھ دنوں بعد انگریزی سرکار کی طرف سے مجھے ڈپٹی کلکٹری کے لئے منتخب کرلیا گیا۔ ابھی میں نے چارج نہیں لیا تھا کہ مجھے ایک انٹرویو کے بعد آئی۔سی۔ایس کے لئے بھی منتخب کرلیا گیا۔ خاندان کی ڈوبتی ناؤ کے لئے یہ بہت بڑا سہارا تھا۔ لیکن میرے دل میں ہائے ہائے مچی ہوئی تھی۔ میں نے تیس ہزار روپے کے خاندانی قرضے کی ادائیگی کے لئے باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد کو جستہ جستہ فروخت کرنے کا انتظام کیا اور ذہنی اور دلی کرب اور ازدواجی زندگی سے بیزاری کی وجہ سے آئی۔سی۔ایس اور پی۔سی۔ایس دونوں عہدوں سے استعفادے کر مہاتما گاندھی کی رہبری میں جنگِ آزادی میں شریک ہوگیا۔ اسی دُکھ بھرے زمانے میں میں نے دل کو جھوٹی تسلی دینے کے لئے اور اپنا غم بھولنے کے لئے یا اسے بلند اور لطیف بنانے کے لئے شاعری شروع کردی۔

ان دنوں میری مجنوں گورکھپوری اور منشی پریم چند سے ہر وقت صحبت رہتی تھی۔ اس نے میری ادبی صلاحیتوں کو مہمیز کیا اور میرے فکر و وجدان پر جلا کرنا شروع کی مہینے دو مہینے میں ایک آدھ غزل ہونے لگی۔ ابھی میری شاعری کو شروع ہوئے چند ہی ماہ گذرے تھے کہ میں نے یہ شعر کہا تھا:۔

دل دکھے روئے ہیں شاید اس جگہ اے کوئے یار  خاک کا اتنا چمک جانا ذرا دشوار تھا

اسی زمانے کے کچھ اور اشعار ملاحظہ ہوں:۔

کبھی جب پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں وہ اے ہمدم  عدو کا منھ کو رہ جاتا ہے اپنے پر گماں ہوکر
وصال اس سے میں پا جاؤں کہاں یہ دل میرا  یہ رو رہا ہوں کہ کیوں میں نے اس کو دیکھا تھا

اسی زمانے میں میرے بڑے بھائی گنپت سہائے جو لڑکپن ہی سے تپِ دق میں مبتلا رہے انتقال فرما گئے۔ اُن کی موت کا منظر میں نے اس شعر میں باندھا ہے ؎

کسی کے صبر نے بے صبر کردیا سب کو  فراق نزع میں کروٹ کوئی بدلتا تھا

یہ غزل بہت آہستہ آہستہ طویل مدت میں مکمل ہوئی جس کا یہ شعر کوئی دوئم درجے کا شاعر نہیں کہہ سکتا حالانکہ ابھی میری اور میری شاعری کی عمر ہی کیا تھی:

ہر اک کے ہاتھ فقط غفلتیں تھیں ہوش نما    کہ سب کو اپنے سے بیگانہ وار جینا تھا

اسی زمانے میں میں نے ایک نظم کہی جو "نعرۂ حقیقت" کے نام سے سارے ملک میں مشہور ہوئی اور جو علی گڈھ کے مشہور رسالہ "سہیل" میں شائع ہوئی۔

شہنشاہ جارج پنجم کے ولی عہد پرنس آف ویلس ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کا دورہ کرنے آئے۔ گاندھی جی کی قیادت میں ان کے اس دورے کا ملک بھر میں بائیکاٹ کر دیا گیا۔ کانگریس کے تمام لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ پنڈت جواہرلال نہرو جب گرفتار ہوئے تو یو۔پی کی صوبائی کانگریس کمیٹی کی ایک نشست میں گرفتار ہوتے وقت پنڈت جواہرلال نہرو نے پورے صوبے کا ڈکٹیٹر مجھ کو نامزد کیا۔ اس نشست کی صدارت مولانا حسرت موہانی کر رہے تھے۔ جب پنڈت جواہرلال نہرو کا یہ اعلان سنایا گیا تو میں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ پورے صوبے کی ڈکٹیٹری کے لئے رفیع احمد قدوائی مرحوم کے حق میں مَیں دست بردار ہوتا ہوں۔ ابھی یہ کارروائی ہو رہی تھی کہ پوری صوبہ کانگریس کمیٹی، جس کی نشست میں تقریباً سو لوگ شریک تھے گرفتار کر لی گئی۔ لیکن ملاکا جیل میں صرف ۵۵ قیدیوں کی جگہیں خالی تھیں، اس لئے صرف ۵۵ آدمیوں کو گرفتار کیا گیا اور بقیہ کو یہ کہہ کر گرفتار نہیں کیا گیا کہ آپ تو نشست میں شریک ہی نہیں تھے! میں گرفتار شدہ لوگوں میں تھا۔

یہ واقعہ ۶ دسمبر ۱۹۲۰ء کا ہے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۲۰ء کو جیل ہی میں مقدمے کی ایک فرضی سی کارروائی کے بعد فیصلہ سنایا گیا۔ آدھے لوگوں کو ڈیڑھ برس کی قید سخت اور سو روپیہ جرمانہ کی سزا ملی اور بقیہ آدھے لوگوں کو، جس میں میرا بھی شمار تھا، قید محض اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا ملی۔ پہلا قافلہ نینی جیل میں بھیج دیا گیا اور دوسرا قافلہ آگرہ کے لئے روانہ کر دیا گیا، جہاں پہلے سے میں پچیس سیاسی مجرم قید تھے۔ میں اور میرے ساتھی ۱۴ دسمبر ۱۹۲۰ء کو تیسرے پہر آگرہ جیل میں پہنچ گئے۔ وہاں مختلف بارکوں میں چارپائیاں پہلے سے موجود تھیں اور دس بارہ ساتھیوں کے

ساتھ ایک گوشے میں پڑی ہوئی چارپائی پر میں نے اپنا بستر ڈال دیا۔ بقیہ دوسرے لوگوں نے دوسرے بستروں پر اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ اسی طرح پورے ایک سال تک اندازاً ساٹھ ستر سیاسی قیدی ایک ہی جیل میں ساتھ رہے۔ بعد کو اس تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا کہ جن قیدیوں کو قید سخت کی سزا دے کر نینی جیل بھیجا گیا تھا ان کی سزا کو بھی قید محض میں تبدیل کرکے آگرہ جیل بھیج دیا گیا۔ پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو نیز بہت سے سیاسی قیدی لکھنؤ جیل میں تھے۔

آگرہ جیل میں میرے ساتھ علی گڑھ کے خواجہ عبدالمجید، مولانا عارف ہنسوی، مسٹر جوزف ایڈیٹر انڈی پنڈنٹ، مہاتما گاندھی کے سکریٹری مہادیو دیسائی اور دیگر لیڈر اور کارکنانِ کانگریس قید تھے۔ جیل کے اندر نقل و حرکت کی آزادی سبھی کو تھی۔ کھانے پینے، سونے اور بات چیت کرنے کے علاوہ قریب قریب سبھی کا مشغلہ لکھنا پڑھنا تھا۔ میں جیل کی بالکنی پر چلا جاتا تھا اور وہاں دیر تک بیٹھے ہوئے تاج محل کا نظارہ کرتا تھا:

قیدیوں میں شعر و سخن کے بہت سے شیدائی تھے۔ یاروں نے ہفتہ وار مشاعروں کی داغ بیل ڈال دی۔ پہلے مشاعرے میں جو مصرع طرح تھا اس میں میری غزل کا مقطع یہ تھا:—

اہلِ زنداں کی یہ محفل ہے ثبوت اس کا فراق　　　کہ بکھر کر بھی یہ شیرازہ پریشاں نہ ہوا

اب تو اس اسیر شدہ قافلے کے بہت سے افراد مر چکے ہیں۔ سات یا آٹھ ہفتوں تک یہ مشاعرہ باقاعدہ ہوتا رہا۔ اس تمہید بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ یہ اسیرانِ فرنگ جیل میں آکر بے فکرے ہو گئے تھے۔ قریب قریب ہر شخص غم و تردد کا شکار تھا۔ اپنی اپنی مصیبتیں اور پریشانیاں ہر آدمی خاموشی سے اپنے دل میں دبائے ہوئے تھا بظاہر یہ لوگ ہنستے بولتے تھے۔

میں بھی اپنے گھرانے کے بے بس لوگوں اور اپنی حالت کو یاد کرکے دل ہی دل میں کڑھتا تھا مگر کرتا کیا۔ خیریت یہ تھی کہ ہر قیدی ہفتے میں ایک بار اپنے متعلقین اور دوستوں کو خط لکھ سکتا تھا اور تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے ایک ہندی داں اور ہندی نویس دوست اور ساتھی کو بول کر ہندی میں کئی مضمون لکھوا کر پریم چند کو بھجوائے۔ یہ مضامین ہندی رسالوں میں چھپے۔ مجھ کو اب تک یاد ہے کہ ان دو تین مضامین کا معاوضہ مجھے

ساٹھ روپیہ ملا، جسے پاکر میں خفیہ طور پر سگریٹ وغیرہ منگوالیا کرتا تھا اور ایسے ہی دوسرے چھوٹے موٹے اخراجات کا بندوبست کرلیتا تھا۔ جیل ہی میں ایک فرانسیسی ناٹک کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا جس کا ایک فقرہ یوں تھا کہ انقلاب ہونے سے پہلے والی شام کو سب سے غیر متوقع امرانقلاب ہوتا ہے۔ اس خیال کو جیل سے رہائی کے برسوں بعد میں نے اپنے مشہور شعر میں منظوم کیا:

دیکھ رفتارِ انقلاب فراقؔ — کتنی آہستہ اور کتنی تیز

تقریباً ایک برس کے بعد مجھے اور میرے ساتھیوں کو لکھنؤ جیل میں منتقل کردیا گیا جس میں پہلے پنڈت موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو اسیر رہ کر رہا ہو چکے تھے۔ لکھنؤ جیل میں وہ سکون نہیں تھا، جو آگرہ جیل میں رہ چکا تھا۔ قید کی زندگی نے چھنی ہوئی آزادی کے اثر کو سب پر مسلط کردیا تھا۔ ڈیڑھ برس کی میعاد پوری ہونے میں تقریباً چھ ماہ باقی تھے، لیکن دو ہی ماہ بعد ہندوستان بھر میں تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔

لکھنؤ سے گورکھپور آیا لیکن رہائی سے کچھ پہلے ہی میرے چھوٹے بھائی ترپراری سرن کی موت بھی تپ دق سے ہو چکی تھی اس جانکاہ سانحے پر رہائی کے کچھ دنوں بعد ہی میں نے بھائی کا ایک مختصر مرثیہ کہا۔

ایک نازک اور دردناک المیہ میری نفسیاتی زندگی کا یہ رہا ہے کہ ازدواجی زندگی کا غم زہر کی طرح میری رگ رگ، میرے لہو کے ہر قطرے، میرے گوشت و پوست اور میرے پورے وجود پر اس طرح مسلط ہو چکا تھا کہ باپ کا مرنا، دو دو جوان بھائیوں کا مرنا، جوان بیٹی کا مرنا، ایک بدنصیب خبط الحواس بیٹے کی زندگی اور عین جوانی میں اس کی خودکشی یا کسی بھی دوسرے غم انگیز واقعے سے بھر پور انداز میں کھُل کر متاثر ہونے کی صلاحیت مجھ میں باقی نہیں رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ازدواجی زندگی کا غم مسلسل اور مستقل طور پر میرا گلا گھونٹے رہا ہے اور اسی حالت میں دوسرے ایسے سانحوں کا شکار ہونا پڑا لیکن ان کے احساس کی دولت سے محروم ہی رہنا پڑتا تھا۔ یہی حال ان واقعات کا تھا، جنھیں خوشی کا موقع کہا جا سکے۔ مثلاً ایف۔ اے کے امتحان میں

ساتویں پوزیشن لانا، بی۔ اے کے امتحان میں چوتھی پوزیشن لانا، کامیاب سے کامیاب شعر پر زبردست داد پانا، دوسروں سے اپنی تعریف سُننا، پنڈت جواہرلال نہرو اور مہاتما گاندھی کی قدردانی اور ہمت افزائی، ملک بھر میں مشہور ہو جانا وغیرہ یہ تمام خوشی کے موقعے اور خوشی کی باتیں ایک زہرآلود شربت بن جاتی تھیں۔ ہر وقت دل میں ہائے ہائے مچی رہتی تھی اور ایک ہی سبب سے مچی رہتی تھی۔ دوسری ہائے ہائے یا دوسری ہنسی خوشی کے لئے دل میں سکت اور صلاحیت نہیں رہ گئی تھی۔ خوشی تو دور رہی۔ غم کے موقعوں پر بھی کُھل کر غم زدہ نہ رہ سکنے کا غم میرے اندر ایک ناقابلِ بیان کیفیت پیدا کرتا رہا ہے۔ نفسیات کے سمجھنے والے ہی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں اور مجھ پر یہ ٹھیٹ کہاوت صادق آتی ہے کہ مارے اور رونے نہ دے۔

جیل سے چھوٹ کر جب میں اپنے گھر آیا تو گھر کی مالی حالت بہت نازک تھی۔ اسی زمانے میں پنڈت جواہرلال نہرو گورکھپور آئے اور میرے مہمان ہوئے۔ میں نے اُن سے اپنا دُکھ درد کچھ نہیں بتایا لیکن سیاست عالم کے قیافہ شناس جواہرلال نہرو نے بے کچھ کہے سُنے سب کچھ سمجھ لیا اور فوراً میرے سامنے یہ تجویز رکھی کر تم آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے انڈر سکریٹری کی حیثیت سے الہ آباد آکر دفتر کا کل کاروبار سنبھال لو۔ یہ بات ۱۹۳۲ء کی ہے۔ میں نے گورکھپور کو الوداع کہا۔ کانگریس کے صدر تھے مولانا محمد علی۔ وہ مجھے دیکھ چکے تھے اور کانگریس کے ایک جلسے کی انگریزی زبان میں میری قلم برداشتہ رپورٹ پڑھ کر میری صلاحیتوں کے قائل ہو گئے تھے انھوں نے پنڈت جواہرلال نہرو کی تجویز پر حامی بھر لی۔ میں گورکھپور چھوڑ کر الہ آباد آگیا اور اب میں ڈھائی سو روپے مہینے پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا مستقل انڈر سکریٹری بن گیا۔

دفتر میں کام زیادہ نہیں تھا لیکن جتنا تھا میرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ میں دفتر کے بالاخانے پر دو کمروں میں رہتا تھا۔ اب ایک نئی مصیبت پیش آئی۔ جس طرح ۱۹۱۴ء کی شادی کے بعد پورے سال بھر تک مجھے نیند نہیں آئی تھی وہی بے خوابی پھر شروع ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ تنہائی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک خارجی اور ایک داخلی۔ میں دفتر کے اوپر بالکل تنہا رہتا تھا۔ الہ آباد کی بھری دُنیا میں اپنا ہم مذاق کہاں سے پیدا کر لیتا۔ یہ تو خارجی تنہائی تھی۔ داخلی تنہائی

کا یہ عالم تھا کہ میری رہائش ہر طرح کی آسائش کے باوجود مجھے متوحش کئے رہتی تھی۔ یہاں تک کہ پڑھ لکھ کر بھی کئی گھنٹے ایسے بچ جاتے تھے کہ ایک ایک سانس نہ ختم ہونے والا جگ معلوم ہوتا تھا۔

جب میں آگرہ جیل میں تھا تو اسی زمانے میں میرے مہربان دوست اور قدرداں حضرت عارف ہنسوی مرحوم کے ہم وطن اور دوست حضرت نیاز فتحپوری (فتحپور کا عرفِ عام میں نام ہے فتحپور ہنسوہ) نے اپنا مشہور رسالہ "نگار" نکالا، جس کا پہلا شمارہ عارف مرحوم کے پاس جیل میں آیا۔ اسی پہلے شمارے میں ناقی جالسی اور فانی بدایونی کی معرکۃ الآرا غزلیں تھیں۔ میں نے یہ رسالہ جیل میں بڑے اشتیاق سے پڑھا۔ ناقی جالسی کا یہ شعر میرے دل پر نقش کالحجر بن گیا اور اس کے اسلوبِ بیان پر میں بے اختیار جھوم جھوم پڑا:

تجسس ہو تو بل جاتا ہے سب کچھ دارِ امکاں میں
کوئی لمحہ خوشی کا آؤ ڈھونڈیں عمرِ انساں میں

فانی کی وہ مشہور غزل اسی شمارے میں نکلی تھی، جس کا مطلع ہے:

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا	زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

اب تک یہ بات نہیں بتائی گئی ہے کہ میں نے اپنا تخلص کیوں کر منتخب کیا۔ جب گورکھپور میں پریم چند کا اور میرا ساتھ دن رات رہتا تھا۔ اس وقت پریم چند کے پاس آئے ہوئے لاہور کے ایک اُردو رسالے میں خواجہ میر درد کی شاعری پر مضامین شائع ہوئے۔

میں ابھی فراق نہیں تھا۔ میری شاعری کی کُل کائنات پانچ سات غزلیں اور کچھ نظمیں تھیں۔ درد کی شاعری پر مضامین پڑھنے کے بعد اسی رسالے میں اُردو کے مشہور داستان گو ناصر علی فراق کا نام شائع ہوا۔ اس تخلص میں کچھ ایسا جادو تھا کہ میں نے اپنا تخلص منتخب کر لیا۔

بے خوابی اور تنہائی میں ایک روز جب رات کچھ ہی بھیگ چکی تھی، میں نے فانی کے متذکرہ بالا مطلع سے تحت الشعوری طور پر متاثر اور محرک ہو کر غزل کہنی شروع کر دی۔ جس کا مطلع یہ ہے

نہ سمجھنے کی یہ باتیں ہیں نہ سمجھانے کی	زندگی اُچٹی ہوئی نیند ہے دیوانے کی

یہ پوری غزل میرے مجموعوں میں ملتی ہے۔ نو دس بجے رات سے شروع ہو کر یہ غزل ہوتی رہی ہوتی رہی

ہوتی رہی اور جب میں مقطع پر آنے ہی والا تھا کہ رات کٹ گئی اور پو پھوٹتے پھوٹتے میں نے یہ مقطع کہا:

اُجلے اُجلے سے کفن میں سحرِ ہجر فراقؔ ایک تصویر ہوں میں رات کے کٹ جانے کی

انہیں دنوں کا ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان کر دینے کے قابل ہے۔ کانگریس کے انڈر سکریٹری کا عہدہ سنبھالنے کے کچھ ہی دنوں کے بعد میں نے دو ہفتوں کی چھٹی لے لی تاکہ گھر واپس جا کر اپنی ماں، بھائیوں، بہن اور دوسرے گھر والوں کے لئے مناسب انتظام کر دوں۔ ایسا کر کے میں الٰہ آباد واپس آیا۔ مجھے اس امر کا گمان تک نہیں تھا اور ایسا سوچنے میں ساری غلطی میری تھی۔ ابھی انڈر سکریٹری ہوئے مجھے ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا اور میں پندرہ دن کی چھٹی پر چلا گیا اور گھر والوں کا بجٹ میں اس بنا پر بنا چکا تھا کہ مجھے ایک مہینہ کی پوری تنخواہ یعنی ڈھائی سو روپیہ ملیں گے لیکن دفتر سے جب تنخواہ ملی تو پندرہ دن کی تنخواہ کاٹ لی گئی تھی۔ میرا بجٹ ہی اُلٹ گیا۔

میں نے ایک ترکیب سوچی۔ میں نے دس بارہ دن کی محنت سے تین چار مضامین ہندی زبان میں لکھ ڈالے۔ اُردو رسالے تو معاوضہ دیتے ہی نہیں تھے۔ ہندی کے رسالوں نے مجھے فی مضمون تیس روپیہ کے حساب سے معاوضہ دیا اور کٹی ہوئی تنخواہ کی کمی پوری ہو گئی۔ میرے یہ ہندی مضامین اُردو شاعروں پر تبصروں کی شکل میں تھے۔ ہندی رسالوں نے ان کا تپاک سے خیر مقدم کیا۔ ریاضؔ، حالیؔ کے شاگرد آزاد انصاری، عزیزؔ لکھنوی، مولانا محمد علی جوہرؔ یہ چار شاعر تھے جن کے کلام پر میرے تبصرے ہندی رسالوں میں نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئے۔

آج کل بھی جب میں الٰہ آباد یونیورسٹی کی ملازمت سے ریٹائر ہو چکا ہوں اور جب مجھے کوئی پنشن بھی نہیں ملتی تو میرے لئے بہت کچھ سہارا اور میری آمدنی کا خاص ذریعہ انگریزی مضمون نگاری ہے اور اب تو کچھ اُردو رسالے بھی معاوضے دینے لگے ہیں اس لئے اپنی غزلوں اور اُردو نثر کے مضامین سے بھی دوسرے اُردو ادیبوں کے مقابلہ میں کافی روپے کما لیتا ہوں۔

انہیں دنوں میں میرے دوست مجنوں گورکھپوری نے الٰہ آباد آ کر کالج میں داخلہ لے لیا۔ وہ میرے ہی ساتھ ٹھہرے۔ میری تنہائی یک گونہ کم ہو گئی لیکن چند مہینوں ہی کے اندر مجنوں ایسے بیمار ہوئے کہ اُنہیں گورکھپور واپس جانا پڑا اور میں پھر تنہا رہ گیا۔ اس دوران میں نے انگریزی میں

تو کچھ نہیں لکھا اور ہندی مضامین سے جب اندازاً ڈیڑھ سو روپے مجھے حاصل ہوگئے تو ہندی میں مضمون نگاری کا سلسلہ رُک گیا۔ البتہ انھیں دنوں میں مشہور اُردو رسالہ 'زمانہ' کانپور میں میرا مضمون نکلا تھا کئی برسوں تک اس کا چرچا ہندوستان بھر میں رہا۔ یہ مضمون اس امر کی نشان دہی کر رہا تھا کہ اُردو تنقید میں ایک نئی شخصیت اپنی نئی بصیرتوں کے ساتھ اور نئے وجدانی احساسات کے ساتھ داخل ہوئی ہے۔

میں اندازاً چار برس تک کانگریس کا انڈر سکریٹری رہا۔ اس زمانے میں کانگریس تحریک بہت مدھم پڑ گئی تھی۔ دفتر میں میرا کام بہت ہلکا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور پنڈت موتی لال نہرو کا قریب قریب دن رات کا ساتھ رہتا تھا لیکن میں کچھ کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ لکھنے پڑھنے کا شغل بھی بہت کم ہوگیا۔

اس زمانے میں مجھے جب کہ میری شاعری ابھی اپنے ابتدائی دَور میں تھی، ایک مشاعرے میں میرے ایک جاننے والے شرکت کے لئے لے گئے۔ طرح تھی۔ زمانے میں، نشانے میں، فسانے میں۔ جو غزل میں نے اس مشاعرے کے لئے مشاعرے کی طرح میں کہی وہ شاید میری انیسویں یا بائیسویں غزل تھی۔

ایک شعر اس غزل کا یہ تھا:

غرض کہ کاٹ دیے زندگی کے دن اے دوست     وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

میں نے بھی دیکھا اور بعد کو دوسروں نے بھی کہا کہ اس بے پناہ شعر نے مشاعرہ لوٹ لیا۔ اسی زمانے میں چونکہ دونوں کانگریس میں شریک تھے، میری ملاقاتیں مولانا حسرت موہانی سے بھی ہوئیں۔ میں نے حسرت موہانی کو اپنے اشعار نہیں سنائے کیونکہ اپنے اشعار کو میں کسی قابل نہیں سمجھتا تھا۔ البتہ اپنے والد حضرت عبرت کے کچھ اشعار مولانا حسرت موہانی کو سنائے جنھیں سن کر مولانا نے کہا کہ آپ کے پاس تو ایک [illegible] کر میرے والد کا ایک شعر سن کر مولانا حسرت نے کہا کہ یہ شاعری نہیں ہے الہام ہے۔ وہ شعر یہ تھا:

زمانہ کی گردش سے چارہ نہیں ہے     زمانہ ہمارا تمھارا نہیں ہے

یہ اشعار بھی اپنے والد کے میں نے مولانا کو سنائے:

نہ پوچھو مجھے کہ دہر میں ایک کس مپرس ہوں     دیکھو مجھے کہ ہیچ ہوں سب کی نگاہ میں

سبک روح دنیا سے چھوٹیں گے سستے    گراں ہوں گے وہ جن کو سستی ہے دنیا
ایک وہ بال ہیں جو ہیں سرِ گردن کو وبال    ایک وہ بال ہیں جو تا بہ کمر جاتے ہیں
زندگانی کی حقیقت سے نہیں ہم واقف    موت کا نام جو سنتے ہیں تو مر جاتے ہیں

یہ اشعار سن کر مولانا حسرت موہانی نے کہا کہ آپ کے پاس تو قیمتی اشعار کا ایک خزانہ ہے۔ اس واقعہ کے لگ بھگ چالیس برس بعد مولانا حسرت موہانی کا انتقال ہوا۔ مرنے سے پہلے مولانا حسرت موہانی نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں انھوں نے میرے مندرجہ ذیل دو اشعار کی بہت داد دی تھی۔

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی    یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

زندگی کیا ہے آج اسے اے دوست    سوچ لیں اور اداس ہو جائیں

کانگریس کے انڈر سکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۲۲ء کے کسی مہینے سے لے کر مئی ۱۹۲۷ء تک کام کیا جیسا کہ گزارش کر چکا ہوں۔ دفتر کا کام بہت ہلکا تھا کچھ پیچیدہ فائلیں ضرور ایسی میرے سپرد کی گئیں جنھیں سلجھانا آسان نہ تھا۔ لیکن مجھے انھیں سلجھانے اور سمجھنے میں بڑی کامیابی ہوئی۔ اسی زمانے میں دیش بندھو چترنجن داس اور پنڈت موتی لال نہرو، کئی دیگر کانگریس کے لیڈروں کی رضامندی اور حمایت حاصل کر کے عدم تعاون کے پروگرام میں اس تبدیلی کے لئے کوشاں ہوئے کہ مرکزی اور صوبہ جاتی آئینی مجالس یا اسمبلی کا بائیکاٹ ختم کر دیا جائے اور کانگریس اسمبلیوں کا چناؤ لڑے۔ بڑی رد و کد کے بعد گاندھی جی اس امر پر راضی ہوئے کہ کانگریس کے جو ممبران چاہیں وہ چناؤ کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس کے لئے دلی میں کانگریس کا ایک خاص اجلاس ہوا جس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم چنے گئے۔ میں خود اس امر کو سوچتا تھا کہ اسمبلی میں جانے سے ہماری سیاسی تحریک کو کوئی فائدہ پہنچے گا یا نہیں۔ لیکن اس نئی تجویز کی موافقت کے جذبات میرے دل میں اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ مہاتما گاندھی کے متعلق میرے اندر یہ خیال پختہ ہوتا گیا کہ وہ موجودہ تہذیب و تمدن کے ہر اہم اور بڑے ادارے کی اہمیت سمجھنے سے قاصر ہیں

اور یہ سوچ کر میرے دل میں گاندھی جی کے خلاف ایک چڑ پیدا ہو گئی۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گاندھی جی نہ علوم کی اہمیت سمجھتے ہیں، جس میں ادب، فلسفہ، سائنس اور تمام دیگر علوم شامل ہیں۔ نہ ان یونیورسٹیوں کی اہمیت سمجھتے ہیں نہ مغرب کے ان اداروں کی اہمیت سمجھتے ہیں جن کو اپنائے بغیر ایشیا اور افریقہ کا کوئی مستقبل ہو ہی نہیں سکتا۔ گاندھی جی کی عظمت کا راز صرف انگریزی حکومت سے لڑنے کے لئے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے تمام ہندوستانیوں میں ایک قوت ارادی کا اور باغیانہ جذبات کا جگا دینا تھا اور انکی عظمت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ اتنا بڑا کام پُر امن طریقے سے کامیاب بنانا چاہتے تھے۔

جیسا عرض کر چکا ہوں میرے پاس وقت بہت تھا، کیونکہ کانگریس کے دفتر میں کام بہت ہلکا تھا۔ اس دولتِ وقت کا خرچ کرنا ضروری تھا ورنہ میں گھٹ گھٹ کر مر جاتا۔ چنانچہ اسی زمانے میں منظر علی سوختہ مرحوم سے الہ آباد میں مجھے بڑی قربت حاصل ہو گئی۔

مہاتما گاندھی نے چاہا تھا کہ میں گجرات ودیا پیٹھ میں پروفیسری کروں۔ میں نے اُن سے گذارش کی کہ مجھے گورکھپور ہی میں عوام کو منظم کرنے دیجئے، جس پر وہ بخوشی راضی ہو گئے۔ گورکھپور میں یوں تو جذباتی طور پر ہزارہا اور لکھوکھا لوگ کانگریس کے ہمنوا تھے، لیکن نمایاں عہدے جن آدمیوں کو ملے جب اُن سے میرا قرب ہوا تو میرے دل کو بڑی چوٹ لگی۔ ان نمایاں کارکنوں میں کچھ تو بے حد اچھے لوگ تھے، لیکن کئی آدمی ایسے بھی گھُس گئے جو کم بیش تعلیم یافتہ تو تھے لیکن بہت غلط لوگ تھے۔ عمل اور ردِ عمل میں اس قدر جہالت تھی کہ یہ لوگ نہ خود کام کرتے تھے نہ کسی کو کرنے دیتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں، جب کوئی جماعت منظم ہو کر بغاوت کرتی ہے، یا کسی منظم تحریک میں شریک ہوتی ہے تو اس کے بہت سے افراد میں برائی پیدا ہو جانا فطری ہے۔ مشہور عالم مصنف تالستائی نے بھی کہا ہے کہ انسان منظم ہو کر برا انسان بن جاتا ہے اور شاید یہی اصول فلسفیانہ انارکی یا نراج کی بنیاد ہے۔ یوں تو کسی نہ کسی قسم کے نظام یا قاعدے کے بغیر سماج زندہ نہیں رہ سکتا۔

روا روی میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر پنڈت جواہر لال نے مجھے گورکھپور میں کانگریس کا

کام کرنے سے علحٰدہ کرکے کانگریس کے دفتر کا انڈر سکریٹری نہ بنادیا ہوتا تو میرا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حکومت بُری ہے تو حکومت بھی غالباً زیادہ تر ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے مٹے گی' جو خود بُرے ہوں۔ کسی کے مقصد کی بلندی اور پاکیزگی، اس کے کردار کی بلندی اور پاکیزگی کی ضامن نہیں ہوتی اور خاص کر جب وہ مقصد تخریبی ہو۔ تعمیری مقاصد بھی ان معنوں میں سیاسی مقاصد تخریبی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

کانگریس میں کچھ اور ضمنی لیکن اہم تجربات مجھے ہوئے۔یو۔پی کی پولیٹیکل کانفرنس کا ایک اجلاس آگرہ میں ہوا، جس کے صدر تھے مولانا حسرت موہانی۔ اسی پنڈال میں رات کو خلافت کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا' جب ہم ہندو مسلم اتحاد پر بڑا ناز کرتے تھے۔ خلافت کانفرنس کے اجلاس میں نوّے فیصدی مسلمان شریک تھے۔ایک سیدھے سادے مسلمان نے مجھ سے کہا کہ اس کانفرنس میں ہندو حضرات کیوں آنے لگے۔ وہ تو اپنی کانگریس میں آئیں گے۔ اس "اپنی کانگریس" میں دفتر کے دفتر چھپے ہوئے ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے جب ایک آدمی بھی پاکستان کا خواب نہیں دیکھتا تھا' اور جب مسلم لیگ اور کانگریس دریائے گنگ و جمن کی طرح ایک ہی سنگم پر آکر مل گئی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی سے لے کر آج تک مسلمانوں میں آزادی کا جذبہ ضرور رہا۔ لیکن آزادی کا مفہوم ایک متحدہ تعمیری حکومت کی شکل میں بہت کم مسلمانوں کے دماغ میں اپنی جگہ بنا رکا تھا۔ کیونکہ جاگی ہوئی ہندو اکثریت کا جو مناسب مقام اور رول اس متحدہ اور مستقل تعمیری کام میں ہونا چاہیے' اس کو زیادہ تر مسلمان نہ سمجھ سکتے تھے' نہ سمجھنا چاہتے تھے، اور اگر سمجھنے والے تھے تو اسے قبول نہیں کرتے تھے۔ یہاں ہندوؤں کی اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت کی حق تلفی کا سوال تھا ہی نہیں' بلکہ سوال یہ تھا کہ ایک متحدہ حکومت قائم ہوجائے اور اس میں ہندوؤں کی اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت دونوں مناسب اور اپنی تعدادوں کے تناسب کے ساتھ تعمیری کاموں میں لگ جائے۔ جمہوری حکومت' ہندو یا مسلمان نہیں ہوا کرتی۔ زراعت کی ترقی' صنعت کی ترقی اور اہل ملک کی خوش حالی تعلیم کی ترقی، خوش انتظامی' نالایقی اور بے ایمانی سے محفوظ عہدہ داری یا منصب داری، حکومت کے تمام

شعبوں کا مناسب طرزِ عمل علوم و فنون کی ترقی، ہندو مسلم چیزیں نہیں ہوا کرتیں۔

اگر انسانی کمزوریوں کے سبب سے اکثریت چند امور میں اقلیت کی حق تلفی کرتی بھی ہو تو یہ اندھیر بہت دنوں تک چل سکتا اور خاص کر ایسی اقلیت جس کی تعداد ساری آبادی کی ایک چوتھائی ہو اور دس کروڑ سے بھی زیادہ ہو۔ اس متحدہ غیر ہندو اور غیر مسلم حکومت اور اس حکومت کے زیرِ سایہ پورے ملک کی ترقی کا تصور وہ مسلمان نہ سمجھ سکے جنھوں نے ملک کا بٹوارہ کرا دیا یوں تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی چاہے تو اس کی تاویلیں کر سکتا ہے ناقص سیاسی تصور نے مسلمانوں سے پاکستان کی مانگ کرائی اور یہ ناقص تصور ہندوستان کے ٹکڑے کرا کے رہا۔

میں اپنا حال سناتے سناتے بہت آگے بڑھ آیا۔ دسمبر ۱۹۲۶ء تک میں کانگریس کا انڈر سکریٹری اور پنڈت جواہر لال نہرو جنرل سکریٹری تھے۔ ۱۹۲۷ء کے آغاز میں پنڈت نہرو دو برس کے لئے سیاستِ عالم کا مطالعہ کرنے یورپ چلے گئے۔ اب کانگریس کے انڈر سکریٹری کے عہدے میں میرے لئے کوئی کشش نہیں تھی۔ پہلے مجھے کرسچین کالج لکھنؤ پھر سناتن دھرم کالج کانپور میں بحیثیت پروفیسر ملازمت حاصل ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں انگریزی میں آگرہ یونیورسٹی سے اوّل درجہ میں امتحان پاس کرنے پر الٰہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی میں تعلیم دینے کا عہدہ مل گیا جس سے میں ۲۱، دسمبر ۱۹۵۸ء میں سبکدوش ہو گیا۔ رٹائرمنٹ کے بعد مجھے یو، جی، سی کی طرف سے نیشنل ریسرچ پروفیسر کا عہدہ مل گیا جس سے پچھلے سال یعنی ۱۹۶۶ء میں رٹائر ہوا۔

یونیورسٹی میں اپنی زندگی سے متعلق چند باتوں کا اجمالاً ذکر کروں گا۔ میں نے تکلیف دہ حد تک محسوس کیا کہ زیادہ تر پروفیسروں کو علم سے بالکل برائے نام لگاؤ ہے اور وہ نہ علمی مسائل نہ زندگی کے مسائل پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بڑی کتابوں کا گہرا یا مفکرانہ مطالعہ تو دور رہا سطحی مطالعہ بھی نہیں کرتے۔ اوّل درجے کے دماغ رکھنے والے پروفیسروں کا ہمارے یونیورسٹیوں میں قحط ہے۔ جہاں تک پڑھانے کا تعلق ہے باتوں اور اصولوں کو محسوس کر کے نہیں پڑھاتے بلکہ طوطے کی طرح یاد کر کے درجے میں کچھ باتیں کہہ دیا

کرتے ہیں لیکن کچھ ایسی ہستیاں بھی پروفیسروں میں ضرور ہیں جو ہر طرح قابل قدر اور قابلِ احترام ہیں۔ یہ چند ہستیاں ہماری یونیورسٹیوں کی آبرو ہیں۔ یہ بہت بڑا موضوع ہے، اس لئے اسے یہیں چھوڑ دیتا ہوں، بس اتنا کہہ کر کہ جو شخص ایک بڑا آدمی نہیں ہے وہ اطمینان بخش پروفیسر نہیں ہو سکتا۔ تہائی صدی سے زیادہ دنوں کے دورانِ ملازمت میں میں کئی بار ایسی خطرناک اور جان لیوا بیماریوں کا شکار رہا کہ میں موت کی وادیوں سے گزرتا ہوا پھر زندگی کی فضاؤں میں واپس آسکا۔

یہ بات بھی کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان بھر میں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے ہمارے کئی کروڑ بچے بچیاں ایک بہت تاریک مستقبل کا سامنا کر رہے ہیں۔ پُرانی نسل نے نئی نسل کو دھوکا دیا ہے۔ اگر اس طرح کی تعلیمی منصوبہ بندی کو جلد از جلد عملی جامہ نہیں پہنایا گیا کہ تعلیم ختم کرکے ہمارے اسکولوں اور کالجوں کی پیداوار ٹھکانے سے اور مناسب طور پر باروزگار ہو سکے تو یہاں بہت جلد وہ خطرہ پیدا ہونے والا ہے جس کا تصور بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ حال کا دل مستقبل کی سوچ سے دھڑک رہا ہے۔ ماندھاد ھند تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کا ایٹم بم (سائنس کے ایٹم بم سے کہیں زیادہ بھیانک ہے!) ہماری تعلیم گاہوں اور ہمارے گھروں کے اوپر منڈلا رہا ہے۔ پُرانی نسل کی بےحسی، بےانتظامی اور بدانتظامی اس نسل کا سب سے بڑا جُرم ہے۔ محض نام نہاد رسمی تعلیم و تقسیم اسناد سے جان نہیں بچے گی۔ تعلیم اور تعلیم پانے والوں کو زندہ موت کے خطروں سے بچانا ہے۔ میں نے محکمۂ تعلیم کا نمک کھایا ہے۔ حکومت کو یہ چیتاؤنی ہی دے کر حق نمک ادا کر سکتا ہوں۔

یہی تہائی صدی بھی طویل زمانہ میری شاعری کی نشوونما کا زمانہ ہے۔ اس طول طویل زمانے کے دوران میں اپنے کو اور اپنی شاعری کے مقصدوں اور آدرشوں کو دریافت کرتا رہا ہوں۔ میرے لئے یہ روحانی سفر و سیاحت کولمبس کی دریافتِ امریکہ کے سفر و سیاحت سے کم آزمائشوں کا حامل نہیں تھا۔ میں اپنی شاعری کو ہندوستان کی تہذیب کی روح کا ترجمان بنانا چاہتا تھا، ساتھ ہی آفاقی تہذیب کو بھی اپنی شاعری میں سمونا چاہتا تھا۔

ہندوستانی تہذیب پر دنیا بھر میں بڑی گہری اور مفکرانہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ اس مضمون کی حدود میں اس موضوع پر میں اظہارِ خیال کروں، میں 'گلبانگ' کے کچھ حصّوں کی طرف اشارہ کروں گا جن میں اس تہذیب کی ترجمانی یا مصوّری کے کچھ نمونے ملیں گے۔
مادرِ ہند سے، 'رُوپ'، 'حُسن کی دیوی سے'، 'دیوالی کے دیپ جلے'، 'جگنو'، 'دھرتی سنگیت'، 'کارتکی پورنما'، 'ہنڈولا' اور 'دھرتی کی کروٹ' کے کچھ ٹکڑے ہندوستانی تہذیب کی دلکشی، پاکیزگی، اس کی عالمگیر اپیل اور اس کی لازوال و لافانی قدروں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ یہی تہذیب بلند مقامات سے جب گزرتی ہے تو اس مجموعے کی نظم 'نغمۂ حقیقت' کا سنگیت بن جاتی ہے۔ ہندوستانی تہذیب میری غزلوں میں عشقیہ جذبات اور احساسِ جمال کی نزاکتوں اور نرمیوں کا لہجہ اختیار کر لیتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اِس مجموعے کی نظموں، غزلوں اور رُباعیوں میں آفاقی ادب کی آواز بازگشت کی گونجیں بھی سُنائی دے جائیں گی۔ سادگی، نرم آہنگی، معصومی، رنگینی، شادابی، دقّتِ نظری اور احساس کی گہرائی، لہجے کی گھلاوٹ اور قوتِ شفا خیر و برکت کے عناصر، مادّی کائنات اور مادّی زندگی کی روحانیت والوہیت ہندوستانی ادب، ہندوستانی فنونِ لطیفہ اور ہندوستانی تہذیب کی زندۂ جاوید خصوصیتیں رہی ہیں۔

اس مضمون میں صرف اتنی گنجائش ہے کہ انتہائی اختصار کے ساتھ ہندوستانی تہذیب پر ایک چلتی پھرتی روشنی ڈالتا ہوا گزر جاؤں۔ اس تہذیب کی قدروں کو جاننے، سمجھنے اور محسوس کرنے کے لئے یہاں کی لوک کتھائیں، لوک گیت، تیوہار، کئی رسوم، روزانہ کی زندگی کے جزوئیات، کچھ علائم، یہاں کی سنگیت کلا اور دوسری کلائیں مثلاً فنِ بُت گری، فنِ تعمیر، چترکلا، رقّاصی اور گھریلو صنعتوں میں جو لوچ، نزاکت و نرمی، خوشگوارپن اور اور سُہانا پن ہے، جو شانت رس اور پریم رس ادگن ہے، ہندوستانی تہذیب میں بچپن کا تصوّر، عورت کا تصوّر ان سب چیزوں نے مل کر صدیوں میں ایک مزاج و کردار کی تخلیق و تعمیر کی ہے۔ مذاہبِ عالم کے عقائد جھٹلائے جا سکتے ہیں لیکن جس مزاج کو ہندوستانی تہذیب نے جنم دیا

ہے جن وجدانی وجمالیاتی تجربوں اور قدروں کو ہندوستانی کلچر نے قومی کردار کا جزو بنادیا ہے وہ جھٹلائے نہیں جا سکتے۔ ہندوستانی تہذیب کے یہ عناصر ترکیبی سدا بہار اور سدا سہاگ ہیں۔ اس تہذیب کی ہمارے مسلمان ہم وطنوں نے بھی اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ساتھ ناقابل فراموش خدمتیں انجام دی ہیں۔

ایک بہت قیمتی اور اہم اثاثہ ہندوستانی کلچر کا فطرت، مناظر، مظاہر فطرت کا وہ مخصوص زندہ احساس ہے جو فطرت اور اس کے مظاہر و مناظر سے انسان کو ایسا قریبی اور باطنی رشتہ پیدا کر دیتے ہیں کہ ہم اُن سے انتہائی مانوسیت و ہم آہنگی کا داخلی تجربہ حاصل کرتے ہیں اس قرب و مانوسیت و ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ فطرت و حُسن کی اتھاہ رمزیت کا بھی ہمیں احساس ہوتا ہے۔ دھرتی آکاش اور اُن کے رنگا رنگ مناظر محض ایک سیر گاہ نہیں ہیں۔ ان کا درشن کر کے ہم اپنا درشن کرتے ہیں۔ ان کا سائنسی شعور ہمارے لئے ضروری و اہم ہوتے ہوئے بھی ہمیں وہ وجدانی و جمالیاتی شعور فطرت نہیں دے سکتا جو اس فطرت پرستی (nature worship) کی توفیق عطا کرتا ہے جو ہندوستانی تہذیب کی بیش بہا ترین دین یا برکت ہے۔

اُردو شاعری میں بہت کچھ ہے لیکن زندہ لمسی احساسات کی وہ زرخیزی و لطافت نہیں ہے اور نہ وہ داخلیت آمیز صورت گری (imagism) ہے جو ہندو دھرم، جین دھرم اور بدھ دھرم کے مندروں، مورتیوں، اور دوسری کلاؤں میں اور شاعری میں جلوہ گر ہے۔ فضا آفرینی بھی ہندوستانی تہذیب سے متاثر شاعری اور دیگر فنونِ لطیفہ کی ایک بہت قیمتی خصوصیت ہے اور عام طور سے اُس کی بھی کمی مجھے اُردو شاعری میں نظر آئی۔ اُردو شاعری میں احساس و صوتیات کی وہ غنائیت و معنویت و داخلیت جس کیفیت سے پیدا ہوتی ہے عام طور سے کم رہی ہے۔ بغیر اس داخلی غنائیت کے ہندوستانی تہذیب کی نمائندگی و ترجمانی نہیں ہو سکی۔ اور نہ بغیر امرت میں ڈوبے ہوئے اس لب و لہجہ (rectared accent) کے جو سنسکرت اور ہندوستان کی کسی دوسری

زبانوں کی سنگیت سے تھرتھراتی ہوئی شاعری میں سُنائی دیتی ہے۔

'گلبانگ' میں شامل آدھی رات'، پرچھائیاں'، دوسری نظمیں، رباعیاں اور غزلیں اُوپر گنوائی اور بتائی ہوئی خامیوں کو دور کرنے اور خوبیوں کو شامل کرنے کی سعی جمیل غالباً مان لی جائیں گی۔ ہنڈولا میری وہ نظم ہے جس میں ہندوستانی تہذیب کی ترجمانی کے علاوہ میری زندگی کی دھوپ چھاؤں صاف اور مکمل طور پر نظر آجائے گی۔ یہ نظم میری زندگی کے آغاز اور نشو و نما کی داستان ہے۔ یہ نظم میں نے ایک شاعر، ایک ذمّہ دار و نمک حلال گرہست اور تعلیم دینے والے کی حیثیت سے لکھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی نجی داخلی و خارجی زندگی کی دستاویز بھی میں نے اس نظم میں شامل کر دی ہے۔

میری زندگی اب ۷۲ویں سال کی حدود میں داخل ہونے والی ہے۔ میں نے زندگی میں بہت دُکھ جھیلے۔ (یہ بات میں جذبۂ خود رحمی سے نہیں کہہ رہا ہوں) میں بالکل برباد، ناکارہ، مفلوج و مجہول یا پاگل ہو جانے یا خودکشی کرنے سے صرف اس لئے بچ گیا کہ خدا پر نہیں، کسی آخرت پر نہیں، زندگی میں یا زندگی کے بعد کسی اچھے مستقبل پر نہیں بلکہ انسان، کائنات اور حیات پر اٹل ایمان تھا۔ اسی ایمان نے میرے اندر یہ تحریک پیدا کی کہ زندگی کے تلخ زہر کو امرت سمجھ کر قبول کروں۔ قبولیت کے اسی عمل اسی قبول صلیب (self-crucifixion) سے وہ شاعری جنم لیتی ہے جو خود شاعر کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی ایک جیون سندیش یا پیامِ حیات بن جاتی ہے۔ ہر دل میں ایسے ہی نغموں کا شہر بسانا شاعری میں میرا نصب العین یا مقصد رہا ہے۔ میری زندگی اب پچھلی رات کی منزل میں ہے شاعر کی نغمہ سرائی سے شاعر کی دائمی خاموشی کم معنویت نہیں رکھتی ہے۔

| | |
|---|---|
| الوداع اے جنم ساتھیو الفراق اے ہم عصرو | اک اُن سُنی پکار دیر سے مجھ کو کہیں بُلاتی ہے |
| اب تم سے رخصت ہوتا ہوں آؤ سنبھالو سازِ غزل | نئے ترانے چھیڑو میرے نغموں کو نیند آتی ہے |

# فراق کی تحریر

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

اب دورِ آسماں ہے نہ دورِ حیات ہے
اے دردِ ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہو گئی ہے

دیکھ رفتارِ انقلاب فراق
کتنی آہستہ اور کتنی تیز

یہ زندگی کے کڑے کوس یاد آتا ہے
تری نگاہِ کرم کا گھنا گھنا سایہ

نہ پوچھ کتنا جیا ہوں میں نہ پوچھ کیسے جیا ہوں میں
کہ ~~غم~~ ابد کی آنکھ بھی لگ گئی مرے غم کی شام دراز میں

فراق گورکھپوری

مَیں یہ نغمے گاتے گاتے کتنی دُور آج نکل آیا
کائنات کی ہر سرحد نظروں سے چھپتی جاتی ہے

## Madarey Hind Sey

## مادرِ ہند سے

اے مادرِ ہند صبح تیری تری شام  ہیں ساقیٔ دوراں کے چھلکتے ہوئے جام
لمحوں میں ترے رازِ ابد پنہاں ہیں  تیری ہر سانس ایک پیغامِ دوام

دریا آئینۂ جہاں گذراں  کہسار ترے سکونِ دائم کے نشاں
ہے تیری فضا میں کچھ گھلاوٹ ایسی  افزوں جو کرے رقتِ قلبِ یزداں

حور و غلماں حسنِ ہندی کی صفت  گلزارِ جناں میں ترے رنگ و نکہت
ندیوں کا تری نچوڑ نہرِ کوثر  مٹی میں ہے تری شانِ ارضِ جنت

انساں کو انسان بنایا تو نے  وجدان کو وجدان بنایا تو نے
ہر فن کو آئینۂ حقیقت کا کیا  ہر علم کو عرفان بنایا تو نے

شانِ رمِ زندگی اداؤں میں تری  پیچ و خمِ زندگی کلاوں میں تری
موسیقیٔ سیال لب و لہجہ ترا  کیف و کمِ زندگی صداؤں میں تری

بادل کا دھواں سرفراز کہسار جلوہ وہ دیو لوک دشت و گلزار
گاتی ہوئی اپسرائیں جیسے گذریں ندیوں نے تری وہ چھیڑ رکھا ہے ستار

وہ اندر دھنش وہ سات رنگوں کی پھوار بہروپ دکھاتے موسموں کی رفتار
آجاتی ہے جھنکار تری پائل کی اک رقص سرمدی ہے یا رت سنگھار

رخساروں میں تیری ہی دمک دیکھتے ہیں ہر عضو میں تیری ہی لچک دیکھتے ہیں
پڑتی ہے آنکھ اپنی جب خلقت پر ہر چہرے میں تیری ہی جھلک دیکھتے ہیں

دن رات کھنک رہے ہیں لاکھوں ہی تار کانوں میں ازل سے آرہی ہے جھنکار
افلاک بریں پر انگلیوں سے تیری لو دیتے ہوئے تاروں کا چھیڑا ہے ستار

تیری ہر سانس میں جناں کی بو باس دامن کی ہوا ترے زمانے کو ہے راس
حاصل ہوا دھڑکنوں سے تیرے دل کی روحانیتِ مادّہ کا یہ احساس

ہر فرقہ و ہر ملّت و ہر مذہب و دیں سب نے جا کے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں ماتا جھلکتی ہے تری دنیا کی مادرِ وطن ہے یہ زمیں

پھیری ترے در کی جو لگا جاتے تھے سینے کی دبی جوت جگا جاتے تھے
سنتے ہیں علاوہ دولت دنیا کے سائل ترے کچھ اور بھی پا جاتے تھے

کیا کیا ہمیں دے گئے ہمارے اجداد کیا کیا ہمیں کر گئے وہ شاد و ناشاد
دی دولتِ بیدار رموز ہستی گہری ہے نشاط و غم سے جن کی بنیاد

پیغام ترا بات اٹل ہے اے ہند — ہر دور ترا ایک ہی پل ہے اے ہند
شاموں پہ تری شام ابد کا سایہ — ہر صبح تری صبحِ ازل ہے اے ہند

لے اے ماتا نظامِ شمسی کا سلام — دے اے ماتا نظامِ شمسی کو پیام
اے ہند ترا نزول عالم میں ہے — سینے میں فضاؤں کے خدا کا الہام

وہ سیاروں کے آنے جانے کی صدا — وہ قلبِ زماں کے تھرتھرانے کی صدا
پہلی آواز تھی زمانے میں تری — کہتے ہیں جسے الکھ جگانے کی صدا

دل سانچوں میں انوار کے ڈھل جاتے تھے — آتش نفسی کے لوگ بَل جاتے تھے
ظلمات کے سینے میں بقول راوی — سانسوں سے تری چراغ جل جاتے تھے

تو ہی نے کھلائے ہیں حقائق کے وہ پھول — بیٹھی اب تک نہ جن پہ قرنوں کی دھول
تاریخ بشر ہے خیر و برکت تیری — تہذیبِ جہاں کا تو امام و رسول

یہ تیرا سکوت ہے کہ بنتے ہوئے بول — ہے جام جہاں نما کہ تیرا کشکول
اک چٹکی بھبھوت ہے شفائے ہر درد — ہے خاک تری کیمیا ہے انمول

انسان کی تقدیر بنا دیتی ہے — ہر آہ کو تاثیر بنا دیتی ہے
پہلو میں ترے دبی ہوئی ہے وہ آنچ — جو درد کو اکسیر بنا دیتی ہے

دیکھا نہیں آنکھوں نے ترا کومل گات — ہیں تیرے گواہ زندگی کے لمحات
تو ایک وجودِ غیر مرئی کی طرح — رہتی ہے ہمارے ساتھ دن ہو یا رات

ہر غنچہ و گل جام و سبو ہے تیرا
ہر اہلِ وطن کو تو نے پالا پوسا
اولاد تری جوشش نمو ہے تیرا
اس قوم کی رگ رگ میں لہو ہے تیرا

ہے تیرے گداز دل میں ایسی شفقت
ساوتری و سیتا کی قسم کھائے ہوئے
جوبن کے چھلک رہی ہے خیر و برکت
ہے اب بھی زنِ ہند میں اک دیویت

کنیاؤں میں ازل کی ہے صباحت جن میں
تو آج بھی جن رہی ہے ایسے بچے
رادھا کی اداؤں کی نزاکت جن میں
ہے کرشن کی شوخی و شرارت جن میں

شعلے سے تجلیوں سے لپک جاتے ہیں
ان چہروں میں جن پر ہے اٹی گردِ ملال
مرجھائے ہوئے چہرے دمک جاتے ہیں
رخِ بھیشم و ارجن کے جھلک جاتے ہیں

اک نغمہ ہوا اب بھی سنا جاتی ہے
ہاں آج بھی سنسناتی بسواڑیوں سے
اک آگ سی سینوں میں لگا جاتی ہے
بنسی والے کی تان آ جاتی ہے

وہ تیرے رزمیوں کی دنیائے عظیم
جو آنکھوں میں زندگی کی ڈالیں آنکھیں
وہ دھرم اور نیت کے ہزاروں ہی کلیم
جو بس میں کریں سب کو رجا ہو کہ ہو بیم

ہے تیری قدامت میں بھی برنائی سی
وہ لوچ ہے زاویوں میں فکر و فن کے
اسرار نمو سے ہے شناسائی سی
لیتا ہے دوام جن میں انگڑائی سی

ہر فن لطیف کی وہ نوعیت ہے
ان دیکھی حقیقتوں نے صورت پکڑی
نشتر زدۂ وجدان وہ شعریت ہے
کتنی دل کش یہ قلب ماہیت ہے

بیداریٔ چشم غیب کی ہے جو مثال — دیکھا ترے فن کاروں نے وہ خواب جمال
جو قلب حقیقت سے چھلک جاتا ہے — شاداب اسی ہو سے رگ ہائے خیال

ہر نقشِ اجنتا کا وہ چلتا جادو — وہ حسن و جمال کے بدلتے پہلو
وہ بت سازی کہ جان پتھر میں پڑے — ہے تاج کہ رخسارِ فضا پر آنسو

پہنچے ہیں کہاں کہاں یہ تیرے فن کار — شو کا تانڈو ہے یا ہے سرشٹی سنگار
پیشانیِ شو دم بلاہل نوشی — وہ ابروؤں پر چڑھی کمانوں کا اتار

فطرت کی خلوتوں میں ڈالے ڈیرے — پیچ و خم زیست کے لگائے پھیرے
دنیا کے کتب خانوں سے جو پنہاں تھے — وہ راز کھلے ہیں جنگلوں میں تیرے

ماتا ترے فرزند بھرت کا کردار — وہ تخت و تاج چھوڑنے کا ایثار
رہتے ہوئے رام کی غریب الوطنی — ٹھوکر سے قدم کی وہ اہلیا اُدھار

تہذیب کی پہلی صبح کی پاک دعائیں — گونجی ہوئی ہے فضا میں رشیوں کی صدائیں
اے گنگ و جمن کی گنگناتی لہرو — دیتی ہیں سنائی تم میں ویدوں کی رچائیں

وہ تیرے مفکروں کا قلب ہشیار — پلکوں میں جن کی بند روح بیدار
وہ جین اور بدھ مت کی فائز نظری — انکار کو کر دیا ہے رشکِ اقرار

بے فائدہ ہے عارضی حالات کی ڈینگ — بے کار عبور بحرِ ظلمات کی ڈینگ
اے تو کہ ہے فاتح قلوبِ اقوام — نظروں میں تری ہیچ فتوحات کی ڈینگ

شاعر ترے جس وقت صدا دیتے ہیں    سوئے ہوئے سپنوں کو جگا دیتے ہیں
آفاق کے مندر میں وہ نغمے ان کے    رہ رہ کے گھنٹیاں بجا دیتے ہیں

ان راگوں کا راز کوئی پوچھے ہم سے    افلاک کھنک رہے ہیں تال و سم سے
مٹی تری اے ہند ہے نرمائی ہوئی    سیتا و شکنتلا کے اشکِ غم سے

یہ دورِ خزاں جلد گذر جائے گا    پھر وقت لیے برگ و ثمر آئے گا
ہر اشک رواں قاصد مستقبل ہے    پھر اچھے دنوں کی وہ خبر لائے گا

آغوشِ ملائم میں سلایا ہم کو    خاموش آواز سے جگایا ہم کو
کچھ ہم بھی بنائیں ترے بگڑے ہوے کام    اے خاک وطن تو نے بنایا ہم کو

یہ رات مصیبت کی ہے کٹنے والی    یہ کالی گھٹائیں ہیں اب چھٹنے والی
ہیں وقت کے اوراق الٹنے والے    پھر ہے تری تقدیر پلٹنے والی

دل میں ترے ہیں آج کیا کیا سنکوچ    دست و پا میں ہیں خارزاروں کے کھروچ
پھر مانگ رہا ہے دورِ حاضر کا رکاؤ    وہ نرم روی وہ تری رفتار کا لوچ

ہر ساز سے ہوتی نہیں یہ دھن پیدا    ہوتا ہے بڑے جتن سے یہ گن پیدا
میزانِ نشاط و غم میں صدیوں تل کر    ہوتا ہے حیات میں توازن پیدا

ہر غم کا ترے رنج و الم ہے ہم کو    معلوم ترا بھید بھرم ہے ہم کو
ابھرے گی نہ کیونکر تیری لے مادرِ ہند    ہاں تیرے سہاگ کی قسم ہے ہم کو

قومیتیں بیسیوں ہی مگر ایک مزاج        نسلیں ہیں پچیسوں ہی مگر ایک سماج
ہے وسعتِ قلب ذرّے ذرّے میں ترے        یعنی تری خاک پر تعصب کا علاج

وہ دیکھ نئی صبح کی پو پھوٹتی ہے        وہ دیکھ کہ نبضِ شبِ غم چھوٹتی ہے
وہ دیکھ بکھرتے چلے اشکِ انجم        وہ دیکھ کہ زنجیرِ فلک ٹوٹتی ہے

پتھر جو راہ میں ہیں ہٹ جائیں گے        سنگین جگر کوہ کے پھٹ جائیں گے
تیشے وہ کئی کروڑ ہاتھوں نے اٹھائے        اب پاپ جنم جنم کے کٹ جائیں گے

ہم سب ترا دکھ درد مٹا سکتے ہیں        پھر دھرتی کو تری سورگ بنا سکتے ہیں
تیری چھاتی کا دودھ پی کر ماتا        تقدیر سے ہم آنکھ لڑا سکتے ہیں

یہ ہے تری چاندنی کی امرت کی بہار        شبنم کی شبوں میں گونجتی ہے جھنکار
آواز میں گھنگھرو گونجتی ہیں کہ ہے        ندیوں کا جل ترنگ تری گفتار

دنیا ہے قائل نگاہ جز رس        ہے روحِ نسیم خلا ہر موجِ نفس
تو سامانِ سکونِ کربِ ہستی        ہاتھوں میں ترے وہ جس ہے آنکھوں میں وہ رس

گردن میں پڑی ہیں باہیں تیری        رخ پر اکثر رہیں نگاہیں تیری
پائے ہوئے ہیں دولتِ توفیقِ نظر        دیکھی ہے ہندیوں نے آنکھیں تیری

ہر سو یہ سنسناہٹیں کس کی ہیں        پردوں میں یہ جگمگاہٹیں کس کی ہیں
جھل مل یہ ہوائیں ہیں کہ ملبوس ترا        کانوں میں یہ سرسراہٹیں کس کی ہیں

ہم کو رودادِ خوش گمانی نہ سنائیں
فردوس و جہنم کی کہانی نہ سنائیں
ہر جگ میں ہمیں تجھ سے ملے ہیں احکام
ہم کو احکام آسمانی نہ سنائیں

ہر جانب وہ سنہری موجیں سی اٹھیں
وہ دیکھ چہار سمت کرنیں دوڑیں
ترے ماتھے کی جگمگاہٹ سے کھلا
روحانیت نو کا ہے مطلع یہ جبیں

جاگ اٹھتے ہیں ہم لوگ کہ سو جاتے ہیں
پا جاتے ہیں کیا چیز کہ کھو جاتے ہیں
گم ہوتے ہیں جب ترے تصور میں ہم
اپنے سے بہت قریب ہو جاتے ہیں

ہر گام اب انقلاب ساماں ہے ترا
دامانِ ہوائے وقت داماں ہے ترا
ہے منزلِ نو پہ ارتقائے عالم
تاریخِ بشر سے عہد و پیماں ہے ترا

اک مکانِ شرافت ہیں کھلے تن میں بھی
اک شعلہ دبائے ہوئے ہیں من میں بھی
ہیں تیرے عوام میں بھی لاکھوں ایسے
اک آن سے جن کے ان پڑھے پن میں بھی

فطرت نے دیا ہے تجھ کو وہ درسِ یقیں
دیکھے جسے جلوہ وہ ہر مذہب و دیں
منڈلائی ہوئی گھٹاؤں میں سے شانِ جبریل
کیا کریں مہر و مہ کی آیات نہیں

رازِ نقش و نگارِ فطرت سمجھیں
اے کاش مظاہر کی حقیقت سمجھیں
عالم عالمِ مجاز کا بھی عالم
دنیائے صور کی معنویت سمجھیں

اے کاش کہ راز ہائے فطرت سمجھیں
اے کاش کہ رمز ہائے کثرت سمجھیں
اے کاش کہ ہر مذہب و ملت والے
گوناگوں زندگی کی وحدت سمجھیں

تو وحدتِ انساں کی نقیبِ بے باک — تو سرتاپا خلوص تو محض تپاک
اے مادرِ کائنات دامن تیرا — دینی ملّت کی علتوں سے ہے پاک

رشیوں نے ترے زیست کی تقسیم نہ کی — ملّت بازی سے ان کو وحشت ہی رہی
دنیا بھی ہے عقبیٰ بھی ہے ہر دورِ حیات — جو لمحہ ازل ہے آخرت بھی وہی

یہ ساز سلامتی سنایا تو نے — اعجاز سلامتی دکھایا تو نے
روحانیت اور شے ہے مذہب کچھ اور — یہ راز سلامتی بتایا تو نے

کونین کی یہ مرگ نما بے خبری — ہستی کے عناصر کی یہ افراتفری
تو نے بخشی نظامِ شمسی کو حیات — تو ہے شبِ دہر کا طلوعِ سحری

یہ حسن انتخاب تھا فطرت کا — اس منصب خاص کے لیے تجھ کو چنا
دنیا میں اور دیس تھے لیکن — فطرت نے تجھ کو راز داں اپنا کیا

دنیا کی نئی قومو یونہی باتیں بناؤ — افسانے رسوم اور عقائد کے سناؤ
حاصل ہے ہمیں بلوغ روحانی، تم — مذہب کے کھلونے سے ابھی جی بہلاؤ

کنیا کا روپ پھر جوانی کا نکھار — پھر مادرِ کائنات کا رخ، یہ وقار
ہر عالم زندگی کا دیتا ہے پتہ — من کے مندر میں روز تیرا سنگار

آکاش کے مندر میں ترا درشن ہے — سینے میں چراغ سرمدی روشن ہے
رخساروں میں پہلی صبح کی نرم دمک — مکھڑے پر ترے عجب سہاناپن ہے

گہرا ہر قوم سے ترا ناتا ہے
ہم پر ہی نہیں ماں تجھے پیار آتا ہے
اوروں کا بھی حق ہے ماتا پر تیری
سنتے ہیں ترا نام جگت ماتا ہے

ماضیٔ بعید میں وہ تیری تادیب
سنتے ہیں جاگ اٹھتے تھے دھرتی کے نصیب
زیرِ محراب چرخ دیوی تیرا
تھا نقش قدم کہ تھی بنائے تہذیب

افلاک حضوری میں تری سر بسجود
جس کو تجھے بغیر جینا بے سود
تو ہی نے بتایا ہمیں معلوم نہ تھا
وہ نازک رشتۂ وجود و موجود

موسیقیٔ عنصری کی وہ تال اور سم
وہ پردۂ ساز جو کھنکتے ہیں بہم
وہ ترے لوک گیت جن کی لے میں
دیتی ہے سنائی زندگی کی سرگم

کلیاں گلزار راز کی کھلتی ہیں
افلاک بریں کی ڈوریاں ہلتی ہیں
پردے میں سکوتِ بیکراں کے اکثر
تیرے پاؤں کی آہٹیں ملتی ہیں

کیا شمعیں سر حریم جاں جلتی ہیں
کیا شیشۂ سوزاں میں ڈھلتی ہیں
تخئیل کی انگلیوں نے جن کو نہ چھوا
دل میں ترے وہ نزاکتیں پلتی ہیں

اک چشمۂ نور پھوٹتا ہو جیسے
فوارۂ صبح چھوٹتا ہو جیسے
انگڑائیاں لے رہا ہے خواب دوراں
صدیوں کا خمار ٹوٹتا ہو جیسے

پھیلے گا ترا فیض ابھی عالم عالم
انسان کے سر پر ہو ترا دستِ کرم
اقوام کے قالب میں تجھے حل ہو کر
دنیا کو بنا دیا ہے ہندِ اعظم

قوموں کے تضاد کو مٹانا ہے تجھے — قوموں کی بنیاد کو مٹانا ہے تجھے
ناقابلِ تقسیم ہے دنیا کی فلاح — تقسیمِ مفاد کو مٹانا ہے تجھے

دنیا کو جنگ سے بچانا ہے تجھے — اقوام کی دشمنی مٹانا ہے تجھے
جو جاگ کے بھی ہیں کابوس زدہ — ان جاگے ہوؤں ہی کو جگانا ہے تجھے

اس دورِ نفاق کو مٹانا ہے تجھے — اک مرکز پر بشر کو لانا ہے تجھے
متضاد جتھوں میں بٹ گئی ہیں اقوام — بچھڑوں کو کھینچ کے ملانا ہے تجھے

تیرے لیے کاش جیتے مرتے ماتا — تجھ سے رس لے کے نکھرتے ماتا
تیرے خوابوں کی کاش بنتے تعبیر — ہم ہند کو کاش ہند کرتے ماتا

اک بقعۂ نور بن گیا ہے تن من — سینوں میں فروزاں ہوئی وہ شمعِ لگن
ترے سوزِ دروں کی دھیمی آنچیں — رشیوں کی ریاضتوں میں جن کی ہے تپن

ہر مسئلۂ حیات کو سمجھا ہے — خیر و شر کے رموز کو سوچا ہے
تیرے اہلِ نظر نے بادیدۂ غور — نیکی و بدی کے اس طرف دیکھا ہے

تانیں ہر ساز کی یہیں ٹوٹی ہیں — ہر رنج و خوشی کی منزلیں چھوٹی ہیں
وہ قلب و دوام کی تہیں ہیں جن سے — تیری تہذیب کی جڑیں پھوٹی ہیں

ہے تیری نظر کاشفِ اسرارِ یقیں — آزاد از رسم بندگی تیری جبیں
منظور خدا کی بھی غلامی نہ ہوئی — بالا ہے عبادت سے تیرا مذہب ودیں

ہم لوگ زہر دیر و حرم گذرے ہیں — ہر منزلِ عالم سے قدم گذرے ہیں
پھر راہ دکھا کہ رہنمائی میں تری — تاریخ کے ہر موڑ سے ہم گذرے ہیں

ہر دور زمانہ ترا شیدائی ہے — افلاک نے تیری ہی قسم کھائی ہے
بل کھائی فضاؤں میں لچک ہے تیری — بدمست گھٹا میں تری انگڑائی ہے

سینے میں ترے انجمن سوز و گداز — ہے تری نوائے درد یا شعلۂ ساز
اے مادرِ ہند حق تو یہ ہے کہ تری — آواز ضمیرِ خلق کی ہے آواز

اک چادرِ زر شرق میں جب تنتی ہے — تو روز نئی ایک دلھن بنتی ہے
ماتھے کی شعاؤں کا وہ عالم کہ نہ پوچھ — گھونگھٹ سے ترے صبحِ ازل چھنتی ہے

تو ہی نے سنوار دی ہے زلفِ ایام — تو ہی نے دیئے ہیں دیوتاؤں کو پیام
ہر روز فرازِ آسماں سے جھک کر — مہر و مہ و انجم تجھ کو کرتے ہیں سلام

پیشانی ہے آئینۂ اسرارِ دوام — ہاتھوں میں حیات کے چھلکتے ہوئے جام
لب ہیں کہ نوائے سرمدی کے کوندے — تیرا سنگیت زندگی کا پیغام

ماتھے پہ ضوفگن طلوعِ تہذیب
آنکھوں آنکھوں میں لاکھ درسِ تادیب
انگلیوں کے ترے اشارے جن سے
جتنے تھے بعید آتے گئے تیرے قریب

شبنم کی کھنک لیے ادائیں تیری
نغموں کی لپک لیے ہوائیں تیری
کھولے وجدانیات کے راز اس طرح
ہیں حال میں آج تک فضائیں تیری

شمشیر و کتاب اور طاؤس و رباب
تیری آنکھوں کے اتنے سستے نہیں خواب
بول اٹھتے ہیں سازِ سرمدی کے پردے
پڑتی ہے تری نظر کی جس دم مضراب

ظاہر میں غیب کو سمونا سیکھا
ہر نفی کو، اس بات کو کھونا سیکھا
احساس رمزیت کو تجھ سے پاکر
ہر ایک بھرم نے بھید ہونا سیکھا

تہذیبوں کو بقا کے اسرار بتا
تو راہِ سلامتی بھٹکتوں کو دکھا
رفتارِ زمانہ میں توازن آجائے
وہ رازِ اعتدال دنیا کو سکھا

کھاتی ہے تری منزلِ مقصود قسم
بے راہ روی کا نہ ہوا تجھ کو بھرم
پابندیٔ اخلاق بہ ہر گامِ سفر
شائستۂ زنجیر ہیں آزاد قدم

ترے نغمات زندگی کی سرگم
تیری گمبھیرتا کی کھاتی ہے قسم
تو واقفِ رازِ اتحادِ ضدین
ہے تری سرخوشی بھی شائستۂ غم

# ROOP

# روپ

ہر جلوے سے اک درسِ نمو لیتا ہوں        مہ و مہر چکاں جام و سبو لیتا ہوں
پڑتی ہے جب آنکھ تجھ پہ اے جانِ بہار        سنگیت کی سرحدوں کو چھو لیتا ہوں

ابرو ہلتے ہیں کھنکتا ہے ستار        یہ روپ کہ رحمتوں کی جیسے چھنکار
یہ لوچ، یہ دھج، یہ مسکراہٹ، یہ نگاہ        یہ موجِ نفس کہ سانس لیتی ہے بہار

انسان کے پیکر میں اتر آیا ہے ماہ        قد، یا چڑھتی ندی ہے امرت کی اتھاہ
لہراتے ہوئے بدن پہ پڑتی ہے جب آنکھ        رس کے ساگر میں ڈوب جاتی ہے نگاہ

قامت ہے کہ انگڑائیاں لیتی سرگم        ہو رقص میں جیسے رنگ و بو کا عالم
جگمگ جگمگ ہے شبستانِ ارم        یا قوسِ قزح لچک رہی ہے پیہم

نکھرا ہوا رنگ، کیا سہانا ہے سمے        بل کھاتا روپ گنگناتی ہوئی نے
ہر عضو کی نرم لو میں مدھم جھنکار        پو پھوٹی بھیرویں کی آنے لگی لے



نظروں کی شعاعوں میں سوائی کی پھوار        زلفوں کی گھٹاؤں میں موجِ ابرِ کہسار
وہ جانِ وفا تمام دل ہی دل ہے        سرتابہ قدم بدن ہے آیا ہوا پیار



آئینہ نیلگوں سے پھوٹی ہے کرن        آکاش پہ ادھ کھلے کنول کا جوبن
یوں اودی فضا میں لہلہاتی ہے شفق        جس طرح کھلے تیرے تبسم کا چمن

ہے روپ میں کھنک، وہ رس، وہ جھنکار کلیوں کے چٹکتے وقت جیسے گلزار
یا نور کی انگلیوں سے دیوی کوئی جیسے شب ماہ میں بجاتی ہو ستار

خاموش نگاہ کے تکلم کی قسم اس سازِ جمال کے ترنم کی قسم
کلیاں سی چٹک رہی ہیں سینے تمام جھکے ہوئے شبنمی تبسم کی قسم

خاموش فضا صاف چمک جاتی ہے بجلی کوئی لہرا کے لپک جاتی ہے
امرت کی پھوار ہے کہ نورس آواز یا بھیگی ہوئی صبح چھلک جاتی ہے

رگ رگ کی پلک میں پینگ لیتی ہے بہار گردش میں نگاہ، سات رنگوں کی پھوار
صد ماہ و خورشید برس جاتے ہیں بے لاگ ہنسی کی یہ روپہلی بوچھار

یہ نقرئی آواز، یہ مترنم خواب تاروں پہ پڑ رہی ہو جیسے مضراب
لہجے میں یہ کھنک، یہ رس، یہ جھنکار چاندی کی گھنٹیوں کا بجنا تہِ آب

آواز پہ سنگیت کا ہوتا ہے بھرم کروٹ لیتی ہے نرم لے میں سرگم
یہ بول سریلے تھرتھراتی ہے فضا ان دیکھے ساز کا کھنکنا پیہم

مہتاب میں سرخ انار جیسے چھوٹے یا قوسِ قزح لچک کے جیسے ٹوٹے
وہ قد ہے کہ بھیرویں سنائے جب صبح گلزارِ شفق سے نرم کونپل پھوٹے

بر روئے سحر حیا کی لہریں ہیں کہ رنگ سیلِ انجم کی اٹھتی ہوئی موجیں ہیں کہ رنگ
جیسے تہِ آب ہو چراغاں کا سماں یہ راگنیوں کے دل کی چوٹیں ہیں کہ رنگ

نکہت ہے کہ گھنگھروؤں کی مدھم جھنکار
جوبن ہے کہ پچھلی رات بجتا ہے ستار
سرشار فضاؤں کی رگیں ٹوٹتی ہیں
چٹکاتا ہے انگلیاں جوانی کا خمار

پچھلی رات اِک رسالی سی فضا
پردہ فطرت کے رخ سے سرکا سرکا
تاروں کی چھاؤں میں جھلکتا ہوا روپ
جیسے وقت طلوع کنچن جنگھا

یہ روپ کے گرد سات رنگوں کی پھوار
جیسے مدھم سروں میں خود گاتے ملہار
پڑتا ہے فضا میں عکس جسمِ رنگیں
یا قوسِ قزح کے جھلملاتے ہیں شرار

وہ بادِ سحر کا رس میں ڈوبا ہوا راگ
چٹکی میں لیا کنول نے پانی کا سہاگ
مہکے ہوئے گات سے ہیں لپٹی زلفیں
صندل کے بن میں جیسے ماتے ہوئے ناگ

یہ چہرہ کھلا ہوا یہ مہکے ہوئے ہونٹ
یہ گیسوؤں کی لپٹ یہ لہکے ہوئے ہونٹ
یہ تازہ دمی، یہ مسکراہٹ، یہ نشاط
سانسوں کی ٹھنڈی لو سے دہکے ہوئے ہونٹ

چہرہ دیکھے تو رات غم کی کٹ جائے
سینہ دیکھے تو امنڈا سا گر ہٹ جائے
سانچے میں ڈھلا ہوا شانہ، یہ بغل
جیسے گلِ تازہ کھلتے کھلتے پھٹ جائے

وہ پینگ سے ہے روپ میں کہ بجلی لہرائے
وہ رس آواز میں کہ امرت للچائے
رفتار میں وہ لچک پون رس بل کھائے
گیسو میں وہ لٹک کہ بادل منڈلائے

نغمے کی الاپ ہے کہ قامت کا تناؤ
بجتی گت کا اتار آنکھوں کا جھکاؤ
آ آکے اگنی کھڑی ہوتی ہے
دیکھے کوئی بجل بدن کا یہ رچاؤ

زلفوں سے فضاؤں میں آداہٹ کا سماں          نکھرا ہے کہ آگ میں تراوٹ کا سماں
یہ سوز و گداز قدِ رعنا، جیسے          ہیرے کے منار میں گھلاوٹ کا سماں

بر میں فردوس کے گلستاں کی جھلک          رخ کے گلِ تر میں شبنمستاں کی جھلک
زلفوں میں تتار کے شبستاں کی جھلک          پلکوں تلے قاف کے پرستاں کی جھلک

گہوارۂ صد بہار، ہر موجِ نفس          یہ رنگِ نشاط تیرے ہاتھوں کا ہے جس
نظریں ہیں کہ رہ رہ کے نہا اٹھتی ہیں          ہر عضو بدن سے وہ چھلکتا ہوا رس

قطرے عرقِ جسم کے موتی کی لڑی          ہے پیکرِ نازنیں کہ پھولوں کی چھڑی
گردش میں نگاہ ہے کہ بٹتی ہے حیات          جنت بھی ہے آج امیدواروں میں کھڑی

سرتابہ قدم رخِ نگاریں سے ہے کہ تن          ہیں عضو حسیں کہ بول اٹھنے کو دہن
یہ مستی و کیف یہ حجابی یہ جھپک          ایک ادھ کھلی نرگسِ خمار میں ہے بدن

یہ شعلۂ حسن جیسے بجتا ہو ستار          ہر خط بدن کی لو میں مدھم جھنکار
رنگین نگاہ سے کھل اٹھتے ہیں چمن          رس ہونٹھوں کا پی کے جھوم اٹھتی ہے بہار

ہونٹھوں پہ یہ گنگناتی نے ہے کہ سکوت          جاگ اٹھنے کا ساز دن کے سکے ہے کہ سکوت
لرزش ہے فضاؤں میں کہ بجتے ہیں کان          سنگیت کی نرم لے ہے کہ سکوت

ٹھہری ٹھہری نظر میں وحشت کی کرن          چھلکے چھلکے کلس ہیں مدھ کے جوبن
ماتھے پہ سرخ جھلملاتا تارا          کاندھے پہ گیسوؤں کا چھایا ہوا گھن

یہ رنگ، یہ بو، یہ بھیگا بھیگا ہوا نور
جھرمٹ میں گیسوؤں کے جیسے رخِ حور
لو دیتا ہے رات کے دھندلکے میں بدن
یا رود جمن میں جل رہا ہے کافور

اُمڈی بدمست کالی زلفوں کی گھٹا
اہلِ دل کا جنوں بھی صحرا صحرا
لہکا ہوا سینہ رس میں ڈوبا ڈوبا چال
اٹھتی ہوئی موجِ حسن دریا دریا

سینے میں مہک رہا ہے پھولا گلزار
بل کھائے بدن میں لہلہاتی ہے بہار
بجلی کی ہیں کہ وٹیں کہ کرنوں کی لپک
جاتی ہے کہاں دئی کی ماری ہوئی نار

اس طرح دمک رہا ہے روئے تاباں
دریائے شفق میں جیسے ہلکا طوفاں
یوں لہراتی ہیں ابھرے سینے پہ لٹیں
جیسے کہسار پر گھٹاؤں کا دھواں

اٹھنے میں ہمالہ کی گھٹاؤں کا ابھار
اندازِ نشست چڑھتی ندی کا اتار
رفتار میں مد بھری ہواؤں کی سنک
گفتار میں شبنم کی رسیلی جھنکار

شبنم سے یہ شعلوں کی جبیں دھلتی ہے
کرنوں سے یہ کلیوں کی گرہ کھلتی ہے
یہ رنگ، یہ رس، یہ مسکراہٹ، یہ نکھار
یا نور کی موجوں میں شفق گھلتی ہے

تاروں کی سہانی چھاؤں گنگا اشنان
موجوں کی جلو میں رنگ و بو کا طوفان
انگڑائیاں لے رہی ہو جیسے اوشا
یہ شانِ جمال، یہ جوانی کا اٹھان

ہے تارِ نظر کہ کپکپاتی ہوئی صبح
ہے نورِ جبیں کہ مسکراتی ہوئی صبح
ہے جنبشِ لب کہ گنگناتی ہوئی صبح
ہے روپ کہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی صبح

ہے چشم سیہ کی تھرتھراتی ہوئی رات  ہے ذوق گنہ کہ جگمگاتی ہوئی رات
ہے زلف کہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی رات  اُمنگ جوبن میں گنگناتی ہوئی رات

زلف پیچاں میں تھرتھراتی ہوئی شام  شوخی انگ میں مسکراتی ہوئی شام
نوک مژگاں پہ تلملاتی ہوئی شام  سائے میں پلک کے گنگناتی ہوئی شام

رنگین سحر اپنی لہلہاہٹ بھورے  ہے خود روحِ نمو کہ سینہ چھورے
ہنگامِ وصال کچھ سرکتا ملبوس  زریں کرا اور جگمگاتے گورے

ہے بسملِ نازِ عشقِ نظارہ پرست  خلقت کے پہلے جیسے ہو صبحِ الست
یہ کبھی تیک آستیں چڑھانا تیرا  ہے سارے بدن کی بے حجابی سرِ دست

یہ شانِ طلوعِ صبح یہ حسنِ چمن  جھلبل گھونگھٹ میں جیسے چڑھتی کی دلہن
ہر شاخ پہ جگمگاتی کرنوں کا طواف  تو جیسے کلائی میں پھرائے کنگن

ساغر کفِ دست میں صراحی بہ بغل  کاندھے پہ گیسوؤں کے کالے بادل
یہ مدھ بھری آنکھ، یہ نگاہیں چنچل  ہے پیکرِ نازنیں کہ حافظ کی غزل

موجِ مئے ناب بہکی بہکی سی یہ چال  گھنگھور گھٹا میں بکھرے بکھرے یہ بال
چھلکی چھلکی نئی جوانی کی شراب  قد ہے کہ بھرا بھرا ہے مینائے جمال

عیسیٰ کے نفس میں بھی یہ اعجاز نہیں  تجھ سے چمک اٹھتی ہے عناصر کی جبیں
ایک معجزۂ خموش طرزِ رفتار  اٹھتے ہیں قدم کہ سانس لیتی ہے زمیں

وہ مست نظر کہ موجِ صہبا لہرائے      وہ ہنستی جبیں کہ صبحِ صادق شرمائے
اک موجِ حیات نرم گامی تیری      بے حس راہوں میں جان جیسے پڑ جائے

یہ چال، یہ مستی، یہ قدح سامانی      یا آتشِ سیال میں ہے طغیانی
یوں دوڑ رہا ہے تنِ شفاف میں رس      جس طرح گگن کھیلتا جائے پانی

ہر عضو میں پرتوے لہکتے گلزار      ہر گام پہ جھوم جھوم جاتی ہے بہار
یہ مست خرامی، یہ ہوائیں، یہ گھٹا      موروں کا رقص ہے کہ طرزِ رفتار

کومل پدگامنی کی آہٹ تو سنو      گاتے قدموں کی گنگناہٹ تو سنو
ساون لہرا ہے، مینہ ڈوبا ہوا روپ      رس کی بوندوں کی جھنجھناہٹ تو سنو

ہے شام کا آسماں کہ زلفوں کا دھواں      بگلوں کی کج قطار قامت کی کماں
یہ شانِ سبک روی کہ تارے رک جائیں      دھارے پہ مہِ نو کی کشتی ہے رواں

ہنگامِ خرام وہ غزالِ بدمست      نقشِ کفِ پا کی شوخیاں شعلہ بدست
دو پاؤں سے چوکڑی بھرے ڈگر میں      ارجن کی کماں سے چھوٹے ناوک کی ہے جست

تلوے سے بھری ہوئی گلابی چھلکی      نقشِ کفِ پا سے نو سی لہرا کے اٹھی
ہر نقش قدم سے کھلتے جاتے ہیں کنول      وہ چال میں لوچ جیسے بل کھائے ندی

رنگِ رخ میں ہے مہرِ سیال کی ضو      ابرو میں لچکتی ہے کمانِ مہِ نو
ستواں ہے ناک جیسے دیپک کی لو      وہ چال میں جست جیسے بجلی کی رَو

چھلکے ہوئے سیکڑوں پیالے ہیں کہ چال
کھلتے ہوئے رہگذر میں لالے ہیں کہ چال
آہٹ پہ لگے ہیں دیوتاؤں کے بھی کان
مل جل کے ستارے گانے والے ہیں کہ چال

پائل کی صدا ہے یا چھلکتے ہیں ایاغ
ملتا ہی نہیں ہے آج دھرتی کا دماغ
پگ دھونی لَو مارتی ہے ابھرے پرے
جل اٹھتے ہیں لالہ زارِ جنت کے چراغ

فیضانِ گناہِ عشق سب کو پہنچا
صبحِ شبِ وصل ذرہ ذرہ نکھرا
تاروں کی چھاؤں نرم گاتی تیسری
وہ پچھلے پہر کی نرم دوشیزہ فضا

مکھڑے کی ضَو سے دشتِ ایمن پرنور
جوبن کی لو سے جھپکے شمعِ سرِ طور
آنکھوں میں گناہِ اوّلیں کی ترغیب
رفتار سے لرزے موجِ صہبائے طہور

تابندہ رخِ نگار شعلے کی لپک
وہ شعلہ کہ پڑ جائے دلوں میں ٹھنڈک
انگڑائی میں وہ کشش کہ تارے ٹوٹیں
شمعِ طور ہے کلائی کی ڈلک

سرتا سر بے پناہ مستی طاری
جوبن رس کے اثر سے پلکیں بھاری
وہ جسم کہ کافری لگاتی ہوئی آگ
زلفوں کی ابتری سے ندیاں جاری

لرزش میں بدن کی باغِ جنت کی لہک
وجدانِ سیاہ کارِ گیسو کی لٹک
ہر عضو کے لوچ کا کچھ ایسا انداز
ست رنگ دھنک میں جیسے آجائے لچک

پگھلے ہوئے آفتاب سینے میں ہیں بند
دامِ یزداں شکار زلفوں کی کمند
بل کھاتی کنک چھڑی ہے رس کی پتلی
خوشبوئے تنِ نازنیں کی سونے میں سگند

ماتھے کی یہ کہکشاں یہ جوبن کی نور
وہ روپ جہاں دونوں سمے ملتے ہوں
پڑتے ہی جھپک جھپک سی جاتی ہے نظر
آنکھوں میں سہاگ رات مکھڑے پہ سحر

اُٹھی موجِ تبسم آبِ زر سے
مکھڑا ہے کہ زندگی کا چھلکا ہوا جام
وہ ہونٹ کہ چومنے کو ساگر ترسے
مدھ ماس کے چندرما سے امرت برسے

ہے عکسِ جبیں یا ہے کمر کی زنجیر
یا تیری نظر کے پھول انبر پہ کھلے
یہ رات اور یہ آکاش، گنگا کی لکیر
یا اِندو نے یا کمان سے چھوڑا کوئی تیر

ہونٹوں میں وہ رس کہ حس پہ بھونرا منڈلائے
چہرے کی دمک پہ جیسے شبنم کی ردا
سانسوں کی وہ سیج جس پہ خوشبو سو جائے
مد آنکھوں کا کام دیو کو بھی جو چھکائے

موتی کی کان، رس کا ساگر ہے بدن
انگڑائی میں راج ہنس تولے ہوئے پر
درپن آکاش کا سراسر ہے بدن
یا دودھ بھرا مان سرور ہے بدن

رشکِ دلِ کیکئی کا فتنہ ہے بدن
رادھا کی نگاہ کا چھلاوا ہے کوئی
سیتا کے برہ کا کوئی شعلہ ہے بدن
یا کرشن کی بانسری کا لہرا ہے بدن

تیرے قدموں پہ چاند سر کے بل جائے
اُوشا کی لالما ہو پانی پانی
مکھڑے پہ پڑے نظر تو سورج ڈھل جائے
شرمانے کی یہ ادا کہ بجلی گل جائے

الکوں کی لٹک میں سانپ کُنڈلی مارے
سُندر سُکمار گات اُوشا کی چھٹا
پلکوں میں ہوں جیسے جھلملاتے تارے
جوبن کے مدھ کلس پہ سورج وارے

جیسے اودی گھٹا میں گلشن لہکے
لو دے اٹھتا ہے اس طرح رنگ بدن
جیسے زیرِ نقاب شعلہ جھلکے
سیال شفق میں جیسے کوندا لپکے

نبھ، منڈل گونجتا ہے ترے جس سے
سنسار میں زندگی لٹاتا ہوا روپ
گلشن کھلتے ہیں غم کے خار و خس سے
امرت برسا رہا ہے جوبن رس سے

گیسو بکھرے ہوئے، گھٹائیں بے خود
پُرکیف شباب سے ادائیں بے خود
آنچل لٹکا ہوا، ہوائیں بے خود
گاتی ہوئی سانس سے فضائیں بے خود

آنکھوں میں وہ رس جو پتی پتی دھو جائے
جس وقت تو سیرِ گلستاں کرتا ہو
زلفوں کے فسوں سے مارِ سنبل سو جائے
ہر پھول کا رنگ اور گہرا ہو جائے

یوں عشق کی آنچ کھا کے رنگ اور کھلے
جیسے کچھ دن چڑھے گلستانوں میں
یوں سوزِ دروں سے روئے رنگیں چمکے
شبنم سوکھے تو گل کا چہرہ نکھرے

وہ روپ کی موہنی، وہ چہرے کا نکھار
وہ چال کہ جیسے رقص کرتی ہو نسیم
وہ کولے بھرے بھرے وہ سینے کا ابھار
ہر گام پہ لوٹ لوٹ جاتی ہے بہار

نیرنگیِ حسن دیکھ از پا تا فرق
یہ چہرے کی چلچلاتی دھوپ اور ٹھنڈک
ہوتے ہی نہیں جدا یہ غرب اور یہ شرق
مہرِ نصف النہار شبنم میں ہے غرق

وہ نکھرے بدن کا مسکرانا ہے سے
کانوں کی لووں کا تھرتھرانا کم کم
رس کے جوبن کا گنگنانا ہے سے
چہرے کے تل کا جگمگانا ہے ہے

ہر سمت دھواں سی عنبر کی مہک
سرشار گلابیاں سی جاتی ہیں چھلک
سینے میں فضا کے پینگ لیتا ہے گناہ
وجدان سیاہ کار گیسو کی لٹک

نکھری ہوئی رات جگمگاتی ہوئی زُلف
تقدیر کے پیچ و خم دکھاتی ہوئی زُلف
مدھم سے لے میں چھڑا ہے سازِ ہستی
جیون سنگیت گنگناتی ہوئی زُلف

مہکی ہوئی شام رسمساتی ہوئی زُلف
تا تار کی نکہتیں لٹاتی ہوئی زُلف
کچھ پڑھ کے پھونکتی ہے ہر تیز لپٹ
شفاف فضا کے ہوش اُڑاتی ہوئی زُلف

مجنوں کی وحشتیں بڑھاتی ہوئی زُلف
لیلےٰ کو لوریاں سُناتی ہوئی زُلف
تاروں کا سوز آسمانوں کا گداز
بے سُدھ راتوں کو غش میں لاتی ہوئی زلف

یہ شام کی نکہتوں کا اُٹھتا ہوا دھواں
جیسے ہو میکدہ ہوا پر رقصاں
جھکا ہوا کندپ حُسن جادو کی کمند
دامِ یزداں شکار زلفِ پیچاں

سرشار فضاؤں میں اداہٹ کم کم
سناک ہوا میں سنسناہٹ کم کم
انگڑائیاں لیتا ہے شبستانِ تتار
مشکیں گیسو میں تھرتھراہٹ کم کم

زلفیں سارنگیوں کے بجتے ہوئے تار
یہ لہرے بے صدا کے، ساون کی پھوار
ملتی ہیں لٹیں کہ وجد کرتی ہیں فضائیں
گویا نے چھیڑ کے سنگتی ہے بیار

ٹھہری ٹھہری سی رہتی دُنیا کی حیات
لہکی لہکی سی ہیکے بن میں برسات
یہ زلف سیہ کی خواب آور خوشبو
چپ چاپ کھڑی انکھیاں جھپکاتی ہے رات

اس مشکستاں میں سانس لیتی ہوئی رات
تاریک فضا، یہ مدتے بوجھل برسات
آڑی آڑی سی کالی زُلفوں کی لٹک
کروٹ سے بہہ رہا ہے رودِ ظلمات

بالوں میں تھرتھرائے روحِ نغمات
ہر تار میں ہے زیر و زبر نبضِ حیات
..بجو د ہوتی چلی ہے نمناک فضا
زُلفوں میں ڈھل رہی ہی میخانے کی رات

بھولی ہوئی زندگی کی دُنیا ہے کہ آنکھ
دوشیزہ بہار کا فسانا ہے کہ آنکھ
ٹھنڈک، خوشبو، چمک، لطافت، نرمی
گلزارِ ارم کا پہلا تڑکا ہے کہ آنکھ

تاروں کو بھی لوریاں سُناتی ہوئی آنکھ
جادو شبِ تار کا جگاتی ہوئی آنکھ
جب تازگی سانس لے رہی ہو دمِ صبح
دوشیزہ کنول سی مسکراتی ہوئی آنکھ

چنچل آنکھوں میں گنگناتی ہوئی شام
گردش میں نظر کی تھرتھراتی ہوئی شام
وہ پھوٹی جُھٹپٹے کے تارے کی کرن
پلکوں کی اوٹ گُنگُناتی ہوئی شام

چلمن میں مژہ کی گنگناتی آنکھیں
چڑھتی کی دُلھن سی کچھ لجاتی آنکھیں
جوبن رس کی سُدھا لٹاتی ہر آن
پلکوں کی اُوٹ مُسکراتی آنکھیں

چھلکاتی ہیں پریم کی گلابی آنکھیں
صد میکدہ دربغل شرابی آنکھیں
ہر شام چراغ شبستانِ جمال
ہر صبح چمن چمن گلابی آنکھیں

راتوں کی جوانیاں نشیلی آنکھیں
خنجر کی روانیاں کٹیلی آنکھیں
جگت کی سرحدوں پہ کھلنے والے
پھولوں کی کہانیاں رسیلی آنکھیں

آہوئے سیاہ و شوخ کچھ پلکیں اُٹھائے
لرزائے جہنم سے اگر اُڑتی نگاہ
ترغیبِ گناہ کے چراغوں کو جلائے
سوزِ دلِ اہرمن میں ٹھنڈک پڑ جائے

تاروں بھری رات! بزمِ فطرت ہے سجی
یہ چند کرن میں سات رنگوں کی جھلک
ہے شوخ نگاہ میں بھی ایسی نرمی
گاتی ہوئی اپسرا گگن سے اُتری

جیسے جھومے ہوا میں وجدانِ گناہ
آکاش کی نرم سطح پر پڑتے ہی
جیسے جادو جگائے آہوئے سیاہ
نقشِ تسخیر کھینچ دیتی ہے نگاہ

کہسار پہ گھنگھور گھٹا چھانے لگے
یہ گیسو و رخ کی ہے جھلک! آنکھوں میں
کرنوں کی پلک مہر بھی جھپکانے لگے
وہ کیف کہ افلاک کو نیند آنے لگے

پیدا ہے نگاہ سے تبسم کا سماں
یوں سازِ فضا پر آنکھیں پڑتی ہیں نری
پیدا ہے تبسم سے تکلم کا سماں
پیدا ہے سکوت سے ترنم کا سماں

خوشبو سے مشام آنکھوں کے بس جاتے ہیں
جھکتی ہے تری آنکھ سرِ خلوتِ ناز
غنچے سے فضاؤں میں وکس جاتے ہیں
یا کامنی کے پھول برس جاتے ہیں

دوشیزۂ سحر رسیلی آنکھوں کی چمک
جیسے پڑے کورے آبگینوں پر چوٹ
آئینۂ صبح میں مناظر کی جھلک
شفاف فضا میں وہ نگاہوں کی کھنک

جوبن، رس، پتلیوں کے اندر ڈورے
یہ نرم نظر کی تیغ، پلکوں کی یہ چھاؤں
اِس نرمی رس میں روپ مریم دھولے
سوئی ہے سہاگ رات گیسو کھولے

یہ رنگِ نشاط لہلہاتا ہوا گات    جاگی جاگی کالی زلفوں کی یہ رات
اے پریم کی دیوی یہ بتا دے مجھ کو    یہ رُوپ ہے یا بولتی تصویرِ حیات

یہ نازک جسم رنگ و بو سے بوجھل    یہ روپ، یہ رس کی لہر، یہ نین کنول
کاندھے سے ردائے نور لٹکی لٹکی    یا صبح کی دیوی ہے اُٹھائے آنچل

ہے لوچ بلور میں کہ پیکر کا رچاؤ    بیگانے کو نیند آئے وہ آنکھوں کا جھکاؤ
جس طرح کمانیوں میں پڑ جائے جان    دیکھے کوئی پنڈلی کا گداز اور تناؤ

پنڈلی میں لہکتا ہوا جیسے کوندا    ٹخنے ہیں کہ پَر تولے عطارد ہے کھڑا
ہے پاؤں کی ٹھہری ہوئی بجلی میں ہی لوچ    تلوے ہیں کہ سیماب میں سورج کی ضیا

ہے قوسِ قزح کہ تھرتھراتے بازو    رشکِ فردوس لہلہاتے پہلو
رقصاں شعلہ ہے پچکی پچکی سی کمر    کُنڈل پہ کنول ہے یا دمکتا بیڑو

وہ چہرہ کہ برقِ طور آنکھیں جھپکائے    وہ ماتھا چندر لوک جس سے شرمائے
وہ ناف کہ کوثر میں بھنور پڑ پڑ جائے    وہ ران کہ خورشید کو آئینہ دکھائے

گنگا وہ بدن کی جس میں سورج بھی نہائے    جمنا بالوں کی تان ہنسی کی اُڑائے
سنگم وہ کمر کا آنکھ اوجھل لہرائے    تہہ آب سرسوتی کی دھارا بل کھائے

انگڑائی سے نیند آفتابوں کو بھی آئے    وہ چال کہ ٹھوکر آسمانوں کو لگائے
وہ قد کہ جھنجھوڑ کر قیامت کو جگائے    وہ شوخِ ادا کہ برق آنکھیں جھپکائے

سورج کو بھی روپ کا جھمکڑا جھپکائے
وہ ادھ کھلی آنکھ سوتے فتنوں کو جگائے
چٹکی میں ہے رشتۂ نظامِ شمسی
سو جائے زمانہ جب وہ انگلی چٹکائے

رنگین فضا سنگار درپن کی مثال
بول اٹھنے کو ہے سکوت پھیلا ہے گلال
یہ شام، یہ بزمِ ماہ، یہ عہدِ وفا
بے مال بنھاتے وقت بینا کا جمال

امرت سے دھلی جبین ابرو کے ہلال
گردن کا یہ خم، یہ چھب، یہ حسنِ خد و خال
ہر عضو میں یہ لچک یہ نکھ سکھ کا رچاؤ
دب جاتا ہے صنعتِ اجنتا کا کمال

گنگا میں چوڑیوں کے بجنے کا یہ رنگ
یہ راگ، یہ جلترنگ، یہ رو، یہ امنگ
بھیگی ہوئی ساڑیوں سے کوندے لپکے
ہر پیکرِ نازنیں کھنکتی ہوئی چنگ

گنگا اشنان، یہ چھلکتے بجرے
ناؤوں میں مہ جبینوں کے برے
سنگم میں لگا کے غوطہ اٹھتا ہے یہ کون
موجوں کے بھنور سے جیسے زہرہ ابھرے

مکھڑا دیکھیں تو ماہ پارے چھپ جائیں
خورشید کی آنکھ کے شرارے چھپ جائیں
رہ جانا وہ مسکرا کے تیرا کل رات
جیسے کچھ جھلملا کے تارے چھپ جائیں

سنگیت کی پنکھڑی کو شبنم دھو جائے
جیسے شعلوں کی جگمگاہٹ کھو جائے
پچھلے کو خمار جسمِ رنگیں جیسے
کلیوں کی لبوں پہ مسکراہٹ سو جائے

حسنِ خوابیدہ میں بھی ایسی سج دھج
زنجیر بو، بجلیوں کی جیسے کچھ کج
یہ بسترِ نرم و صاف یہ جسم کی جوت
تکیوں پہ بادلوں کے جیسے سورج

کچھ نیند سی کل رات تجھے آتی ہوئی　　مُسکار بدن پہ بیخودی چھاتی ہوئی
تاروں کی بھی ہو چلی تھیں پلکیں بھاری　　باتیں تری کچھ اونگھ سی بہکاتی ہوئی

کچھ ہجر و وصال کا مُعمّہ نہ کُھلا　　جل میں کب بھیگتے کنول کو دیکھا؟
بیتی ہوں گی سُہاگ راتیں کتنی　　لیکن ہے آج تک کنوارا ناتا

سونے جادو جگانے والے دن ہیں　　عمروں کی حدیں ملانے والے دن ہیں
کنیا اب سنی کامنی ہے ہونے والی　　آنکھوں کو نیَن بنانے والے دن ہیں

پُروائی جس گھڑی ہو سنکی سنکی　　زنجیرِ سحر جب کہ ہو چھنکی چھنکی
ایسے میں آرتی اتارے اوشا　　رس میں ڈوبے ہوئے کنوارے پن کی

آجاتا ہے گات میں سلونا پن اور　　چنچل پن، بال پن، انیلا پن اور
کٹتے ہی سُہاگ رات دیکھیں جو اسے　　بڑھ جاتا ہے رُوپ کا کنوارا پن اور

ہے وجد میں رہگذر یہ گاتی ہوئی چال　　لپکے ہوئے رُوپ سے اُچھلتا ہے گُلال
آئینۂ صبح میں تموّج ہے تمام　　بل کھایا بدن ہے یا ہے قوسِ سیّال

حمّام میں زیرِ آب جسمِ جاناں　　جگمگ جگمگ یہ رنگ و بُو کا طوفاں
ملتی ہیں سہیلیاں جو مہندی رچے پاؤں　　تلووں کی گدگدی ہے چہرے پہ عیاں

یہ رات فلک پہ تھرتھراتا سا غُبار　　شیشے پہ نرم نرم پڑتی ہے پُھوار
یا بیٹھ کے ماونؤ میں دیوی کوئی　　چھیڑے ہوئے راگنی بجاتی ہے ستار

آئینہ در آئینہ ہیں شفاف بدن
جلوے کچھ اس انداز سے ہیں عکس فگن
اک خواب جمال ہے کہ بندھتا ہے طلسم
وہ روپ جھلکتا ہوا جادو، درپن

پیکر ہے کہ چلتی ہوئی پچکاری ہے
فوارۂ انوارِ سحر جاری ہے
بڑھتی ہے فضا میں ستارنگوں کی پھوار
آکاش نہا اٹھتا ہے بلباری سے

امرت میں دھلی ہوئی فضائے سحری
جیسے شفاف نرم شیشے میں پری
یہ نرم قبا میں لہلہاتا ہوا روپ
جیسے ہو صبا کی گود پھولوں سے بھری

آواز میں وہ لوچ کہ بلبل چہکے
رفتار میں وہ موج کہ سبزہ لہکے
ہونٹوں سے چمک مانگتی ہے شامِ بہار
عارض پہ حنا کا نرم شعلہ دہکے

جوڑے میں سیاہ رات کنڈلی مارے
ماتھے کے عرق میں جھلملاتے تارے
عارض میں سحر کے چھلکے چھلکے ساغر
ٹھوڑی میں قمر کے جگمگاتے پارے

جوبن کا رس پگھلے چاند سورج چھلکائے
سانسوں کی شمیم فصلِ گل کو مہکائے
وہ زلف کہ لئے چھیڑے ہوئے شام اودھ
وہ رنگِ بدن کہ آنکھ دن کی کھل جائے

چھل بل سے بھری نار دلی کی ماری
رنگین اداؤں کی شگوفہ کاری
چھلکا چھلکا شباب بدمست و خراب
پتلی کے سیاہ لمبی پلکیں بھاری

سرشارِ جمال سے شبستاں نکھر آئے
رخسار میں بجلیوں کا مسکن نظر آئے
گفتار سنے تو راگنی تھام لے دل
اٹھتے ہی قدم نسیمِ جنت تھرائے

وہ چہرۂ قمریں سُرخ لہریں جو اُٹھائے
وہ گردن و سینہ، میکدہ وجد میں آئے
وہ حُسنِ شکم کہ جان سورج میں پڑے
بل کھائی کمر کاش گنگا لہرائے

وہ اک گہرا سکوت کل رات گئے
طاقوں میں دئے نیند میں ڈوبے ڈوبے
پلکیں جھپکا رہی تھیں جب ٹھنڈی ہوائیں
آنا ترا اک نرم اچانک پن سے

جب پریم کی گھاٹیوں میں ساغر اُچھلے
جب رات کی وادیوں میں تارے چھٹکے
نہلاتی فضا کو آئی رَس کی پُتلی
جیسے شنو کی جٹا سے گنگا اُترے

جب کھول رہی ہوں پہلی کرنیں پلکیں
جب رات سمٹتی ہو مہکی الکیں
جب ذرّے کُنمنا کے آنکھیں کھولیں
تیری آوازِ پا کے ساغر چھلکیں

گلزارِ صباح رسمساتا ہوا روپ
اک موجِ نشاط مسکراتا ہوا رُوپ
ہے گوشش برآوازِ سکوتِ کونین
بجتا ہوا ساز گُنگناتا ہوا رُوپ

رگ رگ میں کسک سے تلملاتا ہوا روپ
وہ نرم لوؤں سے جھلملاتا ہوا رُوپ
پا تا بہ جبیں چٹک رہی ہیں کلیاں
غنچوں کے دل سے دل ملاتا ہوا رُوپ

سانچے میں رنگ و بُو کے ڈھلتا ہوا روپ
گلزار کی کروٹیں بدلتا ہوا رُوپ
وہ تازہ دمی کہ سانس لے صبحِ بہار
سانچے میں گنوارے پن کے ڈھلتا ہوا رُوپ

خوشبوئے شباب سے مہکتا ہوا رُوپ
تحریکِ نمو سے کچھ لہکتا ہوا رُوپ
سرتا بقدم ساز کے پردوں کی لَویں
یہ رنگ یہ نُور یہ چھکتا ہوا رُوپ

آئینہ در آئینہ ہیں شفاف بدن — جلوے کچھ اس انداز سے ہیں عکس فگن
اک خواب جمال ہے کہ بند حنا ہو طلسم — وہ روپ جھلکتا ہوا جادو، درپن

پیکر ہے کہ چلتی ہوئی پچکاری ہے — فوارۂ انوارِ سحر جاری ہے
بڑھتی ہے فضا میں ستارنگوں کی پھوار — آکاش نہا اُٹھتا ہے بلہاری ہے

امرت میں دُھلی ہوئی فضائے سحری — جیسے شفاف نرم شیشے میں پری
یہ نرم قبا میں لہلہاتا ہوا روپ — جیسے ہو صبا کی گود پھولوں سے بھری

آواز میں وہ لوچ کہ بُلبل چہکے — رفتار میں وہ موج کہ سبزہ لہکے
ناخنوں سے چمک مانگتی ہے شامِ بہار — عارض پہ غنا کا نرم شعلہ دہکے

جوڑے میں سیاہ رات کُنڈلی مارے — ماتھے کے عرق میں جھلملاتے تارے
عارض میں سحر کے چھلکے چھلکے ساغر — ٹھوڑی میں قمر کے جگمگاتے پارے

جوبن، رس بھگیلے چاند سورج چھلکائے — سانسوں کی شمیم فصلِ گُل کو مہکائے
وہ زُلف کہ بے چھیڑے ہوئے شام اودھ — وہ رنگِ بدن کہ آنکھ دن کی کُھل جائے

چھل بل سے بھری ناردنی کی ماری — رنگین اداؤں کی شگوفہ کاری
چھلکا چھلکا شباب بدمست و خراب — مُرپی کے سیاہ لمبی پلکیں بھاری

سرشارِ جمال سے شبستاں نکھر آئے — رُخسار میں بجلیوں کا مسکن نظر آئے
گفتار سُنے تو راگنی تھام لے دل — اُٹھتے ہی قدم نسیمِ جنت تھرائے

وہ چہرہ قمر میں سرخ لہریں جو اُٹھائے
وہ گردن و سینہ، میکدہ وجد میں آئے
وہ حسنِ شکم کہ جان سورج میں پڑے
بل کھاتی کمر کاش گنگا لہرائے

وہ اک گہرا سکوت کل رات گئے
طاقوں میں دیے نیند میں ڈوبے ڈوبے
پلکیں جھپکا رہی تھیں جب ٹھنڈی ہوائیں
آنا ترا اک نرم اچانک پن سے

جب پریم کی گھاٹیوں میں ساغر اُچھلے
جب رات کی وادیوں میں تارے چھٹکے
نہلاتی فضا کو آئی رس کی پتلی
جیسے شنو کی جٹا سے گنگا اُترے

جب کھول رہی ہوں پہلی کرنیں پلکیں
جب رات سمیٹتی ہو مہکی الکیں
جب ذرّے گنگنا کے آنکھیں کھولیں
تیری آوازِ پا کے ساغر چھلکیں

گلزارِ صباح رسمساتا ہوا روپ
اک موجِ نشاط مسکراتا ہوا روپ
ہے گوش برآواز سکوتِ کونین
بجتا ہوا ساز گنگناتا ہوا روپ

رگ رگ میں کسک سے تلملاتا ہوا روپ
وہ نرم لوؤں سے جھلملاتا ہوا روپ
پاتا ہے جبیں چٹک رہی ہیں کلیاں
غنچوں کے دل سے دل ملاتا ہوا روپ

سائے میں رنگ و بو کے پلتا ہوا روپ
گلزار کی کروٹیں بدلتا ہوا روپ
وہ تازہ دمی کہ سانس لے صبحِ بہار
سانچے میں کنوارے پن کے ڈھلتا ہوا روپ

خوشبوئے شباب سے مہکتا ہوا روپ
تحریکِ نمو سے کچھ لہکتا ہوا روپ
سرتا بقدم ساز کے پردوں کی لویں
یہ رنگ یہ نور یہ جھلکتا ہوا روپ

کلیوں کو بھیرویں سناتا ہوا روپ
جادو گلزار کا جگاتا ہوا روپ
کھیل آنکھ مچولی کا میانِ دو جہاں
اک طرفہ طلسم لہلہاتا ہوا روپ

نغمات سا پیچ و تاب کھاتا ہوا روپ
سُر کے گت کے دیئے جلاتا ہوا روپ
سب راگنیاں اُٹھی ہیں آنکھیں ملتی
جادو سنگیت کے جگاتا ہوا روپ

موجِ زرِ سیّال ڈلکتا ہوا روپ
صہبائے جمال سے چھلکتا ہوا روپ
انگ انگ کے گرد سات رنگوں کی پھوار
رقصِ قوسِ قزح جھلکتا ہوا روپ

خود اپنے رچاؤ سے سنورتا ہوا روپ
خود گرمیِ حُسن سے نکھرتا ہوا روپ
ہر عضو سے اک شانِ تکلّم پیدا
اعجازِ جمال بات کرتا ہوا روپ

پاتا بہ جبیں نظر اُٹھاتا ہوا روپ
ظاہر باطن کے بھید پاتا ہوا روپ
صد جامِ جہاں نما بلوریں اعضا
سنسار کو آئینہ دکھاتا ہوا روپ

نیک و بد کا بھرم اُٹھاتا ہوا روپ
رازِ ہستی کی نبض پاتا ہوا روپ
ہر عشوے میں امتزاجِ خیر و شر ہے
معصوم گناہ کو بناتا ہوا روپ

نغماتِ بہار کی روانی ہے کہ روپ
اک موجِ نشاطِ ارغوانی ہے کہ روپ
اعضا میں کلی کلی تبسّم کی لَویں
جوبن پہ چمن چمن جوانی ہے کہ روپ

جب تاروں نے جگمگاتے نیزے تولے
جب شبنم نے فلک سے موتی رولے
کچھ سوچ کے خلوت میں بصد ناز اُس نے
نرم انگلیوں سے بندِ قبا کے کھولے

جب چاند نے امرت کی گگر چھلکائی
لرزش تنِ نازک میں ہوئی رات گئے
جب ہم گر نے سرد ہوا سنکائی
یا چاندنی پڑتے ہی لتا لہرائی

جب تاروں کے کارواں ہوں ٹھہرے ٹھہرے
جب نیند کی سانس کہکشاں لیتی ہو
جب کشتیِ ماہِ نَو ہو لنگر ڈالے
ایسے میں کاش تری آہٹ آئے

جب تاروں بھری رات نے لی انگڑائی
جب چھا گئی پُر کیف اُداسی ہر سمت
نمناک مناظر نے پلک جھپکائی
سرشار فضاؤں کو تری یاد آئی

جب آجاتا ہے دھیان ترا اے دوست
اپنے کو بہت اُس سے بڑا پاتا ہوں
جب بزم خیال ہوں سجاتا اے دوست
خود کو سمجھے ہوئے تھا جتنا اے دوست

جب زُلفِ شبِ تار ذرا لہرائی
جب چاند کی بل کھائی جبیں اُبھری ذرا
جب تاروں نے پوروں انگلیوں کی چٹخائی
ایسے میں تری نیند بھری انگڑائی

جب جلوہ نما چاند لبِ بام ہوا
تو سامنے آیا کہ مری آنکھوں کو
جب ساغرِ شب چھلکا ہوا جام ہوا
اِس پردۂ دیدار میں الہام ہوا

جب رات ہو جگمگاتی چادر اوڑھے
جب سازِ سکوت رات ہو ایسے میں
جب چاند کی آنکھ سے بھی غفلت ٹپکے
گاتے قدموں کی گنگناہٹ آئے

جب زہرہ لئے ہوئے ہو ہاتھوں میں ستار
جھپکاتے ہوں آنکھ جب ستاروں کے چراغ
جب رُخ پہ اُڑ رہے ہوں نغموں کے شرار
ایسے میں ہو کاش مجھکو ترا دیدار

جب پچھلے پہر پریم کی رتیا سو لی    کلیوں کی گرہ پہلی کرن نے کھولی
جوبن رس چھلکاتی اُٹھی چنچل نار    رادھا گوکل میں جیسے کھیلے ہولی

جب سورج جگمگاتے ساغر چھلکائے    رنگین شفق کی کور شعلوں میں نہائے
وہ عالمِ رنگ و نور برخطِ اُفق    تیرے آنچل کا جیسے لچکا لہرائے

جب تاروں کا کارواں نگاہوں سے چھپا    ایک ایک ورق رات کا چہرا اُترا
ملتی تھی ابھی آنکھ ہی دوشیزہ کرن    ایسے میں دبے پاؤں وہ تیرا آنا

جب کرنیں ہمالیہ کی چوٹی گوندھیں    سوئے ہوئے آبشار آنکھیں کھولیں
جب کنچن نیر سی جھلکتی ہو فضا    ایسے میں کاش تیری آہٹ پائیں

جب چاند کی وادیوں سے نغمے برسیں    آکاش کی گھاٹیوں میں ساغر اُچھلیں
امرت میں ڈھلی ہو رات اے کاش ترے    پائے رنگیں کی چاپ ایسے میں سنیں

جیسے شبِ تار میں ستارے ٹوٹیں    جیسے گلزار سے شرارے پھوٹیں
جس طرح سے جھلکیاں دکھاتا ہے خیال    یہ آنکھیں یونہی تیرے نظارے لوٹیں

جس طرح ندی میں ایک تارا لہرائے    جس طرح گھٹا میں ایک کوندا بل کھائے
برمائے فضا کو جیسے اک چندر کرن    یونہی شامِ فراق تیری یاد آئے

آجا کہ کھڑی ہے شام پردا گھیرے    مدت ہوئی جب چھپے تھے درشن تیرے
مغرب سے سُنہری گرد اُٹھی سوئے قاف    سورج نے اگنی رتھ کے گھوڑے پھیرے

دامنِ قوسِ قزح، گھٹائیں زُلفیں — دیکھے ہوئے دھڑیں برقِ نیساں کی رگیں
یہ جیون دان، یہ چمکتے قطرے — رہ رہ کے جو حلق میں پپیہے کے پڑے

جیسے ہو کوئی چراغ دھارے پہ رواں — جیسے بن میں ہو اک شعلہ رقصاں
جس طرح دبی چوٹ اُبھر آتی ہے — یونہی نظر آئے ترا روئے خنداں

جس طرح رگوں میں خونِ صالح ہو رواں — جس طرح حیات کا ہے مرکز رگِ جاں
جس طرح جُدا نہیں وجود و موجود — کچھ اس سے زیادہ قرب اے جانِ جہاں

کُھلتا ہی نہیں حُسن ہے پنہاں کہ عیاں — دیکھے تجھے کیسے کوئی اے جانِ جہاں
بندھ جاتا ہے اک جلوہ و پردہ کا طلسم — یہ غیب و شہود! آنکھ مچولی کا سماں

یہ خُنکی، یہ رت جگا، یہ بھاری پلکیں — شبنم سے دُھلے برگِ چمن بھیگی مسیں
تاروں بھری رات کو جما ہی آئی — روئے عرق آلود پہ لہرائیں لٹیں

ماں اور بہن بھی اور چہیتی بیٹی — گھر کی رانی بھی اور جیون ساتھی
پھر بھی وہ کامنی سراسر دیوی — اور سیج پہ بیسوا وہ رس کی پتلی

منڈلاتا ہے پلک کے نیچے بھونرا — گلگوں رُخسار کی بلائیں لیتا
رہ رہ کے لپک جاتا ہے کانوں کی طرف — گویا کوئی رازِ دل ہے اس کو کہنا

ثانی نہیں تیرا کوئی تیری مثال — کس خواب کی تعبیر ہے یہ شانِ جمال
سینے میں کسی کے چلتے چلتے — جیسے صورت پکڑلے یزداں کا خیال

پھولوں کی سُہاگ سیج، یہ جوبن رَس
سوتے میں سہاگنی لُٹاتی ہوئی جَس
پہلو کی بہار ہے لہلہاتی جنت
یہ رات یہ کچھ جلتے ہوئے رُوپ کلس

ہے تیر نگاہ کا کہ پھولوں کی چھڑی
قطرے میں پسینے کے کہ موتی کی لڑی
کومل مسکان اور سرکتا گھونگھٹ
ہے صبحِ ازل اُمیدواروں میں کھڑی

شبنم میں نہائی صبح نکھری نکھری
ہے رنگ بدن کہ مُسکراتی ہے کلی
تصویرِ شگفتگی صباحت اُس کی
ہے کھلتے ہوئے کنول کی خوشبو سے لدی

بن باسیوں میں جلوۂ گلشن لے کر
تاریکیوں میں شعلۂ ایمن لے کر
وہ ہنستی ہوئی روپ کی دیوی آئی
کانٹوں میں کِھلے پھول سا جوبن لے کر

آواز کی نغمگی پپیہے کو دی
تقلید خرامِ ناز ہنسوں نے کی
ہے نازکی کانپتی لتاؤں میں تری
معصوم نظر ہرن کے بچے کو ملی

کومل مسکیاں جھلملاتے تارے
رخساروں کے تازہ پھول پیارے پیارے
ترشی ہوئی مہکی راتیں زُلفوں کی لٹیں
پہلو سنگیت کے اُبلتے دھارے

اے رُوپ کی دلکشی یہ جلوؤں کا راگ
یہ جادوئے کام روپ، یہ حُسن کی آگ
خیر و برکت جہان میں تیرے دم سے
ہے خط تبسم کہ محبت کا سُہاگ

جوبن رس سے روپ کی کھیتی ہے ہری
لہراتی ہوئی شفق میں کم کم سی تری
آنکھوں میں سہاگ رات سنگار کیے
موتی سے مانگ، گود پھولوں سے بھری

جھکے ہوئے بن سے زلف کھاتی ہوئی میل
آنکھوں میں ہرن کے بچے کرتے ہیں کلیل
جیسے مری نے تاروں کو چھولیتی ہے
پروان چڑھے تو یونہی اے پریم کی بیل

دن ڈوب چکا ہے یہ اُداہٹ، یہ بدن
آکاش ہے سربسر جھلاجھل درپن
جلتے جاتے ہیں چاند تاروں کے چراغ
اب رُوپ کی آرتی سجاتا ہے گگن

خوشبو دیتی ہے رات رانی تیری
کتنی ہوئی رات ہے کہانی تیری
تاروں کے بھی پڑ چلے ہیں موتی ٹھنڈے
چٹکاتی ہے انگلیاں جوانی تیری

کس بادہ سے چُور ہے جوانی تیری
کن شعلوں کا نُور ہے جوانی تیری
جیسے جوالا مکھی ہو پھٹنے والا
کتنی بھرپور ہے جوانی تیری

دوشیزہ کرن کلی کو جیسے اُکسائے
رس، رنگ، سُگند کے چراغوں کو جلائے
اِس چندر مکھی کی مُسکراہٹ میں وہ لوچ
شبنم میں گَپھل کے جیسے کوندا بل کھائے

یہ نرم ہوائیں یہ لہلہاتا ہوا باغ
دو وقتوں کے مل جانے کا دیتے ہیں سُراغ
یہ نکھرا روپ، یہ سُکومل مُسکیاں
جس طرح شفق سے پیچھے جلتا ہو چراغ

جُھرمٹ میں مگُوں کے جیسے جگنو چمکے
شفّاف صدف میں جیسے موتی دمکے
اوشا کا سُہاگ مُسکراہٹ کی یہ لَو
گھونگھٹ سے شفق کے جیسے تارا جھلکے

جیسے ہیرے کی آنچ کا دل دھڑکے
پو اوٹ سے لالما کی جیسے پھوٹے
کومل اَدھروں پہ مسکراہٹ کی یہ چھوٹ
کرنوں پر جیسے کوئی دیوی ناچے

تُو جیسے سکوت کی ہو مدھم مدھم
لہروں پہ چاند جیسے ناچے چھم چھم
نورس ہونٹوں پہ مسکراہٹ کم کم
جیون آنند جیسے لیتا ہو جنم

دوشیزۂ شفق کا سینہ دھڑکا دھڑکا
لہروں پہ کنول کا شعلہ بھڑکا بھڑکا
کومل اَدھروں پہ یہ سہانی مسکان
جس طرح جھلک دیتا ہو پہلا تڑکا

بل کھائی کرن نے جیسے پھینکی ہو کمند
کلیوں کی چولیوں کے کھلنے لگے بند
سرکے گھونگھٹ سے مسکراہٹ کی جھلک
یہ نرم دمک، یہ رنگ، یہ رس، یہ سگند

شعلوں میں برگِ گُل ہو ڈھلتا جیسے
شبنم میں ہو شرار گھلتا جیسے
ہونٹوں کی پنکھڑی پہ کومل مُسکان
لَو دے اُٹھے رُوپ کی ہر ڈُلتا جیسے

کھلتے ہوئے گلزاروں کے رس اور سگند
ست رنگ، دھنش کا لوچ، بجلی کی کمند
رِت راج کی انگڑائی اُشا کے سنگیت
کھلتے گلزار تیری چٹکی میں ہیں بند

آنکھوں میں کُنمنا رہی ہے بجلی
وہ دھج کہ ہو جیسے راگنی آ کے کھڑی
وہ روپ کہ جیتا جاگتا جیون سپن
وہ رنگ اوشا کے جیسے اَدھ کھلی کلی

ہر سانس میں گلزار سے کھل جاتے تھے
ہر لمحہ میں جنت کی ہوا کھاتے تھے
کیا تجھ کو محبت کے وہ ایام ہیں یاد؟
جب پردۂ شب بجتے تھے دن گاتے تھے

وہ آنکھ کھلی، دن کی کرامات ہوئی
ہر مست نگہ رمز و کنایات ہوئی
جھلکاتا ہوا میکدہ دن ڈوب گیا
گیسوئے سیہ تاب کھلے رات ہوئی

جس طرح اساوری کے دل کی دھڑکن    جیسے پچھلے پہر کا مہکا ہوا بن
جیسے کھلتے کنول کے سینے کی اُمنگ    چھلکا پڑتا ہے مد میں ڈوبا جوبن

اُن انکھڑیوں میں سُرور ہلکا ہلکا    گھونگھٹ میں بھاگ راگ دہکا دہکا
جیسے دیوی کھڑی ہو جھرمٹ مارے    ماتھے کا چندر نوک دمکا دمکا

ہونٹوں پہ لرز رہے ہیں پیغامِ حیات    انفاس کی لے میں جذبِ روحِ نغمات
آنکھوں میں پلک کھولے ہوئے صبحِ بہار    زلفوں میں اوٹ گنگناتی برسات

وہ چہرہ سُتا ہوا وہ حُسنِ بیمار    بےچینی کی روح کو بھی آتا تھا پیار
دیکھا ہے کرب کے بھی عالم میں تجھے    ہوتا تھا سکون لاکھ جانوں سے نثار

وہ نبض کی موجِ درد، وہ سوزِ دروں    نرم اُلٹی سانسیں اور وہ حالِ زبوں
ہے شو کا رقصِ حُسن کا عالمِ نزع    رگ رگ میں موجِ کرب، چہرہ پُر سکوں

افسردہ فضا میں جیسے چھایا ہو ہراس    دُنیا کو کوئی ہو ابھی آتی نہیں راس
ڈوبی جاتی ہو جیسے نبضِ کونین    کس بات پہ حُسن آج اتنا ہے اُداس

دل کس لیے بے قرار سرتا سر ہے    کیوں تو کبھی مرہم ہے کبھی خنجر ہے
ہے عشق تو ماورائے آلام و نشاط    اور حُسن وفا جفا سے بالاتر ہے

رہ رہ کے کوئی قدرِ جمال آنکتا ہے    رنگین فضاؤں کو کوئی سا نکتا ہے
پڑتی ہے ترے چہرے پہ یہ نرم سی چوٹ    یا وقت کے رخنوں سے ابد جھانکتا ہے

ہیں ایک شہود و غیب، ان دونوں کی
ہر خط بدن میں سرحدیں ملتی ہوئی
سرتا بقدم عالمِ اسرارِ حُسن
معنی صورت ہے اور صورت معنی

کہنی ہیں یہی تیری نگاہیں اے دوست
نکلیں نئی زندگی کی راہیں اے دوست
کیوں حُسن و محبّت سے نہ اونچے اُٹھ کے
دونوں ایک دوسرے کو چاہیں اے دوست

کیوں ہمت آسماں سے ہاریں اے دوست
کیوں ہم سے چلیں زمیں کی گھاتیں اے دوست
ہم بیٹھ چکے ہیں تیرے قدموں میں کبھی
ہم دیکھے ہوئے ہیں تیری آنکھیں اے دوست

غافل کششِ حُسن سے بچتا ہے شعور
کھنچتے آتے ہیں بزمِ امکاں کے حدود
خنکی میں جماہی کی ہے دامانِ عدم
انگڑائی کے ہاتھوں میں گریبانِ وجود

پڑنے لگا ماندِ چندرماں کا آکار
دُھندلانے لگا فلک پہ تاروں کا غُبار
جھلمل پُروائی میں پَوَن رس ڈولے
چٹکانی ہے پورا نگیوں کی صبحِ بہار

چتون میں ہے سادگی ابھی پرکاری بھی
آنکھیں کچھ ڈھیٹھ اور کچھ چونکی ہوئی
چڑھتے دن میں سحر کی جیسے نرمی
جوبن رس میں جھلک رہا ہے بالے پن کی

گرونز ارس کی سُریلی کوتا ہے بدن
اُٹھتے ہوئے درد کا ترانا ہے بدن
رادھا کے آنسوؤں کے ہلتے ہوئے تار
گُل گوپیوں کے برہ کی پیڑا ہے بدن

کتنا بھرپور دن تھا تُو تھا جب پاس
گاتے ہوئے لمحوں کا وہ رنگیں احساس
جاتے ہی ترے ہوا وہ عالم جیسے
تہوار کے بعد شام سُونی اور اُداس

زنجیرِ حیاتِ بحر و بر ہلتی ہے
اُپ وَن، بن بن کلی کلی کِھلتی ہے
بزمِ فطرت کو اے بہاروں کی بہار
ترے ہاتھوں سے زندگی ملتی ہے

بن بن کے مٹے ہیں اور مٹ مٹ کے بنے
جینے مرنے کے گُر سبھی نے سیکھے
تو جانِ ممات تو حیاتوں کی حیات
شائستۂ مرگ و زیست انساں کو کرے

بکھرے وہ تبسم ہے تمام آنسو ہے
ہمہ شبنم و گل، تمام رنگ و بو ہے
پلکوں کی اوٹ میں طلسمِ ہستی
آنکھیں ہیں کہ کام روپ کا جادو ہے

کشتی پر چاندنی میں سیرِ دریا
آئینہ نما یہ نرم شفاف ہوا
پیدا حرکت سے ہے سکوں کی تصویر
پچھو چلنا بدن کا کم کم ہلنا

یہ عالمِ رنگ و بو یہ قدِ رعنا
وہ آمد سوئے جاں نثارِ شیدا
رفتار میں وہ لہک وہ جست اور ابھار
جس طرح گگن کھیلتا جائے دریا

وہ روپ کہ کامدیو جس کا ہو شکار
وہ رنگ اوشا نے جیسے چھیڑا ہو ستار
وہ ہونٹوں کا رس جانِ طراوت ہر بوند
وہ گات کہ سر سے ایڑیوں تک جھنکار

رخساروں پہ زلفوں کی گھٹا چھائی ہوئی
آنسو کی لکیر آنکھوں میں لہرائی ہوئی
وہ دل اُمڈا ہوا وہ پریمی سے بگاڑ
آواز غم و غصہ سے بھرائی ہوئی

ہیں اُٹھتی جوانیاں کہ جیون کا اوج
الکوں میں پھنسے دلوں کی ملتی نہیں کھوج
وہ رس جو چھلک کے کم نہ ہونے پائے
ایسے رس سے بھرے ہیں آنکھوں کے سروج

گیسو کے تناؤ میں لٹکتے ہیں بھجنگ
آنکھوں کے جھکاؤ میں ہے خلوت کی امنگ
پیکر کے رچاؤ میں کھنکتا ہوا چنگ
سینے کے تناؤ میں پکھاوج کی ترنگ

انگ انگ میں نے بجتی ہوئی سازوں کی
یہ رات گئے روپ کے سنگیت کا لوچ
سرتا بقدم کاہکشاں گاتی ہوئی
آواز میں جیسے لگ گئی ہو پیتی

ہونٹوں پہ پیام لطف آنے بھی نہ دے
یہ عشقِ حزیں پہ مہربانی کیسی
دم بھر کو حجابِ ناز اٹھانے بھی نہ دے
جو حسن کو کھل کے مسکرانے بھی نہ دے

وہ ہونٹ ذرے ذرے نگاہوں سے دعا
زہرابِ وفا کو حسن کرتا ہے قبول
معصوم آنکھوں میں اشک ٹپکا چھلکا
یا بس کا پیالہ شنو نے ہاتھوں میں لیا

یہ چیت کی چاندنی میں آنا تیرا
رس اور سگندھ سے جوانی بوجھل
انگ انگ ہے نکھرا ہوا لہرایا ہوا
اک باغ ہے بور آئے ہوئے آموں کا

رگ رگ میں تھرتھراتے رس کا یہ اُبال
یہ بل کھاتی ہوئی سنہری لہریں
جس طرح چھلک رہا ہو مینا سے جمال
شفاف بدن ہے یا طلوعِ سیال

رنگین جبین صبحِ چمن کا عالم
سرتا سر روکشِ بہارِ فردوس
بالوں میں امڈتے ہوئے گھن کا عالم
برسات میں لہلہے بدن کا عالم

آنچل کے تلے دمکتے جوبن کی یہ لَو
ٹھوڑی پہ جگمگاتی کرنوں کی یہ چھوٹ
ساڑی کے چُناؤ میں جھلکتے سب نو
محرم کے گھاٹ پردہ پھٹتی ہوئی پو

پلکوں سے پڑ رہی ہے امرت کی پھوار
جو بن میں بسنت کی ترنگوں کا اُبھار
یہ دیپ شکھا سی ناک کلیلا سے اُدھر
وہ روپ کہ کر رہی ہے اُوشا سنگار

مُنھ اُٹھائے ہرن کے بچے کومل لوچن
پَو پھٹنے کی جھنکار لئے مُدھر بچن
کمپت ہے اساوری کہ الکوں کی لپٹ
دیپک کا نرم راگ سنگار بدن

تو ہر لحظہ کچھ اور آتا ہے نظر
ہر جلوہ ہے پہلے جلوے سے نازک تر
ہر خطِ بدن .بس جذب نغمے، جیسے
سوتی ہیں حقیقتیں لبِ شاعر پر

بل کھائی ہوئی کرن ہے نازک قامت
دیپک کی نرم لَو سی ہنستی صورت
تارے کی طرح حسیں -جب ایک ہی ہو
سرِ شام جبینِ آسماں کی زینت

رس میں ڈوبی تو اور نکھری شوخی
ڈھل کر شبنم سے جیسے کھِلتی ہو کلی
معصوم ہے کتنی روٹھ جانے کی ادا
آنکھوں میں دُرِ سرشک ہونٹوں پہ ہنسی

رنگت تری کچھ اور نکھر آتی ہے
یہ آن تو حوروں کو بھی شرماتی ہے
کٹتے ہی شبِ وصال، ہر صبح کچھ اور
دوشیزگیٔ جمال بڑھ جاتی ہے

چھن چھن کے پڑے جہاں ستاروں کی کرن
پریاں دیں خود جسے ہوائے دامن
وہ روپ نگر کا بن ہے رمنا تیرا
چرتے ہیں جہاں چاند کی دیوی کے ہرن

موتی کے ہار بن کے پھولوں میں رہی
راتوں کا چراغ بن کے تا صبح جلی
پَر لگ گئے جب سحر کے غنچے چٹکے
پڑتے ہی کرن اُڑی وہ شبنم کی پری

یہ پچھلی رات، روپ یہ سندر ہو نپٹ
آتی ہے کہ نینی تناؤں کی لپٹ
یہ آدھے بدن تک کھلے بالوں کی لٹیں
یہ رنگ بدن یہ مہکی مہکی کروٹ

آہٹ ہے نسیم کی حضوری کا پیام
جھکتے ہیں چمن والے ادب کا ہے مقام
پھولوں میں کھڑا جام بکف وقتِ سحر
گلزارِ جہاں کا کوئی لیتا ہے سلام

غنچوں سے نرم تجلّی دیکھی ہے
نازک کم کم شگفتگی دیکھی ہے
ہاں یاد ہیں تیرے لبِ آسودہ مجھے
تصویرِ سکونِ زندگی دیکھی ہے

وہ سیرِ چمن کو آج آئیں گے ہاں
گلبن سے صیاد کی بلائیں لینا
وقتِ گلگشت ان سے اے موجِ نسیم
ملنا تو بہت بہت دعائیں دینا

مشرق سے جوئے شیر بہنے لگی جب
کافور ہوئی دھیرے سے تاریکیٔ شب
اٹھا کوئی نیند سے سمیٹے گیسو
اک نرم دمک لئے جبیں کا پورب

کیا رات گئے رنگ ہیں گلزاروں کے
گل بھیگے ہوئے شعلے ہیں انگاروں کے
یہ گیسوئے پُرخم یہ شبستانِ جمال
یہ جلتے دیے جبینِ رخساروں کے!

لہرائی ہوئی شفق میں اوشا کا یہ روپ
یہ نرم دمک مکھڑے کی سج دھج ہے انوپ
تیرا بھی اڑا سا آنچل زرتار
گھونگھٹ سے وہ چھنتی ہوئی رخساروں کی دھوپ

مہکا مہکا چکتے بالوں کا بن
نکھرا نکھرا دمکتے چہرے کا چمن
بیٹھا سمٹا حیا سے ہر عضوِ بدن
چونکے چونکے سیاہ آنکھوں کے ہرن

یہ پَو پھٹتی ہوئی شفق کے شعلے
یہ نرم صباحتِ نظارۂ رنگیں
پنکھڑیوں پر گلوں کی نم کے قطرے
یہ چہرۂ تر یہ ہونٹ بھیگے بھیگے

تارے یہ چھپتے چلے جھلاجھل ہے فضا
حسنِ بیدار ہے کہ پھول ہے شفق
رفتارِ سکوں نما سے چلتی ہے ہوا
ہے رُوپ کہ صبح کا سہانا تڑکا

افلاک پہ جب پرچمِ شب لہرایا
کچھ سوچ کے کچھ دیر تامل کر کے
ساقی نے بھرا ساغرِ مے چھلکایا
اُس نے بھی ذرا پردۂ رخ سرکایا

یہ موجِ نسیم یہ سہانا تڑکا
پورب کو منہ کئے سہاگن ہے کھڑی
دامانِ شفق فضا میں لٹکا لٹکا
آنچل دوشِ حسیں سے ڈھلکا ڈھلکا

جیسے چھلکائے کوئی ساغر بھر کے
بادل کی تہوں سے مہِ کامل نکلا
رخساروں کو خوابِ روز روشن کر کے
امرت میں دُھلی جبیں سے گیسو سرکے

افلاک کو کچھ آئی ہوئی انگڑائی
آنکھوں میں نکلنے بیٹھتے دن کی بہار
رگ رگ میں کسک چلتی ہوئی پروائی
ایسے میں دبے پاؤں جوانی آئی

کچھ بڑھتا ہوا شفق کے دل کا دھڑکا
وہ جسم کی نرم جوت کپڑوں کے تلے
کچھ شعلۂ سازِ صبح بھڑکا بھڑکا
آنکھوں کے پیام کا سہانا تڑکا

یہ سناٹا، سماں کی یہ بوالعجبی
اک نغمۂ راز ہے نگاہوں کا سکوت
تاروں کا یہ ترنم زیرِ لبی
یہ ادھ کھلی آنکھ جادوئے نیم شبی

جھاڑوں میں مُنھ اندھیرے سنگم کا سماں جلوے گنگ و جمن کے کہرے میں نہاں
ٹکھڑے پر جھپٹتے میں تاروں کی وہ چھاؤں وہ گیسوئے خم بہ خم کی خوشبو کا دُھواں

وہ مطلعِ صبح رقص کرتی کرنیں دوشیزہ فضا میں جیسے کلیاں سی کھلیں
نو دیتی جبینِ ناز حسن مطلع خوشبو اور کمسنی کی نازک موجیں

یہ روپ کی موہنی یہ ابرو کے ہلال انگ انگ کی یہ لچک یہ گاتی ہوئی چال
یہ لوچ ہوائے شام جس پہ ہو نثار آنچل میں لئے ہزاروں تاروں کا جال

دھیما دھیما سا نور جیسے تہِ ساز بڑھتا جاتا ہے چھٹکے تاروں کا گداز
لیتی ہیں جماہیاں یہ باتیں تیری سرگوشیاں جس طرح کرے عالم راز

پورے جوبن پہ جیسے مہکی ہوئی رات کلیوں میں جیسے موجزنِ روحِ نبات
وہ عالمِ رنگ و بو ہے تجھ پر اے دوست شاعر کے لبوں پہ جیسے پیغامِ حیات

ڈھلکا آنچل دمکتے سینے پہ الک پلکوں کی اوٹ مسکراہٹ کی جھلک
وہ ماتھے کی کہکشاں وہ موتی بھری مانگ وہ گود میں چاند سا ہمکتا بالک

آنگن میں چاند کے ٹکڑے کو کھڑی ہاتھوں پہ جُھلاتی ہے اُسے گود بھری
رہ رہ کے ہوا میں جو لُوکا دیتی ہے گونج اُٹھتی ہے کھلکھلاکے بچے کی ہنسی

نہلا کے چھلکے چھلکے نرمل جل سے اُلجھے ہوئے گیسوؤں میں کنگھی کرکے
کس پیار سے دیکھتا ہے بچہ مُنھ کو جب گھٹنوں میں لیکے ہے پنہاتی کپڑے

دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے لاوے
وہ روپ وتی مکھڑے پہ اک نرم دمک
بچے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیئے

گل ہیں کہ رخ گرم کے ہیں انگارے
بالک کے نیّن سے ٹوٹتے ہیں تارے
رحمت کا فرشتہ بن کے دیتی ہے سزا
ماں ہی کو پکارے اور ماں ہی مارے

کس پیار سے دے رہی ہے میٹھی لوری
ہلتی ہے سڈول بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ، آنکھوں میں رس، ہاتھوں میں
بچے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری

آنگن میں ٹھنک رہا ہے ضد پایا ہے
بالک تو ہئی چاند پہ للچایا ہے
درپن اسے دے کے کہہ رہی ہے یہ ماں
دیکھ آئینے میں چاند اتر آیا ہے

کس پیار سے ہوتی ہے خفا بچے سے
کچھ تیوری چڑھائے منہ پھیرے ہوئے
اس روٹھنے پہ پریم کا سنسار نثار
کہتی ہے کہ جا تجھ سے نہیں بولیں گے

رکشا بندھن کی صبح، رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لچک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

دوشیزہ فضا میں لہلہایا ہوا روپ
آئینۂ صبح میں جھلکتا ہوا روپ
یہ نرم نکھار، یہ سجل دھج، یہ سگندھ
رس میں ہے کنوارے پن کے ڈوبا ہوا روپ

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی
جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی
مہکے شعلوں کے گرد بھانور کے سمے
مکھڑے پہ نرم چھوٹ سی پڑتی ہوئی

آنکھوں میں سرِشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشنِ رخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل گانا

تیکوں کے آس پاس الکوں کی لٹک
آنچل کے تلے نگوں کے چلتے دیپک
وہ سیج پہ جگمگاتی کرنوں کی چھوٹ
وہ ماتھے پہ سہاگ تارے کی جھلک

یہ راز و نیاز اور یہ سمے خلوت کا
یہ آنکھ میں آنکھ ڈال دینا تیرا
ہرنی ہے ڈری ڈری سی اور کچھ مانوس
یہ نرم جھجک سپردگی کی یہ ادا

انگ انگ کے لوچ میں وہ شانِ تسخیر
جھم جھم بجتی ہوئی کمر کی زنجیر
ہنگامِ وصال پینگ لیتا ہوا جسم
بے لاگ ہنڈول راگ کی ہے تصویر

جب رات گئے سہاگ کرتی ہے سنگار
دنیا میں شبِ ماہ کے اترتی ہے نکھار
رتنا رنییّن سے پھوٹتی ہیں کرنیں
یا کاہکشاں کی مانگ بھرتی ہے نگار

ہے بیاہتا پر روپ ابھی کنوارا ہے
ماں ہے پر ادا جو بھی ہے دوشیزہ ہے
وہ موہ بھری، مانگ بھری، گود بھری
کنیا ہے سہاگن ہے جگت ماتا ہے

یہ ہلکے سلونے سانولے پن کا سماں
جمنا جل میں اور آسمانوں میں کہاں
سیتا پہ سوئمبر میں پڑا رام کا عکس
یا چاند سے مکھڑے پہ ہے زلفوں کا دھواں

مدھوبن کے بسنت سا سجیلا ہے وہ روپ
برکھا رت کی طرح رسیلا ہے وہ روپ
رادھا کی جھجک کرشن کی برزوری ہے
گوکل نگری کی راس لیلا ہے وہ روپ

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دکھ درد زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

لچکا لچکا بدن مجسّم ہے نسیم
مہکا مہکا وہ چہرہ سانسوں کی شمیم
دوشیزگیِ جمال صبحِ جنّت
گاتے ہوئے نرم گات موجِ تسنیم

لچکیلا گات اور اُٹھا ستھا ہے کٹھور
وہ چال کہ جیسے مِل کے ناچیں سو مور
کوک اُٹھتی ہیں کوئلیں وہ کالی زلفیں
مُنہ تکتا ہے چندرما کے دھوکے میں چکور

چھڑکاؤ ہوئے چبوترے پر کچھ نم
بیٹھی ہے سُہاگنی، بدن میں کچھ خم
چٹکی ہے شعاعِ نور برساتی ہوئی
ہے دیتی چوک پُورنے کا عالم

ہے مانند فلک پہ کہکشاں کا بھی نکھار
یوں پور رہی ہے چوک وہ جانِ بہار
بل کھائی لکیریں ہیں کہ چلتا جادو
بڑھتی ہوئی چٹکیوں کی جُنبش کے شمار

چوکے کی سہانی آنچ مکھڑا روشن
ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن
دیتے ہیں کرچھلی کے چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

کس درجہ شگوں نما ہیں ابرو کے ہلال
خیر و برکت کے دھن لُٹاتی ہوئی چال
جیون، ساتھی کے آگے دیوی بن کر
آتی ہے سہاگنی سجائے ہوئے تھال

ہمری کے ساتھ کھانے کا وہ عالم
پنکھے پہ وہ ہاتھ جسمِ نازک میں وہ خم
لقمے کے اُٹھانے میں کلائی کی لچک
دلکش کتنا ہے مُنہ کا لا چلنا کم کم

جب جھولا جھولنے میں ساون وہ گائے
کروٹ قوسِ قزح کو رہ رہ کے دلائے
وہ پینگ بڑھانے میں لچکتا ہوا جسم
آئینۂ نیلگوں میں بجلی لہرائے

اُودی اُودی گگن پہ ـ چھائی ہے گھٹا
ساجن کے بیوگ میں ستاسا مکھڑا
اب سوچ سنگار کی کہ آتے ہیں پیا
پڑنے لگی رس کی بوند کاگا بولا

بجودی پہ کھڑی، کھلا رہی ہے چارا
جوبن رس انکھڑیوں سے چھلکا چھلکا
کومل ہاتھوں سے ہے تھپکتی گردن
کس پیار سے گائے مُنھ دیکھتی ہے مکھڑا

وہ گائے کو دوہنا سہانی صُبحیں
گرتی ہیں بھرے تن سے چمکتی دھاریں
گھٹنوں پہ کلس کا وہ کھنکنا کم کم
یا چٹکیوں سے پھوٹ رہی ہیں کرنیں

متھتی ہے بچھے دہی کو رس کی پُتلی
الکوں کی لٹیں کچوں پہ لٹکی لٹکی
وہ چلتی ہوئی سڈول باہوں کی لچک
کومل مکھڑے پہ اک سہانی سُرخی

آنکھیں ہیں کہ پیغامِ محبّت والے
بکھری ہیں لٹیں کہ نیند میں ہیں کالے
پہلو سے لگا ہوا ہرن کا بچہ
کس پیار سے ہے بغل میں گردن ڈالے

کروٹ سے سو رہی ہے کھولے گیسو
رُو چھُپتی ہے یا چھلک رہا ہے گیسو
ہل کر مانوس ہو گیا ہے کتنا
تلووں سے مَل رہا ہے آنکھیں آہو

حمام میں عُریانیِ تن کا عالم
پیکر کا دھندلکے میں جھلکنا کم کم
ایک ہلکی تھرتھری سرسے پا تک
شبنم سے دُھلی شفق بھی کھاتی ہے قسم

نرمل جل سے نہا کے رس کی پتلی　　بالوں سے اربگھے کی خوشبو لپٹی
ست رنگ دھنش کی طرح باہوں کو اٹھائے　　پھیلاتی ہے الگنی پہ گیلی ساڑی

نکھری نکھری نئی جوانی دمِ صبح　　آنکھیں ہیں سکوں کی کہانی دمِ صبح
آنگن میں سہاگنی اُٹھائے ہوئے ہاتھ　　تلسی پہ چڑھا رہی ہے پانی دمِ صبح

آنگن میں سہاگنی نہا کے بیٹھی　　رامائن زانوؤں پہ رکھی ہے کھلی
جاڑے کی سہانی دھوپ کھلے گیسو کی　　پرچھائیاں چمکتے صفحے پر پڑتی ہوئی

معصوم جبیں اور بھوؤں کے خنجر　　وہ صبح کے تارے کی طرح نرم نظر
وہ چہرہ کہ سانس لیتی ہو سحر　　وہ لب طمانیت کی آبھا جن پر

امرت وہ ہلاہل کو بنا دیتی ہے　　غصے کی نظر پھول کھلا دیتی ہے
ماں لاڈلی اولاد کو جیسے تاڑے　　کس پیار سے پریمی کو سزا دیتی ہے

پیاری تری چھب دل کو لبھا لیتی ہے　　اس روپ سے دنیا کی ہری کھیتی ہے
ٹھنڈی ہے چاند کی کرن سی لیکن　　یہ نرم نظر آگ لگا دیتی ہے

زلفِ پرخم عنانِ شب موڑتی ہے　　آوازِ طلسمِ تیرگی توڑتی ہے
یوں جلوؤں سے ترے جگمگاتی ہے زمیں　　ناگن جس طرح کینچلی چھوڑتی ہے

وہ کالی رات کی کمندیں ٹوٹیں　　رنگین شعاعیں تیر بن کر چھوٹیں
وہ جوڑے گیسوئے پریشاں کے بندھے　　وہ نرگسِ سرمگیں سے کرنیں پھوٹیں

اُڑ کر وہ کبوتروں کی ٹکڑی اُتری    وہ رُوپ کی لکشمی ہے سواگت کو کھڑی
دیکھے چہرے پہ پھڑپھڑاتے ہوئے پر    کاندھوں پر، سینہ اور سر پہ بیٹھی

آنسو سے بھرے بھرے دو نیناں رس کے    ساجن کب لے سکی تھی اپنے بس کے
یہ چاندنی رات یہ برہ کی پیڑا    جس طرح الٹ گئی ہو ناگن ڈس کے

پریمی کو بخار اُٹھ نہیں سکتی ہے پلک    بیٹھی ہے سرہانے ماند گھونگھٹ کی ڈمک
جلتی ہوئی پیشانی پہ رکھ دیتی ہے ہاتھ    پڑ جاتی ہے بیمار کے دل میں ٹھنڈک

چہرے پہ ہوائیاں نگاہوں میں ہراس    ساجن کے برہ میں روپ کتنا ہے اُداس
مکھڑے پہ دھواں دھواں تناؤں کی طرح    بکھرے ہوئے بال ہیں کہ سیتا بن باس

پنگھٹ پہ گگریں چھلکنے کا یہ رنگ    پانی ہچکولے لیکے بھرتا ہے ترنگ
کاندھوں پہ سروں پہ دونوں باہوں میں کلس    مد انکھڑیوں میں سینوں میں بھرپور اُمنگ

یہ ایکھ کے کھیتوں کی چمکتی سطحیں    معصوم کنواریوں کی دلکش دوڑیں
کھیتوں کے بیچ میں لگاتی ہے چھلانگ    ایکھ اتنی اُگے گی، جتنا اونچا کودیں۔

یہ روپ مدن کے بھی خطا ہوں اوسان    یہ سج جو توڑ دے رتی کا ابھمان
پھیکی پڑتی ہے دھوپ یہ جوبن جوت    یہ رنگ کہ آنکھ کھول دے جیون گیان

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے    دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ روپ یہ رنگ یہ لوچ یہ نرم دمک    بچہ سوتے میں مسکرائے جیسے

اُوشا پچھلے کو گنگنائے جیسے
رس گُل کی رگوں میں تھرتھرائے جیسے
یہ پیکرِ نازنیں کا عالم دمِ صبح
انگڑائی سی شفق کو آئے جیسے

دوشیزۂ بہار مسکرائے جیسے
موجِ تسنیم گنگنائے جیسے
یہ شانِ سُبک روی یہ خوشبوئے بدن
بل کھاتی ہوئی نسیم گائے جیسے

غنچے کو نسیم گدگدائے جیسے
مطرب کوئی ساز چھیڑ جائے جیسے
یوں پھوٹ رہی ہے مسکراہٹ کی کرن
مندر میں چراغ جھلملائے جیسے

رنگ لعلِ یمن کا جگمگائے جیسے
دیپک کا شرار تھرتھرائے جیسے
ماتھے پہ وہ سہاگ بیندی کی جھلک
تارا سرِ چرخ جھلملائے جیسے

پچھلے کو چراغ لڑکھڑائے جیسے
بزمِ مہ کو ہوا ہی آئے جیسے
یہ انگڑائی یہ پیکرِ خواب آلود
رنگینی چھلک چھلک سی جائے جیسے

جادو وہ جھکی پلک جگائے جیسے
بڑھتے ہوں کھلی فضا پہ سائے جیسے
ہیں فرش سے تا عرش دو عالم مخمور
کونین کو میٹھی نیند آئے جیسے

تاریخ نقابِ رُخ اُٹھائے جیسے
جھرمٹ تاروں کا مل کے گائے جیسے
یہ کشف و کرامات دمِ نظارہ
صدیوں کا حجاب ٹوٹ جائے جیسے

تھی گیسوئے شب میں تھرتھراہٹ کم کم
نمناک فضاؤں میں اُداہٹ کم کم
وہ جوت بدن کی پیرہن میں جیسے
تاروں کی کرن میں پیلاہٹ کم کم

تھی سرد ہوا میں سنسناہٹ کم کم — خوابیدہ فضا میں گنگناہٹ کم کم
وہ بھینچ کے چوم چوم لینا تیرا — وہ نرم قبا کی سرسراہٹ کم کم

چھپتے تارے، سحر کی آہٹ کم کم — سینے میں اُفق کے کپکپاہٹ کم کم
بستر سے ترا وہ مُنھ اندھیرے اُٹھنا — تازہ پیکر میں لہلہاہٹ کم کم

ملتی تھی ابھی سحر کی آہٹ کم کم — تھی اودی فضا میں جگمگاہٹ کم کم
پہلو سے مرے وہ تیرا سو کر اُٹھنا — اُجلے کپڑوں کی ملگجاہٹ کم کم

رگ رگ میں جوانی کی سُلگتی ہوئی آگ — رتنار آنکھوں کا رس مچاتا ہوا پھاگ
ہر خط بدن کی جگمگاتی ہوئی لَو — وہ روپ وتی پاؤں سے سر تک ہے سُہاگ

ہر عشوے کا کچھ بھید بھرم لینے دے — ہرلاتے ہوئے رنگ کو جم لینے دے
اے پریم کے سیج کی رسیلی پُتلی — اتنا بھی نہ چھیڑ کچھ تو دم لینے دے

خاموش لبوں سے گلستاں جھڑتا ہے — دیدہ ہے کہ سو میکدوں سے لڑتا ہے
اے رشکِ چمن لہلہے جوبن پہ ترے — سو گلشنوں کا رنگ پھٹا پڑتا ہے

رفتار میں منڈلاتی گھٹاؤں کا اُبھار — گفتار میں دوشیزہ شگوفوں کا نکھار
پیکر کی لے میں لحنِ داؤد کے بول — فردوسِ نظر لہلہے جوبن کی بہار

مدھ ماس میں جیسے جاگ اُٹھتا ہے چمن — جس طرح پھٹا پڑے پھبکتا ہوا بَن
ہُشیار و مست آنکھیں ہیں جوبنِ چور — مستی میں شرابور خود آگاہ بدن

آنکھیں کہ کھلے کنول میں جلتے ہیں دیے
ظلمات کی منجدھار خمِ گیسو میں
رُخسار کہ نرم بھیرویں کے شعلے
ہونٹھوں کے گوشوارے کوندوں کے سہرے

پلکوں کی اوٹ میں ہیں اسرارِ حیات
اے مست شباب حُسن کا فرکی ترے
سانسوں کی نرم لے ہیں روحِ نغمات
مستی ہے کہ بال کھولے برسات کی رات

معصومیِ حُسن چھیڑ جاتے جس کو
کچھ پوچھ نہ ایسی لاجونتی کی حیا
نرمی بتاں گدگدا ے جس کو
شرماتے ہوئے بھی شرم آئے جس کو

ان آنکھوں کے نشے نہ بڑھیں اور نہ گھٹیں
وہ مست خرامی کہ فضا گائے ملہار
وہ نرم صباحت کہ پو ٹیں جیسے پھٹیں
وہ آدھے بدن تک گھنی زلفوں کی لپٹیں

آنکھوں میں بہار کی ہیں صبحیں پلتی
وہ چال کہ آکاش کلس ہلتے ہیں
زلفوں میں ہیں میکدے کی راتیں ڈھلتی
تلوؤں سے قیامتیں ہیں آنکھیں ملتی

کیا تیرے خیال نے بھی چھیڑا ہو ستار
دھیان آتے ہی صاف بجنے لگتے ہیں کان
سینے میں اُڑ رہے ہیں نغموں کے شرار
ہے یاد میں تیری وہ کھنک وہ جھنکار

گورے ماتھے کی یہ سہانی مہتاب
زلفوں میں ڈھل رہی ہے میخانے کی رات
لیتی ہے رگوں میں کروٹیں موجِ شباب
آنکھوں سے چھلک چھلک سی جاتی ہو شراب

محرم سے چھن رہی ہے جوبن کی دھوپ
یہ نرم و نک مکھڑے کی سج دھج ہے انوپ
اک ہوک سی اُٹھ جاتی ہے لگ جاتی ہے آگ
کوئل کی کوک لہلہاتا ہوا روپ

کھلتی کلی، مسکراتے ہونٹوں کی مہک
منڈلاتی ہوئی گھٹائیں پلکوں کی دھنک
جوبن کے رس کلس بھی، چھلکے چھلکے
ماتھے کے چندر لوک کی نرم دمک

بالوں میں خنک سیاہ راتیں ڈھلتی
گالوں کی شفق اُوٹ سے شمعیں جلتی
تاروں کی سرگتی چھاؤں میں بستر سے
اک جانِ بہار اُٹھتی ہے آنکھیں ملتی

لہرائے سروں سے سر کے آنچل
منڈلائے گیسوؤں کے کالے بادل
یہ کس نے پریم کے ترانے چھیڑے
روشن ہوتے چلے ہیں گالوں کے کنول

میرے مُنھ سے مرے ترانے سُن لے
الفاظ کے ساز سے وہ شعلے دیکھے
رُخسار ترے نقاب جگمگ جگمگ
دیپک گانے سے جیسے جل جائیں دیے

پہلے مصرعے میں حُسن کا خطِ جبیں
اور دوسرے مصرعے میں لٹوں کی تزئیں
چوتھا ہو نکلتا ہوا یوں تیسرے سے
جیسے بھیگی مسیں ہوں ابروئے حسیں

ہر بیت کے نقطے میں سمندر لہرائے
ہر لفظ میں وہ لچک کہ بجلی بل کھائے
اُردو کو شگفتگی ملی وہ مجھ سے
پھیلے کو کنول فضا کا جیسے کھل جائے

آنکھیں ہوں تو دیکھ ان ترانوں کا کمال
الفاظ کے زیر و بم سے اُڑتا ہے گُلال
اوروں کے یہاں کہاں یہ تیور یہ رچاؤ
کیا سے کیا کر دیا ہے اُردو کا جمال

لے میں مری گونجتا ہے سورج مشعل
میرے سخنِ دروں میں پڑ کر ہوئی حل
دُنیا میں جب آدمی نے آنکھیں کھولیں
اُس وقت سے آج تک کی تاریخِ عمل

صبحِ صادق میں جیسے گلزارِ جہاں
بیداری و زندگی کا دیتا ہے نشاں
آتا ہے نظر میرے ترانوں میں یونہی
انگڑائیاں لیتا ہوا حُسنِ جاناں

ہے غازۂ روئے دوست شاعر کا خیال
جذب اس میں مشاہدے کے بیسوں سن و سال
جلوہ دہِ حُسن ہر ترانہ ہے مرا
آئینہ در آئینہ ہے یہ بزمِ جمال

کرائے گی تازہ کچھ تو شاعر کا بھی پاس
معراج ہے آب و گِل کی رُوحِ حسّاس
کیا سے کیا کر دیا ہے پیکر کو ترے
پہلے تھا کہاں یہ رنگ، یہ رس، یہ باس

جُز میرے یہ رنگِ حُسن اُچھالے کس نے
سانچے میں یہ خطّ و خال ڈھالے کس نے
سازِ بے نغمہ تھا یہ جسمِ رنگیں
اس ساز سے یہ بول نکالے کس نے

پیغمبرِ عشق ہوں سمجھ میرا مقام
صدیوں میں پھر سُنائی دے گا یہ پیام
وہ دیکھ کہ آفتاب سجدے میں جھکے
وہ دیکھ اُٹھے دیوتا بھی کرنے کو سلام

# فکریات

اے سب سے پرانی قوم دنیا کی سلام
رشیوں نے بتائے تجھے وہ رازِ دوام
کہتے ہیں جنھیں روحِ درواقِ تہذیب
منتر جن میں ہیں زندگی کے پیغام

بولا شعلہ چمن کا بے باک ہیں ہم
اور خنجرِ رنگ و بو کے سفاک ہیں ہم
شبنم میں ڈھلے ہوئے شگوفوں نے کہا
ہم دیدۂ گلزار ہیں نمناک ہیں ہم

دنیا ہے فسانہ بہ حدیثِ دگراں
کہتے جسے آ رہے ہیں عنواں عنواں
دنیا کس کی غلط بیانی ہے فراق
ہر جھوٹ میں جس کے بعد حقائق پنہاں

کچھ رندوں کو سن گن سی ملی ہے ساقی
نویگ کے جنم کی یہ گھڑی ہے ساقی
تخلیق کے لمحے تھرتھرائے سرِ جام
یا شام کی گود بھر رہی ہے ساقی

ہیں کیا نئے انساں کے جنم کے آہنگ
یزداں بھی دم بخود فرشتے بھی دنگ
ماں بننے کا سکون، کربِ تخلیق
روئے گیتی کے یہ بدلتے ہوئے رنگ

پیچھے پیچھے جگوں کے اڑتے ہیں غبار
آگے مستقبلوں کے دشتِ پُرخار
"اے قافلۂ حیات آہستہ گذر"
صحرا ہے زماں مکاں کا دشوار گذار

انسان خود اپنی منزل اپنا رہبر
کون اس سے کہے راہِ سفر کھوٹی کر
تاریخوں کے دور اڑ گئے مثلِ غبار
جاری ہے کاروانِ انساں کا سفر

سب لوگ کریں گے نذر تجھ کو کیا کیا
دنیا میں ہے اک عمر کا لینا دینا
اوروں سے ملیں گے غم اور نشاط
سنجیدگیٔ شعور مجھ سے لے جا

کن کن دھوکوں میں مبتلا ہے انساں
کیا عیش و نشاط کیسے رنج و حرماں
ہستی میں کہیں سے دیکھ خامی نہ رہے
بس رازِ حیات پختگی ہے ناداں

پل مارتے اس جہاں کا نقشہ بدلا
اپنے کو بھی پہچاننا دشوار ہوا
دنیا پھر ایک بار پلٹا لے گی
اے دیدۂ حیراں ابھی دیکھا ہی ہے کیا

کل رات پری تھی ایک رقصاں سرِ جام
اڑتے ہوئے کہہ گئی یہ رازِ ایام
ہر صبح تبسم لبِ لعلیں ہے
ہر شام اس آہوئے ختن کا ہے پیام

ظلمت کی تہہ میں موجِ آبِ زر کی
آکاش پہ اک جھلک سی روئے تر کی
آنکھیں ملتے اٹھی وہ دوشیزۂ صبح
تاروں بھری رات کی جو چادر سرکی

پلکیں سی فضائے شام نے جھپکائیں
ہر سمت دھواں دھواں گھٹائیں چھائیں
اس گیسوئے عنبریں کی گرہیں جو کھلیں
خوشبو سے لدی ہوئی ہوائیں آئیں

وہ حسنِ خرام ہے کہ کوثر پیاسے
چھڑ جاتے ہیں راگ جنبشِ اعضا سے
چڑیوں کے پروں میں جیسے پلٹے ہوئے گیت
وہ نغمے پھوٹتے ہیں دست و پا سے

رنگین نظاروں کا تماشہ کر لے
دامانِ نگاہ ان گلوں سے بھر لے
اے دل یہ سیر سرسری موت سے آہ
مرنے ہی پر آیا ہے تو اچھا مر لے

گویا جنّت نے جام چھلکایا ہے
جس گُل کی نظر پڑی ہے شرمایا ہے
کس کے لئے پچھلی رات روئے ہو فراقؔ
چہرہ جو دمِ صبح نکھر آیا ہے

لفظوں کی دُکاں کو اب بڑھانا ہوگا
کچھ کرکے مُعلّم کو دکھانا ہوگا
تعلیم کو خلّاقِ عمل ہونا ہے
ہاتھوں میں دماغ اب بسانا ہوگا

دن رات شجر حجر کی نبضیں ہیں تپاں
ہر سانس زمین کی ہے سوزاں سوزاں
مدفون وہاں کون سی چنگاری ہے
اب تک اُٹھتا ہے بطنِ گیتی سے دھواں

ہر عیب سے ماناکہ جُدا ہو جائے
کیا ہے اگر انسان خُدا ہو جائے
شاعر کا تو بس کام یہ ہے، ہر دل میں
کچھ دردِ حیات اور سوا ہو جائے

کچھ نظریئے ہیں ہر تمدّن کی بنا
تاریخ، تصادم انھیں آدرشوں کا
تہذیبوں کو اپنے سے ہے خطرہ یعنی
ہے نقصِ فکریات پیغامِ قضا

تاریکی کا رہے زمانہ میں نہ داغ
اس نُورِ حیات کا لگاتے ہیں سُراغ
موجِ نفسِ سرد دیئے جاتی ہے لَو
دھارے پہ فنا کے ہم جلاتے ہیں چراغ

کل لندن و نیویارک میں گونجی یہ صدا
معلوم بھی ہے روزِ حساب آپہنچا
کب تک یہ ملوکیّت کے خوابِ نوشیں
بھاگو بھاگو کہ ایشیا جاگ اُٹھا

لہرایا پسِ اُفق نشانِ فردا
تاریخ نے چھیڑی داستانِ فردا
چُھپتا جاتا ہے کاروانِ امروز
بڑھتا آتا ہے کاروانِ فردا

دن ڈوب گیا تو بات کچھ اور بھی ہے
آنکھ اوجھل واردات کچھ اور بھی ہے
خاموشی و تیرگی و خنکی کے سوا
اے انجم و ماہ رات کچھ اور بھی ہے

ہر جسم کو ہم کرتے گئے جان نما
فطرت کو بناتے گئے انسان نما
غدّار عناصر کو کیا ہم نے مطیع
ہوتا گیا قہرمان، رحمان نما

کہدو بامِ فلک سے ہو اور بلند
سیاروں کی رفتار بھی ہو جائے دوچند
بے لاگ مہ و مہر کھنچے آتے ہیں
پڑتی ہے کہاں نگاہِ شاعر کی کمند

انسان کو محض کھاتے پیتے گزرے
اس منزل سے وہ پاؤں آگے نہ دھرے
وحشی کے عمل کی انتہا صید و شکار
گر عشق نہ ہو عمل ترقی نہ کرے

وجدانِ جمال ایک جوہر ہے لطیف
بے اُس کے تو نیکیاں بھی رہتی ہیں کثیف
بے فائدہ شاعری کی زحمت نہ کریں
ہر ایک کے بس کا نہیں یہ فنِ شریف

وہ پھوٹ مذاہبِ جہاں نے ڈالی
اخلاق میں بھی پڑ گئی نفسی نفسی
اخلاق حیاتِ اجتماعی کی ہے دین
ماحول کی میراث نہیں بٹ سکتی

اس نظم کے بچنے کا نہیں کوئی اُپائے
بیٹھے ہیں مگر چارہ گر اک آس لگائے
جیسے مرتے مریض کے سمبندھی
سوچیں کہ عجب کیا یہ کہیں بچ ہی جائے

ان آنسوؤں میں تاثیرِ شفا ہے جو بہم
راز اُس کا تمھیں آج بتاتے ہیں ہم
دل کے سوزِ نہاں میں ہو کر تحلیل
کچھ نشتر تیز بن گئے ہیں مرہم

گویا جنت نے جام چھلکایا ہے
جس گل کی نظر پڑی ہے شرمایا ہے
کس کے لئے پچھلی رات روئے ہو فراق
چہرہ جو دمِ صبح نکھر آیا ہے

لفظوں کی دُکاں کو اب بڑھانا ہوگا
کچھ کرکے معلم کو دکھانا ہوگا
تعلیم کو خلاقِ عمل ہونا ہے
ہاتھوں میں دماغ اب بسانا ہوگا

دن رات شجر حجر کی نبضیں ہیں تپاں
ہر سانس زمین کی ہے سوزاں سوزاں
مدفون وہاں کون سی چنگاری ہے
اب تک اُٹھتا ہے بطنِ گیتی سے دھواں

ہر عیب سے مانا کہ جدا ہو جائے
کیا ہے اگر انسان خدا ہو جائے
شاعر کا تو بس کام یہ ہے، ہر دل میں
کچھ دردِ حیات اور سوا ہو جائے

کچھ نظریے ہیں ہر تمدن کی بنا
تاریخ، تصادم انھیں آدرشوں کا
تہذیبوں کو اپنے سے ہے خطرہ یعنی
ہے نقصِ فکریات پیغامِ قضا

تاریکی کا رہے زمانہ میں نہ داغ
اس نورِ حیات کا لگاتے ہیں سراغ
موجِ نفسِ سرد دیئے جاتی ہے لَو
دھارے پہ فنا کے ہم جلاتے ہیں چراغ

کل لندن و نیویارک میں گونجی یہ صدا
معلوم بھی ہے روزِ حساب آ پہنچا
کب تک یہ ملوکیت کے خوابِ نوشیں
بھاگو بھاگو کہ ایشیا جاگ اُٹھا

لہرایا پسِ اُفق نشانِ فردا
تاریخ نے چھیڑی داستانِ فردا
چھپتا جاتا ہے کاروانِ امروز
بڑھتا آتا ہے کاروانِ فردا

دن ڈوب گیا تو بات کچھ اور بھی ہے — آنکھ او جل واردات کچھ اور بھی ہے
خاموشی و تیرگی و خنکی کے سوا — اے انجم و ماہ رات کچھ اور بھی ہے

ہر جسم کو ہم کرتے گئے جان نما — فطرت کو بناتے گئے انسان نما
غدار عناصر کو کیا ہم نے مطیع — ہوتا گیا قہرمان، رحمان نما

کہدو بامِ فلک سے ہو اور بلند — سیاروں کی رفتار بھی ہو جائے دوچند
بے لاگ مہ و مہر کھنچے آتے ہیں — پڑتی ہے کہاں نگاہِ شاعر کی کمند

انسان کو محض کھاتے پیتے گزرے — اس منزل سے وہ پاؤں آگے نہ دھرے
وحشی کے عمل کی انتہا صید و شکار — گر عشق نہ ہو عمل ترقی نہ کرے

وجدانِ جمال ایک جوہر ہے لطیف — ہے اُس کے تو نیکیاں بھی رہتی ہیں کثیف
بے فائدہ شاعری کی زحمت نہ کریں — ہر ایک کے بس کا نہیں یہ فنِ شریف

وہ پھوٹ مذاہبِ جہاں نے ڈالی — اخلاق میں بھی پڑ گئی نفسی نفسی
اخلاق حیاتِ اجتماعی کی ہے دین — ماحول کی میراث نہیں بٹ سکتی

اس نظم کے بچنے کا نہیں کوئی اُپائے — بیٹھے ہیں مگر چارہ گر آس لگائے
جیسے مرتے مریض کے سمبندھی — سوچیں کہ عجب کیا یہ کہیں بچ ہی جائے

ان نغموں میں تاثیرِ شفا ہے جو بہم — راز اُس کا تمھیں آج بتاتے ہیں ہم
دل کے سوزِ نہاں میں ہو کر تحلیل — کچھ نشترِ تیز بن گئے ہیں مرہم

شاخوں پہ کنول گل کے جلا دیتی ہیں — سوئے ہوئے فتنوں کو جگا دیتی ہیں
یہ عالمِ سوز و سازِ گلزارِ جہاں — شبنم کی لویں آگ لگا دیتی ہیں

کوئی بڑی ہستی کہ بہم ہو جانا — آزادِ فریبِ کیف و کم ہو جانا
تو رازِ حیات پوچھتا ہے مجھ سے — وہ راز ہے شائستۂ غم ہو جانا

صحرا میں زماں مکاں کے کھو جاتی ہیں — صدیوں بیدار رہ کے سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں فراق — تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

کھلتا نہیں یہ بھید ہے کیا، بات ہے کیا — الہام کہیں اس کو کہ سمجھیں القا
ہاں فکرِ سخن کے وقت کانوں میں فراق — اکثر پرِ جبرئیل کی آتی ہے صدا

ایک دن شاعر حریمِ قدرت میں گیا — سربستہ مشیتوں کو جانچا، پرکھا
اور اُن میں آخری مشیت یہ تھی — آدم کا مشیتوں پہ قابو پانا

قبل اس کے کہ ہو فیصلۂ خیر و شر — جینے کا ثبوت دے زمانے کو بشر
بے حس کردارِ نیک سے موت بھلی — نامردِ اخلاق سے جرائم بہتر

گو بزمِ سخن میں آپ لائے تشریف — خوش ہوں گے سُن کے قافیہ اور ردیف
اب یہ کبھی کیجیے گا اے حاکمِ وقت — احساسِ لطیف سے جو ہو گی تکلیف

الفاظ کے پردوں میں کرو اس کا یقیں — لیتی ہے سانس نظمِ شاعر کی زمیں
آہستہ ہی گنگناؤ میرے اشعار — ڈر ہے مرے خواب کھل جائیں کہیں

عورت روحِ روانِ تہذیبِ بشر
عورت وہ عروسِ ازلی ہے کہ فراق
ہے پرتوِ رُخ جلوہ دِہِ قلب و جگر
ہم کو لئے جاتی ہے جو آگے — اوپر!

اک راز سے کر رہا ہوں تجھ کو آگاہ
جس کام میں محویتِ کامل نہ رہے
ممنوع و حرام کچھ نہیں ہے واللہ
اے دوست سمجھ لے کہ ہے وہ کام گناہ

پاتے جانا ہے اور نہ کھوتے جانا
اوّل اور آخری پیامِ تہذیب
ہنستے جانا ہے اور نہ روتے جانا
انسان ہر ایک فرد کو ہوتے جانا

واعظ تری جنّت ہے فقط وہم و گماں
تو اس کو فریبِ رنگ و بو کہتا ہے
ہے رشکِ فردوسِ بریں باغِ جہاں
تنکا بھی ہے اس کا باغ رشکِ رگِ جاں

اے شیخ مآلِ زہد و تقویٰ معلوم
انکار ہے ماسوائے اللہ سے تجھے
دُنیا ہی نہ ہاتھ آئی تو عقبیٰ معلوم
خاموش کہ ماسوائے دُنیا معلوم

اک حلقۂ نور تھا ابد کا منظر
تا حدِّ نظر سلسلۂ موجودات
آویزاں تھے بے شمار خورشید و قمر
ہر شے سے اُبھر رہی تھی تقدیرِ بشر

تو بزمِ سخن میں نغمہ خواں ہوتا ہے
نغماتِ خوش آہنگ کے ہر پردے میں
مُطرب مجھے کچھ اور گماں ہوتا ہے
اک سازِ سکوتِ بے کراں ہوتا ہے

شاعر کے تصوّرات ہیں کتنے حسیں
جیسے دمِ صبح تھرتھراتی کرنیں
اک عالمِ رنگ و نور رقصاں ہے کہیں
جب چوم رہی ہوں وہ ہمالہ کی جبیں

ہنگامۂ روزگار دم لیتے ہیں — سنسار کا ہم بھید بھرم لیتے ہیں
یہ لمحے وہ ہیں جب دل شاعر میں فراق — کچھ رمز و کنایات جنم لیتے ہیں

بے وجہ نہیں ہے مری افسردہ دلی — دُنیا میں نہیں چاشنیٔ غم کی کمی
سنسار کی جس چیز کو چھو دیتا ہوں — ملتی ہے فراق اس میں اشکوں کی نمی

ہر ساز سے ہوتی نہیں یہ دُھن پیدا — ہوتا ہے بڑے جتن سے یہ گُن پیدا
میزانِ نشاط و غم میں صدیوں تُل کر — ہوتا ہے حیات میں توازن پیدا

غیرت کو سست اساس کر دیتا ہے — احسان بھی بدحواس کر دیتا ہے
انسان کا جذبۂ تشکر ہمدم — اکثر تجھ کو اُداس کر دیتا ہے

تنہائی میں ہم کسے بُلائیں اے دوست — تم دُور ہو کس کے پاس جائیں اے دوست
اس دولتِ وقت سے تو دم گھٹتا ہے — یہ نصف شب کہاں بُھنائیں اے دوست

کل رات گئے فکرِ سخن کے ہنگام — وجدانِ جمال کے چھلکتے ہوئے جام
وہ کشف و کرامات کا عالم کہ فراق — ہر پل پہ پڑ رہے تھے صد عکسِ دوام

ہر چیز یہاں اپنی حدیں توڑتی ہے — ہر لمحے پہ صد عکس بقا چھوڑتی ہے
روندے ہوئے سبزے کی مڑی پتّی بھی — ہمدم قلبِ ابد میں جڑ پھوڑتی ہے

آئے دمِ صبح مسکراؤ اے دوست — جب دن ڈوبے تو گھر نہ جاؤ اے دوست
دن بھر تو رہے ہو پھول بن کر مرے پاس — اب بن کے چراغ جگمگاؤ اے دوست

جاگ اُٹھے گی روح تم تو سو جاؤ گے
سرچشمۂ زندگی میں ڈوب جاؤ گے
کھو جاؤ گے جب مناظرِ فطرت میں
اپنے سے بہت قریب ہو جاؤ گے

یہ بزمِ خیال! چوڑیاں بجتی ہیں
بھیگی راتیں اُداسیاں تجتی ہیں
دریا ٹکڑوں کے اُمڈے آتے ہیں فراق
آئینۂ دل میں صورتیں سجتی ہیں

من موہ لے سو رنگ سے رہتی دُنیا
یہ وہم حسین یہ خوبصورت دھوکا
اِس دُکھ بھری دُنیا کا مگر اصلی روپ
جب آنکھ کھُلی فراق دیکھا نہ گیا

اک حلقۂ زنجیر تو زنجیر نہیں
اک نقطۂ تصویر تو تصویر نہیں
تقدیر تو قوموں کی ہوا کرتی ہے
اک شخص کی قسمت کوئی تقدیر نہیں

میں ایک بیوگنی برہ سے بیکل
ہریالی پہ چل رہی ہوں آنکھیں ہیں سجل
یہ تاروں بھری رات کھنک جاتی ہے
شبنم، پاؤں کی بن گئی ہے چھاگل

ہر شے پر تیرگی کی وہ چھاؤں گھنی
میخانۂ شب میں نوش و پیمانہ زنی
چھلکی چھلکی صبوحیِ موجِ نسیم
فطرت کی وہ پچھلی رات اعضا شکنی

اے معنیِ کائنات مجھ میں آجا
اے رازِ صفاتِ ذات مجھ میں آجا
سوتا سنسار جھلملاتے تارے
اب بھیگ چلی ہے رات مجھ میں آجا

DOHEY

## دوہے

تیا گھاؤ ہے پریم کا جو چکے دن رات
ہونہار بروان کے چکنے چکنے پات

آنکھیں چھت سے لگ گئیں ایسے پڑے بیمار
وہ آنکھیں جب سے پھریں بھولے نیل دہنار

یہی جگت کی ریت ہے یہی جگت کی نیت
من کے ہارے ہار ہے من کے جیتے جیت

میں یوں مالامال ہوں جیسے گیان سے وید
میرے گھر آیا کوئی جیسے من میں بھید

جو نہ مٹے ایسا نہیں کوئی بھی سنجوگ
ہوتا آیا ہے سدا ملن کے بعد بیوگ

جگ کے آنسو بن گئے رنج نینوں کے نیر
اب تو اپنی پیر بھی جیسے پرائی پیر

پیا ملن ہو جائے گا سب کو دیر سویر
اے راہی ان گنت ہیں پریم باٹ کے پھیر

تم چھوٹے تو چھٹ گئے، جنم جنم کے میت
تم روٹھے روٹھا جگت بھلی جگت کی ریت

دھرتی میں کیا شکتی ہے من میں کرو وچار
بڑے بڑے جب پگ دھریں ڈگمگائیں سچار

اس دھرتی سے جو لڑے کیوں نہ ہار وہ جائے
ندی گِر کو کاٹ کے دھرتی ہی میں سمائے

کہاں کمر سیدھی کرے کہاں ٹھکانا پائے
تیرا گھر جو چھوڑ دے در در ٹھوکر کھائے

جگت دھندلکے میں وہی چتر کار کہلائے
کہرے کو جو کاٹ کر انوپم چتر بنائے

شیش محل ہے یہ جگت دیکھو اونچ یا نیچ
مکھڑے آتے ہیں نظر دیواروں کے بیچ

بن میں پنچھی جس طرح بھول جائے نج نیڑ
ہم بالک تم کھو گئے تھی وہ جیون بھیڑ

یاد تری ایکانت میں یوں چھوتی ہے وچار
جیسے لہر سمیر کی چھوئے گات سُکمار

روپ نگر میں جا بسے جو چاہے وشرام
مکھڑوں کی واں صبح ہے کیشوں کی واں شام

میں نے چھیڑا تھا کہیں دکھتے دل کا ساز
گونج رہی ہے آج تک درد بھری آواز

دور تیرتھوں میں بسے وہ ہے کیسا رام
من مندر کی یاترا مورکھ چاروں دھام

وید پُران اور شاستر کو ملی نہ اُس کی تھاہ
مجھ سے جو کچھ کہہ گئی اک بچّے کی نگاہ

ریکھا تیرے روپ کی سکل گیان وگیان
جیون کے ہر ساز کی یہیں ٹوٹتی تان

پنگھٹ کی بن دوار کے چار طرف ہے بھیت
ان گلیوں میں ہم کہاں گائیں تیرے گیت

مورکھ تیری سمجھ میں آئے سمے کا پھیر
وہاں نہیں اندھیر ہے بھلے لگے کچھ دیر

نمک بھی کتنا پاک ہے گھر گھر میں بھی لون
آنسو کی ہر بوند میں ساگر میں بھی لون

دیپ دھرا پر پھول کے گگن پر انجم و ماہ
سب پر سورج کی کرن مجھ پر تیری نگاہ

کومل کومل جڑ کنڑوں سے پہاڑ کٹ جائے
ترل ندی کی چوٹ سے پتھر بھی پھٹ جائے

کلا کار کو چاہئے کیول تیرا دھیان
کوِتا کا اُپہار ہے ایک مردُل مُسکان

پل بھر کا یہ ساتھ ہے جنم جنم کا ساتھ
کیوں میں نے کیسی کبھی ساجن لانا ہاتھ

وشو ایک ہے یہ نیَم کبھی نہ اے من بھول
اک تارا تھرا اُٹھا جب توڑا اک پھول

کیا چھوٹا کیسا بڑا دھوکا تجھے مہان
کیا نربل کیسا سَبل بھرم مان اپمان

تیرا درشن جو کرے سو اُداک ہو جائے
گونگے کا سپنا ہوا سمجھ سمجھ پچھتائے

مول پھول پھل پات ہیں گیت اور راگیات
مول پھول پھل پات کو نہیں چاہئے کھیات

نِردھن نِربل کے لئے دھن بل کا کیا کام
نِردھن کے دھن رام ہیں نربل کے بل رام

ایک دل اپنے پاس ہے آ جائے جس کام
لایا ہوں بازار میں بک جائے جس دام

پیا ملن کی یاد میں ملتے رہیئے ہاتھ
پریت کی پیاری بات سب گئی پریا کے ساتھ

چنچل جس جانب چلے ٹیڑھی چال دکھلائے
مَن کی ناؤ سمندر میں آڑے ترچھے جائے

بجھا ہوا دل بھی کبھی جان چکا ہے لاگ
راکھ سمجھ نہ کریدئے دبی ہوئی ہے آگ

نِردھن کوی کے پاس کیا کچھ پیڑا کچھ پریت
کچھ اَن دیکھے سپن ہیں درد بھرے کچھ گیت

سمجھو تو کیا چیز ہیں درد بھرے یہ گان
امر ہوئی ہے زندگی کر کے یہ وِش پان

شبدوں کی دھن ہے کوئی یا بجتے ہیں گان
یا دل میں ہیں گونجتے بھولے بسرے گان

میں ایسی باتیں کروں جو ہر دل میں سمائیں
ستیہ سمجھ کر بھی جنھیں دُبدھے میں پڑ جائیں

پاپ پُنیہ کی جنگ ہے جیون جس کا نام
جاری ہے ہر ہردے میں دیو دَنُج سنگرام

وہ سُکمار سُگندھ ہوں ہلتے ہی نکلیں پران
ہر کروٹ اک موت ہے ہر اک سانس اک بان

آنسو کی وہ بوند ہوں جو پلک اوٹ رہ جائے
اس سے کہیں بہو مُولیہ ہے جو آنسو بہ جائے

بن اسیم بستار کا مَن سے وہ میدان
بن پانی بن ہوا کے اُٹھیں جہاں طوفان

سُنی اَن سُنی ایک ہے گلے کان بھی سوئے
سب رامائن سُن گئے سیتا کس کی جوئے

وہ مَن اُڑتی دھول ہے جو من ڈانواں ڈول
اپنے میں رہ کر بیتے تو ہیرا انمول

پیا دَرس ہو جائے گا سُن میرے دو بول
سر کی آنکھیں بند کر من کی آنکھیں کھول

جب تک ہیں مَن میں ہیں آگے کرُودھ کام کے فتُول
کیسے تیرے ہاتھ میں کھِل پائیں گے پھُول

جن کے مَن میں بھید ہیں اُن میں ہی یہ سُوجھ
اوروں کے مَن بھید کو وہی سکیں گے بوجھ

دھرتی کو جیتا مگر ذرّے سے گئے ہار
ساگر ایک چھلانگ کا قطرہ اُپرمپار

## جگنو

یہ مست مست گھٹا ۔ یہ بھری بھری برسات
تمام حدِ نظر تک گھلاوٹوں کا سماں
فضائے شام میں ڈورے سے پڑتے جاتے ہیں
جدھر نگاہ کریں کچھ دھواں سا اٹھتا ہے
دہک اٹھا ہے طراوت کی آنچ سے آکاش
زفرش تا فلک انگڑائیوں کا عالم ہے

یہ مد بھری ہوئی پروائیاں سنکتی ہوئی
جھنجھوڑتی ہے ہری ڈالیوں کو سرد ہوا
یہ شاخسار کے جھولوں میں پینگ پڑتے ہوئے
یہ لاکھوں پتیوں کا ناچنا یہ رقصِ نبات
یہ بے خودیٔ مسرت یہ والہانہ رقص
یہ تال سم ، یہ چھما چھم کہ کان بجتے ہیں

ہوا کے دوش پہ کچھ اودی اودی شکلوں کی
نشے میں چور سی پرچھائیاں تھرکتی ہوئی
افق پہ ڈوبتے دن کی جھپکتی ہیں آنکھیں
خموش سوزِ دروں سے سلگ رہی ہے یہ شام

مرے مکان کے آگے ہے ایک چوڑی صحن
کبھی وہ ہنستی نظر آتی ہے کبھی وہ اداس
اسی کے بیچ میں ہے ایک پیڑ پیپل کا
سنا ہے میں نے بزرگوں سے یہ کہ عمر اس کی
جو کچھ نہ ہو گی تو ہو گی قریب چھیانوے سال
چھڑی تھی ہند میں جب پہلی جنگ آزادی
جسے دبانے کے بعد اس کو غدر کہنے لگے
یہ اہلِ ہند بھی ہوتے ہیں کس قدر معصوم
وہ دار و گیر وہ آزادئ وطن کی جنگ
وطن سے تھی کہ غنیمِ وطن سے غداری
بپھر گئے تھے ہمارے وطن کے پیر و جوان
دیارِ ہند میں رن پڑ گیا تھا چار طرف
اسی زمانے میں کہتے ہیں، میرے دادا نے
جب ارضِ ہند سینچی خون سے "سپوتوں" کے
میانِ صحن لگایا تھا لا کے اک پودا

جو آب و آتش و خاک و ہوا سے پلتا ہوا
خود اپنے قد سے بجوشِ نمو نکلتا ہوا
فسونِ روحِ نباتی رگوں میں چلتا ہوا
نگاہِ شوق کے سانچوں میں روز ڈھلتا ہوا
سنا ہے راویوں سے دیدنی تھی اس کی اٹھان
ہر اک کے دیکھتے ہی دیکھتے چڑھا پروان
وہی ہے آج یہ چھتنار پیڑ پیپل کا
وہ ٹہنیوں کی کمنڈل لیے جٹا دھاری
زمانہ دیکھے ہوئے ہے یہ پیڑ بچپن سے
رہی ہے اس کے لیے داخلی کشش مجھ میں
رہا ہوں دیکھتا چپ چاپ دیر تک اس کو
میں کھو گیا ہوں کئی بار اس نظارے میں
وہ اس کی گہری جڑیں تھیں کہ زندگی کی جڑیں؟
پسِ سکونِ شجر کوئی دل دھڑکتا تھا
میں دیکھتا تھا کبھی اس میں زندگی کا ابھار
میں دیکھتا تھا اسے ہستئ بشر کی طرح
کبھی اداس کبھی شادماں کبھی گمبھیر

فضا کا سرمئی رنگ اور ہو چلا گہرا
گھلا گھلا سا فلک ہے دھواں دھواں سی ہے شام

ہے جھٹپٹا کہ کوئی اثر دہا ہے مائل خواب
سکوتِ شام میں درماندگی کا عالم ہے
رکی رکی سی کسی سوچ میں ہے موج صبا
رکی رکی سی صفیں ملگجی گھٹاؤں کی
اُتار پر ہے سرِ صحن رقص پیپل کا
وہ کچھ نہیں ہے اب اک جنبشِ خفی کے سوا
خود اپنی کیفیت نیلگوں میں ہر لحظہ
یہ شام ڈوبتی جاتی ہے چھپتی جاتی ہے
حجاب وقت سرے سے ہے بے حس و حرکت
رکی رکی دل فطرت کی دھڑکنیں یک لخت
یہ رنگِ شام کہ گردش ہی آسماں میں نہیں
بس ایک وقفۂ تاریک، لمحۂ شہلا
سما میں جنبش مبہم سی کچھ ہوئی فوراً
تُلی گھٹا کے تلے بھیگے بھیگے پتوں سے
ہری ہری کئی چنگاریاں سی پھوٹ پڑیں
کہ جیسے کھلتی جھپکتی ہوں بے شمار آنکھیں
عجب یہ آنکھ مچولی تھی نور و ظلمت کی
سہانی نرم لویں دیتے اَنگنت جگنو
گھنی سیاہ خنک پتیوں کے جھرمٹ سے
مثال چادر شب تاب جگمگانے لگے

کہ تھرتھراتے ہوئے آنسوؤں سے ساغر شام
چھلک چھلک پڑے جیسے بغیر سان گمان
بطونِ شام میں ان زندہ قمقموں کی چمک
کسی کی سوئی ہوئی یاد کو جگاتی تھی
وہ بے پناہ گھٹا وہ بھری بھری برسات
وہ سین دیکھ کے آنکھیں مری بھر آتی تھیں

مری حیات نے دیکھی ہیں بیس برساتیں
مرے جنم ہی کے دن مر گئی تھی ماں میری
وہ ماں کہ شکل بھی جس ماں کی میں نہ دیکھ سکا
جو آنکھ بھر کے مجھے دیکھ بھی سکی نہ، وہ ماں
میں وہ پسر ہوں جو سمجھا نہیں کہ ماں کیا ہے
مجھے کھلائیوں اور دائیوں نے پالا تھا
وہ مجھ سے کہتی تھیں جب گھر کے آتی تھی برسات
جب آسمان میں ہر سو گھٹائیں چھاتی تھیں
بوقت شام جب اڑتے تھے ہر طرف جگنو
دیے دکھاتے ہیں یہ بھولی بھٹکی روحوں کو
مزہ بھی آتا تھا مجھ کو کچھ ان کی باتوں میں
میں ان کی باتوں میں رہ رہ کے کھو بھی جاتا تھا

پر اس کے ساتھ ہی دل میں کسک سی ہوتی تھی
کبھی کبھی یہ کسک ہوک بن کے اٹھتی تھی
یتیم دل کو مرے یہ خیال ہوتا تھا
یہ شام مجھ کو بنا دیتی کاش اک جگنو
تو ماں کی بھٹکی ہوئی روح کو دکھاتا راہ
کہاں کہاں وہ بچاری بھٹک رہی ہوگی
کہاں کہاں مری خاطر بھٹک رہی ہوگی
یہ سوچ کر مری حالت عجیب ہو جاتی
پلک کی اوٹ میں جگنو چمکنے لگتے تھے
کبھی کبھی تو مری ہچکیاں سی بندھ جاتیں
کہ ماں کے پاس کسی طرح میں پہنچ جاؤں
اور اس کو راہ دکھاتا ہوا میں گھر لاؤں
دکھاؤں اپنے کھلونے دکھاؤں اپنی کتاب
کہوں کہ پڑھ کے سنا تو مری کتاب مجھے
پھر اس کے بعد دکھاؤں اسے میں وہ کاپی
کہ ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنی تھیں کچھ جس میں
یہ حرف تھے جنھیں لکھا تھا میں نے پہلے پہل
دکھاؤں پھر اسے آنگن میں وہ گلاب کی بیل
سنا ہے جس کو اسی نے کبھی لگایا تھا
یہ جب کی بات ہے جب میری عمر ہی کیا تھی
نظر سے گذری تھیں کل چار پانچ برساتیں

گذر رہے تھے مہ و سال اور موسم پہ
ہمارے شہر میں آتی تھی گھر کے جب برسات
جب آسمان میں اڑتے تھے ہر طرف جگنو
ہوا کی موج رواں پہ دیے جلائے ہوئے
فضا میں رات گئے جب درخت پیپل کا
ہزاروں جگنوؤں سے کوہ طور بنتا تھا
ہزاروں وادئ ایمن تھیں جن کی شاخوں میں
یہ دیکھ کر مرے دل میں یہ ہوک اٹھتی تھی
کہ میں بھی ہوتا انھیں جگنوؤں میں اک جگنو
تو ماں کی بھٹکی ہوئی روح کو دکھاتا راہ
وہ ماں، میں جس کی محبت کے پھول چن نہ سکا
وہ ماں، میں جس کی محبت کے بول سن نہ سکا
وہ ماں، کہ بھینچ کے جس کو کبھی میں سو نہ سکا
میں جس کے آنچلوں میں منہ چھپا کے رو نہ سکا
وہ ماں، کہ گھٹنوں سے جس کے کبھی لپٹ نہ سکا
وہ ماں، کہ سینے سے جس کے کبھی چمٹ نہ سکا
ہمک کے گود میں جس کی کبھی میں چڑھ نہ سکا
میں زیرِ سایۂ امید جس کے بڑھ نہ سکا
وہ ماں، میں جس سے شرارت کی داد پا نہ سکا
میں جس کے ہاتھوں محبت کی مار کھا نہ سکا

سنوارا جس نے نہ میرے جھنڈولے بالوں کو
بسا سکی نہ جو ہونٹوں سے سونے گالوں کو
جو میری آنکھوں میں آنکھیں کبھی نہ ڈال سکی
نہ اپنے ہاتھوں سے مجھ کو کبھی اچھال سکی
وہ ماں، جو کوئی کہانی مجھے سنا نہ سکی
مجھے سلانے کو جو لوریاں بھی گا نہ سکی
وہ ماں، جو دودھ بھی اپنا مجھے پلا نہ سکی
وہ ماں، جو ہاتھ سے اپنے مجھے کھلا نہ سکی
وہ ماں، گلے سے مجھے جو کبھی لگا نہ سکی
وہ ماں، جو دیکھتے ہی مجھ کو مسکرا نہ سکی
کبھی جو مجھ سے مٹھائی چھپا کے رکھ نہ سکی
کبھی جو مجھ سے دہی بھی بچا کے رکھ نہ سکی
میں جس کے ہاتھ میں کچھ دیکھ کے ڈہٹ سکا
پٹک پٹک کے کبھی پاؤں میں ٹھنک نہ سکا
کبھی نہ کھینچا شرارت سے جس کا آنچل بھی
رچا سکی مری آنکھوں میں جو نہ کاجل بھی
وہ ماں، جو میرے لیے تتلیاں پکڑ نہ سکی
جو بھاگتے ہوئے بازو مرے جکڑ نہ سکی
بڑھایا پیار کبھی کر کے پیار میں نہ کمی
جو منہ بنا کے کسی دن نہ مجھ سے روٹھ سکی

جو یہ بھی کہہ نہ سکی جا نہ بولوں گی تجھ سے
جو ایک بار خفا بھی نہ ہو سکی مجھ سے
وہ جس کو جوٹھ لگا منہ کبھی دکھا نہ سکا
کثافتوں پہ مری جس کو پیار آ نہ سکا
جو مٹی کھانے پہ مجھ کو کبھی نہ پیٹ سکی
نہ ہاتھ تھام کے مجھ کو کبھی گھسیٹ سکی
وہ ماں، جو گفتگو کی رو میں سن کے میری بڑ
کبھی جو پیار سے مجھ کو نہ کہہ سکی گھامڑ
شرارتوں سے میری جو کبھی الجھ نہ سکی
حماقتوں کا مری فلسفہ سمجھ نہ سکی
وہ ماں، کبھی جسے چونکانے کو میں ٹک نہ سکا
میں راہ چھینکنے کو جس کے آگے رک نہ سکا
جو اپنے ہاتھ سے بہروپ میرے بھر نہ سکی
جو اپنی آنکھوں کو آئینہ میرا کر نہ سکی
گلے میں ڈالی نہ بانہوں کی پھول مالا کبھی
نہ دل میں لوح جبیں سے لیا اجالا کبھی
وہ ماں کبھی جو مجھے بدھیاں پنہا نہ سکی
کبھی مجھے نئے کپڑوں سے جو سجا نہ سکی
وہ ماں، نہ جس سے لڑکپن کے جھوٹ بول سکا
نہ جس کے دل کے در ان کنجیوں سے کھول سکا

وہ ماں، میں پیسے بھی جس کے کبھی چرا نہ سکا
سزا کے بچنے کو جھوٹی قسم بھی کھا نہ سکا
وہ ماں، کہ آیتِ رحمت ہے جس کی چین جبیں
وہ ماں، کہ ہاں سے بھی ہوتی ہے بڑھ کے جس کی نہیں
دمِ عتاب جو بنتی فرشتۂ رحمت ہے
جو راگ چھیڑتی جھنجھلا کے بھی محبت کا
وہ ماں کہ گھڑکیاں بھی جس کی گیت بن جائیں
وہ ماں، کہ جھڑکیاں بھی جس کی پھول برسائیں
وہ ماں، ہم اس سے جو دم بھر کو دشمنی کر لیں
تو یہ نہ کہہ سکے اب آؤ دوستی کر لیں
کبھی جو سن نہ سکی میری توتلی باتیں
جو دے سکی نہ کبھی تھپڑوں کی سوغاتیں
وہ ماں، بہت سے کھلونے جو مجھ کو دے نہ سکی
خراجِ سرخوشیٔ سرمدی جو لے نہ سکی
وہ ماں، میں جس سے لڑائی کبھی نہ ٹھان سکا
وہ ماں، میں جس پہ کبھی مٹھیاں نہ تان سکا
وہ میری ماں، میں کبھی جس کی پیٹھ پر نہ چڑھا
وہ میری ماں، کبھی کچھ جس کے کان میں نہ کہا
وہ ماں، کبھی جو مجھے کردھنی پنہا نہ سکی
جو تال ہاتھ سے دے کر مجھے نچا نہ سکی

جو میرے ہاتھ سے اک دن دوا بھی پی نہ سکی
کہ مجھ کو زندگی دینے میں جان ہی دے دی
وہ ماں، نہ دیکھ سکا زندگی میں جس کی چاہ
اسی کی بھٹکی ہوئی روح کو دکھاتا راہ

یہ سوچ سوچ کے آنکھیں مری بھر آتی تھیں
تو جائے سونے بچھونے پہ لیٹ رہتا تھا
کسی سے گھر میں نہ راز اپنے دل کے کہتا تھا
یتیم تھی مری دنیا، یتیم میری حیات
یتیم شام و سحر تھی، یتیم تھے شب و روز
یتیم میری پڑھائی تھی میرے کھیل یتیم
یتیم میری مسرت تھی میرا غم بھی یتیم
یتیم آنسوؤں سے تکیہ بھیگ جاتا تھا
کسی سے گھر میں نہ کہتا تھا اپنے دل کا بھید
ہر اک سے دور اکیلا اداس رہتا تھا
کسی شمائلِ نادیدہ کو میں تکتا تھا
میں ایک وحشتِ بے نام سے ہڑکتا تھا

گذر رہے تھے مہ و سال اور موسم پر
اسی طرح کئی برساتیں آئیں اور گئیں

میں رفتہ رفتہ پہنچنے لگا بہ سن شعور
تو جگنوؤں کی حقیقت سمجھ میں آنے لگی
اب ان کہانیوں اور دائیوں کی باتوں پہ
مرا یقیں نہ رہا مجھ پہ ہو گیا ظاہر
کہ بھٹکی روحوں کو جگنو نہیں دکھاتے چراغ
وہ من گھڑت سی کہانی تھی اک فسانہ تھا
وہ بے پڑھی لکھی کچھ عورتوں کی تھی بکواس
بھٹکتی روحوں کو جگنو نہیں دکھاتے چراغ
یہ کھل گیا مرے بہلانے کو تھیں یہ باتیں
مرا یقیں نہ رہا ان فضول قصوں پر —

ہمارے شہر میں آتی ہیں اب بھی برساتیں
ہمارے شہر پہ اب بھی گھٹائیں چھاتی ہیں
ہنوز بھیگی ہوئی سرمئی فضاؤں میں
خطوط نور بناتی ہیں جگنوؤں کی صفیں
فضائے تیرہ میں اڑتی ہوئی یہ قندیلیں
مگر میں جان چکا ہوں اسے بڑا ہو کر
کسی کی روح کو جگنو نہیں دکھاتے راہ
کہا گیا تھا جو بچپن میں مجھ سے جھوٹ تھا سب

مگر کبھی کبھی حسرت سے دل میں کہتا ہوں
یہ جانتے ہوئے جگنو نہیں دکھاتے چراغ
کسی کی بھٹکی ہوئی روح کو مگر پھر بھی
وہ جھوٹ ہی سہی کتنا حسین جھوٹ تھا وہ
جو مجھ سے چھین لیا عمر کے تقاضے نے

میں کیا بتاؤں وہ کتنی حسین دنیا تھی
جو بڑھتی عمر کے ہاتھوں نے چھین لی مجھ سے
سمجھ سکے کوئی اے کاش عہد طفلی کو
جہان دیکھنا مٹی کے ایک ریزے کو
نمود لالۂ خودرو میں دیکھنا جنت
کرے نظارۂ کونین اک گھروندے میں
اٹھا کے رکھ لے خدائی کو جو ہتھیلی پر
کرے دوام کو جو قید ایک لمحے میں
سنا وہ قادر مطلق ہے ایک ننھی سی جاں
خدا بھی سجدے میں جھک جائے سامنے اس کے

یہ عقل و فہم بڑی چیز ہیں مجھے تسلیم
مگر لگا نہیں سکتے ہم اس کا اندازہ
کہ آدمی کو یہ پڑتی ہیں کس قدر مہنگی

اک ایک کر کے وہ طفلی کے ہر خیال کی موت
بلوغ سن میں وہ صدمے نئے خیالوں کے
نئے خیال کا دھچکا نئے خیال کی ٹیس
نئے تصوروں کا کرب ، الاماں کہ حیات
تمام زخم نہاں ہے، تمام نشتر ہے
یہ چوٹ کھا کے سنبھلنا محال ہوتا ہے
سکوت رات کا جس وقت چھیڑتا ہے ستار
کبھی کبھی تری پائل کی آتی ہے جھنکار
تو میری آنکھوں سے موتی برسنے لگتے ہیں
میں جگنو بن کے تو تجھ تک پہنچ نہیں سکتا
جو تجھ سے ہو سکے اے ماں تو وہ طریقہ بتا

تو جس کو پا لے وہ کاغذ اچھال دوں کیسے
یہ نظم میں ترے قدموں میں ڈال دوں کیسے

نوائے درد سے کچھ جی تو ہو گیا ہلکا
مگر جب آتی ہے برسات کیا کروں اس کو
جب آسمان میں اڑتے ہیں ہر طرف جگنو
شرابِ نور لیے سبز آبگینوں میں
کنول جلاتے ہوئے ظلمتوں کے سینوں میں
جب ان کی تابش بے ساختہ سے چیپ کا
درخت سرو چراغاں کو مات کرتا ہے
نہ جانے کس لیے آنکھیں مری بھر آتی ہیں!

SHAM-E-AYADAT

## شامِ عیادت

یہ کون مسکراہٹوں کا کارواں لیے ہوئے
شباب و شعر و رنگ و نور کا دھواں لیے ہوئے
دھواں کہ برقِ حسن کا مہکتا شعلہ ہے کوئی
چٹیلی زندگی کی شادمانیاں لیے ہوئے

لبوں سے پنکھڑی گلاب کی حیات مانگے ہے — کنول سی آنکھ سو نگاہ مہرباں لیے ہوئے
قدم قدم پہ دے اٹھی ہے لَو زمینِ رہ گذر — ادا ادا میں بے شمار بجلیاں لیے ہوئے
نکلتے بیٹھتے دنوں کی آہٹیں نگاہ میں — رسیلے ہونٹ فصلِ گل کی داستاں لیے ہوئے
خطوطِ رخ میں جلوہ گردِ فنا کے نقش سربسر — دلِ غنی میں کل "حسابِ دوستاں" لیے ہوئے
وہ مسکراتی آنکھیں جن میں رقص کرتی ہے بہار — شفق کی، گل کی، بجلیوں کی شوخیاں لیے ہوئے
ادائے حسن برق پاش، شعلہ زن، نظارہ سوز — فضائے حسن اُودی اُودی بجلیاں لیے ہوئے
جگانے والے نغمۂ سحر لبوں پہ موج زن — نگاہیں نیند لانے والی لوریاں لیے ہوئے
وہ نرگسِ سیاہ، نیم باز میکدہ بدوش — اندھیری مست راتوں کی جوانیاں لیے ہوئے
تغافل و خمار اور بے خودی کی اوٹ میں — نگاہیں اک جہاں کی ہوشیاریاں لیے ہوئے
ہری بھری رگوں میں وہ چہکتا بولتا لہو — وہ سوچتا ہوا بدن خود اک جہاں لیے ہوئے
زفرق تا قدم تمام چہرہ جسم نازنیں — لطیف جگمگاہٹوں کا کارواں لیے ہوئے
"تبسمش تکلمے، تکلمش ترنمے" — نفس نفس میں تھرتھراتا سازِ جاں لیے ہوئے
جبینِ نور جس پہ پڑ رہی ہے نرم چھوٹ سی — خود اپنی جگمگاہٹوں کی کہکشاں لیے ہوئے
"ستارہ بار و مہ چکاں و خور فشاں" جمالِ یار — جہانِ نور کارواں بہ کارواں لیے ہوئے
وہ زلف خم بہ خم شمیم مست سے دھواں دھواں — وہ رخ چمن چمن بہارِ جاوداں لیے ہوئے
بمستیِ جمال کائنات خوابِ کائنات — بہ گردشِ نگاہ دورِ آسماں لیے ہوئے
یہ کون نو بہارِ ناز آیا عضو عضو میں — جوانیاں جوانیوں کی آندھیاں لیے ہوئے
یہ کون آنکھ پڑ رہی ہے مجھ پر اتنے پیار سے — وہ بھولی سی وہ یاد سی کہانیاں لیے ہوئے
یہ کس کی مہکی مہکی سانسیں تازہ کر گئیں دماغ — شبوں کے راز، شبنموں کی نرمیاں لیے ہوئے
یہ کن نگاہوں نے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں — جہان بھر کے دکھ سے درد سے اماں لیے ہوئے
نگاہِ یار دے گئی مجھے سکونِ بے کراں — وہ بے کہی وفاؤں کی گواہیاں لیے ہوئے
مجھے جگا رہا ہے موت کی غنودگی سے کون — نگاہوں میں سہاگ رات کا سماں لیے ہوئے

مری فسردہ اور بجھی ہوئی جبیں کو چھو لیا
ستے سے چہرے پر حیات رسمسائی مسکرائی
تبسمِ سحر ہے اسپتال کی اداس شام
مرادہ رس کا پتلا آنکھوں کا ستارہ آگیا
ترے نہ آنے تک اگرچہ مہرباں تھا اک جہاں
ترے اچانک آنے سے یہ شام جگمگا اٹھی
فضائے اسپتال ہے کہ رنگ و بو کی کروٹیں
فراق آج پچھلی رات کیوں نہ مر رہوں کہ اب

یہ کس نگاہ کی کرن نے سازِ جاں لیے ہوئے .
نہ جانے کب کے آنسوؤں کی داستاں لیے ہوئے
یہ کون آگیا نشاطِ بیکراں لیے ہوئے
نظر نظر میں التفاتِ شادماں لیے ہوئے
میں رو کے رہ گیا ہوں سوزِ غمِ نہاں لیے ہوئے
بہار لہلہا اٹھی شمیمِ جاں لیے ہوئے
ترے جمال لالہ گوں کی داستاں لیے ہوئے
حیات ایسی شامیں ہوگی پھر کہاں لیے ہوئے

مگر نہیں کچھ اور مصلحت تھی اس کے آنے میں
اسی نئے جہاں میں آدمی بنیں گے آدمی
اسی نئے جہاں میں آدمی بنیں گے دیوتا
خدائی آدمی کی ہوگی اس نئے جہان پر
سلگتے دل شرر نشاں و شعلہ بار، برق پاش
تمام قول اور قسم نگاہِ نازِ یار تھی
نیا جنم ہوا مرا کہ زندگی نئی ملی
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کے عہدِ نو کے پردہ داروں نے
ہم انقلابیوں نے یہ جہاں بچا لیا مگر

جمال و دیدِ یار تھے نیا جہاں لیے ہوئے
جبیں پہ شاہکارِ دہر کا نشاں لیے ہوئے
طہارتوں کا فرقِ پاک پر نشاں لیے ہوئے
ستاروں کے ہیں دل یہ پیشگوئیاں لیے ہوئے
گزرتے دن حیاتِ نو کی سرخیاں لیے ہوئے
طلوعِ زندگیِ نو کی داستاں لیے ہوئے
جیوں گا آج شام کی نشانیاں لیے ہوئے
گزر گیا زمانہ یادِ رفتگاں لیے ہوئے
ابھی ہے اک جہاں وہ بدگمانیاں لیے ہوئے

نئے زمانے میں اگر اداس خود کو پاؤں گا
یہ شام یاد کر کے اپنے غم کو بھول جاؤں گا
عیادتِ حبیب سے وہ آج زندگی ملی
خوشی بھی چونک چونک اٹھی غم کی آنکھ کھل گئی
اگرچہ ڈاکٹر نے مجھ کو موت سے بچا لیا
پر اس کے بعد تیری آنکھ نے مجھے جلا لیا

نگاہِ یار تجھ سے اپنی منزلیں میں پاؤں گا
تجھے جو بھول جاؤں گا تو راہ بھول جاؤں گا

قریب تر میں ہو چلا ہوں دکھ کی کائنات سے
میں اجنبی نہیں رہا حیات سے مَمات سے

وہ دکھ ہے کہ مجھ پہ کھل گیا ہے دردِ کائنات
ہے اپنے آنسوؤں سے مجھ پہ آئینہ غمِ حیات

یہ بے قصور جاندار درد جھیلتے ہوئے
یہ خاک و خوں کے پتلے اپنی جاں پہ کھیلتے ہوئے

وہ زیست کی کراہ جس سے بیقرار ہے فضا
وہ زندگی کی آہ جس سے کانپ اٹھتی ہے قضا

کفن ہے آنسوؤں کا دکھ کی ماری کائنات پر
حیات کیا، انھیں حقیقتوں سے ہونا بے خبر

جو آنکھ جاگتی رہی ہے آدمی کی موت پر
وہ ابرِ رنگ رنگ کو بھی دیکھتی ہے سادہ تر

سکھا گیا ہے دکھ مرا پرائی پیر جاننا
نگاہِ یار تھی یہاں بھی آج میری رہنما

یہی نہیں کہ مجھ کو آج زندگی نئی ملی
حقیقتِ حیات مجھ پہ سو طرح سے کھل گئی

گواہ ہے یہ شام اور نگاہِ یار ہے گواہ
خیال موت کو میں اپنے دل میں اب نہ دوں گا راہ

جیوں گا ہاں جیوں گا اے نگاہِ آشنائے یار
سدا سہاگ زندگی ہے اور جہاں سدا بہار

PARCHAIEYAN

## پرچھائیاں

یہ شام اک آئینۂ نیلگوں، یہ نم، یہ مہک
یہ منظروں کی جھلک، کھیت، باغ، دریا، گاؤں
وہ کچھ سلگتے ہوئے، کچھ سلگنے والے الاؤ
سیاہیوں کا دبے پاؤں آسماں سے نزول
لٹوں کو کھول دے جس طرح شام کی دیوی

پرانے وقت کے برگد کی یہ اداس جٹائیں
قریب و دور یہ گودھول کی ابھرتی گھٹائیں
یہ کائنات کا ٹھہراؤ یہ اتھاہ سکوت
یہ نیم تیرہ فضا روزِ گرم کا تابوت
دھواں دھواں سی زمیں ہے گھلا گھلا سا فلک

یہ چاندنی، یہ ہوائیں، یہ شاخِ گل کی لچک
یہ دورِ بادہ، یہ سازِ خموشِ فطرت کے
سنائی دینے لگی جگمگاتے سینوں میں
دلوں کے نازک و شفاف آبگینوں میں
ترے خیال کی پڑتی ہوئی کرن کی کھنک
یہ رات چھنتی ہواؤں کی سوندھی سوندھی مہک
یہ کھیت کرتی ہوئی چاندنی کی نرم دمک
سگندھ رات کی رانی کی جب مچلتی ہے
فضا میں روحِ طرب کروٹیں بدلتی ہے
یہ روپ سر سے قدم تک حسین جیسے گناہ
یہ عارضوں کی دمک، یہ فسونِ چشمِ سیاہ
یہ دھج نہ دے جو اجنتا کی صنعتوں کو پناہ
یہ سینہ پڑ ہی گئی دیولوک کی بھی نگاہ
یہ سرزمین ہے آکاش کی پرستش گاہ

اتارتے ہیں تری آرتی ستارہ و ماہ
سجل بدن کی بیاں کس طرح ہو کیفیت
سرسوتی کے بجاتے ہوئے ستار کی گت
جمالِ یار تری گلستاں کی رہ رہ کے
جبینِ ناز تری کہکشاں کی رہ رہ کے
دلوں میں آئینہ در آئینہ سہانی جھلک
یہ چھب، یہ روپ، یہ جوبن، یہ سج، یہ دھج، یہ لہک
چمکتے تاروں کی کرنوں کی نرم نرم پھوار
یہ رسمساتے بدن کا اٹھان اور ابھار
فضا کے آئینہ میں جیسے لہلہائے بہار
یہ بے قرار یہ بے اختیار جوشِ نمود
کہ جیسے نور کا فوارہ ہو شفق آلود
یہ جلوے پیکرِ شب تاب کے یہ بزمِ شہود
یہ مستیاں کہ مئے صاف و دُرد سب بے بود
خجل ہو لعلِ یمن عضو عضو کی وہ ڈلک

بس اک ستارۂ شنگرف کی جبیں پہ جھلک
وہ چال جس سے لبالب گلابیاں چھلکیں
سکوں نما خمِ ابرو یہ ادھ کھلی پلکیں
ہر اک نگاہ سے ایمن کی بجلیاں لپکیں

یہ آنکھ جس میں کئی آسماں دکھائی پڑیں
اڑا دیں ہوش وہ کانوں کی سادہ سادہ لویں
گھٹائیں وجد میں آئیں یہ گیسوؤں کی لٹک

یہ کیف و رنگ نظارہ یہ بجلیوں کی لپک
کہ جیسے کرشن سے رادھا کی آنکھ اشارے کرے
وہ شوخ اشارے کہ ربانیت بھی جائے جھپک
جمال سر سے قدم تک تمام شعلہ ہے
سکون و جنبش و رَم تک تمام شعلہ ہے
مگر وہ شعلہ کہ آنکھوں میں ڈال دے ٹھنڈک

یہ رات نیند میں ڈوبے ہوئے سے ہیں دیپک
فضا میں بجھ گئے اڑ اڑ کے جگنوؤں کے شرار
کچھ اور تاروں کی آنکھوں کا بڑھ چلا ہے خمار
فسردہ چھٹکی ہوئی چاندنی کا دھندلا غبار
یہ بھیگی بھیگی اداہٹ، یہ بھیگا بھیگا نور
کہ جیسے چشمۂ ظلمات میں جلے کافور
یہ ڈھلتی رات! ستاروں کے قلب کا یہ گداز
خنک فضا میں ترا شبنمی تبسم ناز
جھلک جمال کی تعبیر خواب آئینہ ساز
جہاں سے جسم کو دیکھیں تمام ناز و نیاز
جہاں نگاہ ٹھہر جائے راز اندر راز
سکوت نیم شبی، لہلہے بدن کا نکھار
کہ جیسے نیند کی وادی میں جاگتا سنسار
ہے بزم ماہ کہ پرچھائیوں کی بستی ہے
فضا کی اوٹ سے وہ خامشی برستی ہے
کہ بوند بوند سے پیدا ہے گوش و دل میں کھنک
کسی خیال میں ہے غرق چاندنی کی چمک
ہوائیں نیند کے کھیتوں سے جیسے آتی ہوں
حیات و موت میں سرگوشیاں سی ہوتی ہیں
کروڑوں سال کے جاگے ستارے نم دیدہ
سیاہ گیسوؤں کے سانپ نیم خوابیدہ
یہ پچھلی رات، یہ رگ رگ میں نرم نرم کسک

# ترانۂ عشق

جلوۂ گل کو بلبل بہت ہے  
شمع کو گریۂ شام  
بادِ بہاری گل کو بہت ہے  
مجھ کو تیرا نام

بجلی چمکے کالی گھٹا میں  
جام میں آتشِ سرد  
چمکے راکھ جوگی کی جٹا میں  
مجھ میں تیرا درد  
بل نہ چھٹے تیرے بالوں سے  
اور نَے سے فریاد  
پل بھر نہ چھٹے کالوں سے  
مجھ سے تیری یاد

شاخ پہ شعلۂ گل کی لپک ہو  
چرخ پہ انجم و ماہ  
دنیا پر سورج کی چمک ہو  
مجھ پر تیری نگاہ

AADHEE RAAT

# آدھی رات

سیاہ پیڑ ہیں اب آپ اپنی پرچھائیں  
زمیں سے تا مہ و انجم سکوت کے مینار  
جدھر نگاہ کریں اک اتھاہ گم شدگی  
اک ایک کر کے فسردہ چراغوں کی پلکیں

جھپک گئیں ـــ جو کھلی ہیں جھپکنے والی ہیں
جھلک رہا ہے بڑا چاندنی کے درپن میں
رسیلے کیف بھرے منظروں کا جاگتا خواب
ـــ فلک پہ تاروں کو پہلی جماہیاں آئیں

تمولیوں کی دوکانیں کہیں کہیں ہیں کھلی
کچھ اونگھتی ہوئی بڑھتی ہیں شاہراہوں پر
سواریوں کے بڑے گھنگھروؤں کی جھنکاریں
کھڑا ہے اوس میں چپ چاپ ہرسنگار کا پیڑ
دلہن ہو جیسے حیا کی سگندھ سے بوجھل
یہ موج نور، یہ بھرپور، یہ کھلی ہوئی رات
کہ جیسے کھلتا چلا جائے اک سفید کنول
سپاہِ روس ہیں اب کتنی دور برلن سے؟
جگا رہا ہے کوئی آدھی رات کا جادو
جھلک رہی ہے خمِ غیب سے شرابِ وجود
فضائے نیم شبی نرگسِ خمار آلود
کنول کی چٹکیوں میں بند ہے ندی کا سہاگ

یہ رس کی سیج، یہ سکمار یہ سکومل گات
نین کمل کی جھپک، کام روپ کا جادو

یہ رسمسائی پلک کی گھنی گھنی پرچھائیں
فلک پہ بکھرے ہوئے چاند اور ستاروں کی
چمکتی انگلیوں سے چھڑ کے سازِ فطرت کے
ترانے جاگنے والے ہیں تم بھی جاگ اٹھو

شعاعِ مہر نے یوں ان کو چوم چوم لیا
ندی کے بیچ کمدنی کے پھول کھل اٹھے
نہ مفلسی ہو تو کتنی حسین ہے دنیا ـــ
یہ جھائیں جھائیں سی رہ رہ کے ایک جھینگر کی
حنا کی ٹٹیوں میں نرم سرسراہٹ سی
فضا کے سینے میں خاموش سنسناہٹ سی
لٹوں میں رات کی دیوی کی تھرتھراہٹ سی
یہ کائنات اب اک نیند لے چکی ہوگی

یہ موجِ خواب ہیں رنگین مچھلیاں تہِ آب
کہ حوضِ صحن میں اب ان کی چشمکیں بھی نہیں
یہ سرنگوں ہیں سرِ شاخ پھول گڑھل کے
کہ جیسے بے بجھے انگارے ٹھنڈے پڑ جائیں
یہ چاندنی ہے کہ امڈا ہوا ہے رس ساگر
اک آدمی ہے کہ اتنا دکھی ہے دنیا میں

قریب چاند کے منڈلا رہی ہے اک چڑیا
بھنور میں نور کے کروٹ سے جیسے ناؤ چلے
کہ جیسے سینۂ شاعر میں کوئی خواب پلے
وہ خواب سانچے میں جس کے نئی حیات ڈھلے
وہ خواب جس سے پرانا نظامِ غم بدلے
کہاں سے آتی ہے مد ماتی لتا کی لپٹ
کہ جیسے سیکڑوں پریاں گلابیاں چھڑکائیں
کہ جیسے سیکڑوں بن دیویوں نے جھولے پہ
ادائے خاص سے اک ساتھ بال کھول دیے
لگے ہیں کان ستاروں کے جس کی آہٹ پر
اس انقلاب کی کوئی خبر نہیں آتی
دلِ نجوم دھڑکتے ہیں کان بجتے ہیں

یہ سانس لیتی ہوئی کائنات، یہ شبِ ماہ
یہ پرسکوں، یہ پُراسرار، یہ اداس سماں
یہ نرم نرم ہواؤں کے نیلگوں جھونکے
فضا کی اوٹ میں مُردوں کی گنگناہٹ ہے
یہ رات موت کی بے رنگ مسکراہٹ ہے
دھواں دھواں سے مناظر تمام نم دیدہ
خنک دھندلکے کی آنکھیں بھی نیم خوابیدہ

ستارے ہیں کہ جہاں پر ہے آنسوؤں کا کفن
حیات پردۂ شب میں بدلتی ہے پہلو
کچھ اور جاگ اٹھا آدھی رات کا جادو
زمانہ کتنا لڑائی کو رہ گیا ہوگا
مرے خیال میں اب ایک بج رہا ہوگا

گلوں نے چادرِ شبنم سے منہ لپیٹ لیا
لبوں پہ سو گئی کلیوں کی مسکراہٹ بھی
ذرا بھی سنبلِ تر کی لٹیں نہیں ہلتیں
سکوتِ نیم شبی کی حدیں نہیں ملتیں
اب انقلاب میں شاید زیادہ دیر نہیں
گزر رہے ہیں کئی کارواں دھندلکے میں
سکوتِ نیم شبی ہے انھیں کے پاؤں کی چاپ
کچھ اور جاگ اٹھا آدھی رات کا جادو

نئی زمین، نیا آسمان، نئی دنیا
نئے ستارے، نئی گردشیں، نئے دن رات
زمیں سے تا بہ فلک انتظار کا عالم
فضائے زرد میں دھندلے غبار کا عالم
حیات موت نما انتشار کا عالم

ہے موجِ دود کہ دھندلی فضا کی نبضیں ہیں
تمام خستگی و ماندگی یہ دورِ حیات
تھکے تھکے سے یہ تارے تھکی تھکی سی یہ رات
یہ سرد سرد یہ بے جان پھیکی پھیکی نمک
نظامِ ثانیہ کی موت کا پسینہ ہے
خود اپنے آپ میں یہ کائنات ڈوب گئی
خود اپنی کوکھ سے پھر جگمگا کے ابھرے گی

بدل کے کیچلی جس طرح ناگ لہرائے

خنک فضاؤں میں رقصاں ہیں چاند کی کرنیں
کہ آبگینوں پہ پڑتی ہے نرم نرم پھوار
یہ موجِ غفلتِ معصوم یہ خمارِ بدن
یہ سانس نیند میں ڈوبی یہ آنکھ مدماتی
اب آؤ میرے کلیجے سے لگ کے سو جاؤ
یہ پلکیں بند کرو اور مجھ میں کھو جاؤ

KARTKI PURNIMA

# کارتکی پورنیما

سکوتِ نیم شبی نے اٹھا لیا ہے ستار
یہ وقت! چرخِ بریں سے یہ بارشِ انوار
اسی طرح کبھی گنگا فلک سے اتری تھی
جہاں نما ہے یہ سیّال خوابِ فطرت بھی
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ رسمسی شبِ ماہ
یہ نغمہ ترائی لویں آج شبنمستاں کی

فلک پہ جلوۂ انجم اسی کی ہے جھنکار
یہ رات! چاند نگر سے شعاعوں کا یہ اُتار
ملی تھی شیو کی جٹاؤں میں پہلی جائے قرار
کہ ماہتاب کی دیوی ہے آئینہ بکنار
یہ بھیگی بھیگی فضائیں اس اتری کے نثار
یہ کپکپاتی بھویں رات کی یہ کیف خمار

یہ خامشی ہے سراسر اسی کے پاؤں کی چاپ
دھندلکے ہیں کہ تم ہستی کے کارواں کا غبار

ہوائیں نیند میں ہیں اور ماہِ تاباں کی
شعاعیں بادۂ شبنم کو پی کے ہیں سرشار

کھلا ہوا ہے جو مہتاب کا سفید گلاب
چھلک رہا ہے کوئی آبگینۂ سرشار

یہ ہر سنگھار کا سایہ یہ بھینی بھینی مہک
یہ پھول جھڑتے ہیں یا ہے تراوشِ انوار

یہ رسمساتی ہوئی ادھ کھلی کلی سرِ شاخ
ہے رنگ و بو کے حجابوں میں لاجونتی نار

بہت ہی دھیمی ہے اس ماہِ نیم ماہ کی آنچ
یہ آنچ وہ ہے جسے کہئے کیمیا آثار

فضا میں نیم اشارے عروسِ فطرت کے
خنک فضا کی لچک ہے کہ ابروئے خمدار

ہر ایک برگ کسے آئینہ دکھاتا ہے
جھلک رہا ہے بصد آب و تاب روئے نگار

یہ کیف نیم شبی! اس سے کیا کہے شاعر
کسی قدر جو ہے غافل کسی قدر بیدار

ہوائیں لغزشِ مستاں فضائیں مشک آلود
لچے پریدہ ہے رم دیدہ آہوئے تاتار

گلوں کے شہر میں شبنم کی دیپ مالا ہے
ہے خوشبوؤں کے چراغوں کی آگے پیچھے قطار

اُجالی رات ہے یا کوئی خواب سیمیں ہے
اُتر رہے ہیں شعاعوں کے بھیس میں اسرار

یہ جوئے شیر پہاڑوں سے ہو کے آتی ہے
سرِ کنار کہستاں کھنک رہے ہیں ستار

یہ سج یہ روپ یہ جھل چاندنی کی دیوی کا
کسی دُلہن کا بھی ایسا رچاؤ ہے نہ سنگار

پگھل رہی ہے یہ خنکی کی آنچ سے چاندی
یہ غسلِ نور سے نکھرے ہوئے گل و گلزار

یہ گونجتی ہوئی خاموشیِ شبِ آخر
جو کہہ رہی ہے ہر اک نیک و بد سے پاؤں پسار

ہے خوابگاہ کہ آئینہ شبستاں کا
کہ گہری نیند میں ہے کائناتِ نقش و نگار

یہ نیم شب یہ ہم آغوشیِ زمین و فلک
ہر ایک قطرۂ شبنم ہے آج مہ بکنار

فلک سے تا بہ زمیں معجزے اُترتے ہیں
زمیں سے تا بہ فلک شب ہے جادوئے بیدار

سرے سے چھٹتے ہوئے ماتھے پڑ گئے ٹھنڈے
ہر اک جبیں پہ کھلے نیند کے گلِ بے خار

فلک پہ کیفیت کرآلی ہے چاندنی ہر سو
افق سے تا بہ افق خواب نور کے آثار

زمیں سے تا بہ فلک دور تک بجز نگاہ
چہار سمت یہ خنکی و نور کے کہسار

یہ خوشبوؤں کا دھواں مثلِ دودِ کافوری — یہ چاندرات یہ ٹھنڈک یہ نیند کا سنسار
فضا میں جیسے ہو اک گونج ایک آہٹ سی — صدا ہے شب کے پروں کی یہ اَن سُنی جھنکار
فضا میں نغمۂ مہتاب کے ہیں کومل سُر — جو باغ و راغ پہ پڑتی ہے نرم نرم پھوار
فسونِ نیم شبی کا یہ جاگتا جادو — مسہ تمام شبستاں کا طالعِ بیدار
افق سے تابہ افق جیسے ایک چادرِ نور — افق سے تا بہ افق اک تموّجِ اسرار
کھڑے ہیں ابرِ سیّال کے جو یہ مینار — یہ ہیں جلوس شبِ ماہ کے علم بردار
فضائے نیم شبی ہے تمام کاہکشاں — پگھلتے جاتے ہیں ہیروں کے ان گنت مینار
یہ رنگ و نور کے فوارے ہیں کہ رقصِ نجوم — فضائے سرد میں ہر سمت چھوٹتے ہیں انار
بھنور سے پڑنے چلے دودِ صبا فضاؤں میں — کہ بنتے جاتے ہیں گردابِ نور سلسلہ وار
گگنوں کے گرد جو پگھلی ہوئی لکیریں ہیں — یہ چاندنی کی سبک انگلیاں ہیں میناکار
یہ چندرما ہے کہ ماتھے پہ کرشن کے ہے تلک — یہ جوئے نور ہے رادھا کا جلوۂ انوار
یہ چاندنی ہے کہ باریک چادرِ غفلت — کہ گہری نیند میں ہیں چارسو در و دیوار
یہ جھاڑیوں میں جو شبنم کی جھجھاہٹ ہے — کسی کے پاؤں کی ہے یہ نقرئی جھنکار
دیارِ ہند کی اے پُورنما تری آنکھیں — ہیں عہد عہد کے دیکھے ہوئے چڑھاؤ اُتار
ہوائیں ہیں ترے دامن کی ایک پیامِ سکوں — کہ سو گئے ترے پہلو میں کافر و دیندار
کروڑوں سال پرانی بھی ہو کے تو ہے نئی — ہزاروں دَورِ فلک تیری تازگی پہ نثار
ہزاروں جگ تری پلکوں کے سائے میں گزرے — بتا رہا ہے مجھے تیری انکھڑیوں کا خمار
مہِ تمام تری آرتی کا دیپک ہے — ستارے کیا ترے منڈپ کے ہیں یہ بندن وار
غنودگی کا یہ عالم یہ محویت، یہ کیفیت — اُجالی رات ہے اک داستانِ خواب آثار
خُنک فضاؤں میں سرگوشیوں کا عالم ہے — ہر اک جھلکتی کرن کی یہ نرمیٔ گفتار
سکوتِ ناز کی دھیمی دمک یہ ہونٹوں کی لَو — ہر ایک بات نظر آ رہی ہے دور از کار
دفینہ ہے ترا سینہ ہمارے ماضی کا — جو ہے ہمارے لئے ایک دولتِ بیدار

ہماری فکر میں، فن میں، ترا بھی حصہ ہے
رہی ہے ہند کی تاریخ کی تو اک کردار
شعورِ فکر و فنِ ہند کی یہ نرم لچک
یہ ٹھنڈک اور یہ سکوں سب میں ہے تری چمکار
یہ اعتدال و توازن مزاج بھارت کا
ترے طفیل ملی یہ دُرستیٔ کردار

مسِ تمام سے امرت برس رہا ہے فراق
چھلک رہی ہے فضا مثلِ ساغرِ سرشار

DHARTI SANGEET

# دھرتی سنگیت

دھرتی تو خلا کی رقاصہ دامن میں لئے ہر دشت و چمن
ہے میرے کلام کی بندش میں دھرتی کا سکوں دھرتی کا چلن
اِن نغموں میں ہم دھرتی کا سورج سے بیاہ رچاتے ہیں
اِس عقد کا جشن مناتے ہیں یہ چنگ و رباب و رقصِ سخن
شاعر کے خیالوں کی لالی دھرتی کی دمکتی بندی ہے
ہر کاوشِ پنہاں دھرتی کے ہے اُٹھتے ہو گھونگھٹ کی شکن
بل کھائے ہوئے دریاؤں میں تیری ہی لٹیں ہیں چھٹکی ہوئیں
لہرائے ہوئے صحراؤں میں تیرے ہی سُلگتے دل کی جلن
سطحِ کہسار میں تیرے ہی ابرو کی اپنی تلواریں ہیں
ہر لالہ و گُل میں تیرے ہی گودتے ہوئے مکھڑے کی پھبن

دھرتی کا سُہاگ دمکتا ہے اشعار کی شعلہ نوائی میں
جب روحِ نبات مچلتی ہے دھرتی کا اُگلتا ہے جوبن
ست رنگ شعاعوں کی لرزش تیری ہی آنکھوں کے ڈورے
ندی ساگر میں پڑتے بھنور تیرے ہی رُخ کی چاہِ ذقن
سنسار کی مدبھری صبحوں میں تو ہی لیتی ہے انگڑائی
کرنوں کی صبوحی چھلکتی ہوئی جس کا ہر گھونٹ خمارِ شکن
دھرتی کا تصوّر عینی ہے جنّت کی حیاتِ وجد آور
جنّت کے گلستاں اور ایواں دھرتی کے فردا کے درپن
دھرتی کی چمک، دھرتی کی جھلک، دھرتی کی لپک، دھرتی کی مہک
صحرا صحرا، دریا دریا، وادی وادی، گلشن گلشن
تو سورج کی وہ کٹی پسلی جو کوکھ بنی تہذیبوں کی
گودی میں پلے ہیں، کھیلے ہیں ہر علم و عمل ہر جادوئے فن
دھرتی جس کا ہر افسانہ، افسانہ در افسانہ ہے
اُڑ جاتی ہے نیند ستاروں کی لیتے ہیں جماہی دشت و دمن
دھرتی پر پچھلی راتوں کو میخانۂ غیب اُترتے ہیں
ہر صبحِ بہار پیالہ فگن، ہر لالۂ صحرا صاعقہ زن
گزرے ہیں دھرتی سے ہو کر قرنوں سے قافلۂ ماضی
محفوظ ہیں اس کے سینے میں ناموسِ ازل آئینِ کہن
خم و پیچ زماں خم و پیچ مکاں اک رقصِ سرمدی کے جلوے
یہ سینۂ وقت کا زیر و بم دھرتی ہی کے دل کی ہے دھڑکن
تیرا سورج سے بچھڑنا تھا یا تھی سیتا کی جلاوطنی
ہاں لَو کُش کانڈ کہیں جس کو دُنیا ہے وہ بابِ رامائن

تیرے ارمان نکالیں گے ماتا ہم سورج کے بیٹے
تیرے قدموں پہ ڈالیں گے سورج کے مکٹ کے لعلِ یمن
ہر جگ میں ہم تو دیتے رہے ہیں تیرے لیے ہر قربانی
ہر دور میں ہم تو لٹاتے رہے ہیں تیری خاطر تن من دھن
ماتھے پہ بجلیوں کا جھومر ساگر لہریں زنجیر کمر
ست رنگ بہاریں گھونگھٹ میں لہرائی شفق تیرا دامن
تو کوکھ مانگ سے ٹھنڈی رہے تو دودھوں نہائے پوتوں پھلے
سنسان کی لے گیتان جلی ہم ہیں تیرے سنگار ابرن

DEEWAL KEY DEEP JALEY

# دیوالی کے دیپ جلے

نئی ہوئی پھر رسم پرانی دیوالی کے دیپ جلے — شام سلونی رات سہانی دیوالی کے دیپ جلے
دھرتی کا رس ڈول رہا ہے دور دور تک کھیتوں کے — لہرائے وہ آنچل دھانی دیوالی کے دیپ جلے
شبنم کی بکھری بوندوں کو چومتی ہیں تاروں کی کرنیں — موسم کی مدبھری جوانی دیوالی کے دیپ جلے
نرم ہوٹوں نے زبانیں کھولیں پھر دنیا سے کہنے کو — بے وطنوں کی رام کہانی دیوالی کے دیپ جلے
لاکھوں لاکھوں پہ شکائیں دیتی ہیں چپ آوازیں — لاکھ فسانے ایک کہانی دیوالی کے دیپ جلے
نردھن گھروالیاں کریں گی آج لکشمی کی پوجا — یہ آنسو بیوہ کی کہانی دیوالی کے دیپ جلے
کٹتی اداس روشنی ہے ان جگمگ جگمگ دیپوں کی — کس برتے پر تتا پانی دیوالی کے دیپ جلے

لاکھوں آنسوؤں میں ڈوبا ہوا خوشحالی کا یہ تیوہار     کہتا ہے دُکھ بھری کہانی دیوالی کے دیپ جلے
آج منڈیروں سے گھر گھر کی نور کے چشمے پھوٹ پڑے     پگھلے شعلوں کی یہ روانی دیوالی کے دیپ جلے
کتنی مہنگی ہیں سب چیزیں کتنے سستے ہیں آنسو     اُف یہ گرانی یہ ارزانی دیوالی کے دیپ جلے
میرے سونے اندھیرے دل کا ایسے میں کچھ حال نہ پوچھ     آج سکھی دُنیا دیوانی دیوالی کے دیپ جلے
تجھے خبر ہے آج رات کو نور کی لرزاں موجوں میں     چوٹ اُبھر آئی ہے پُرانی دیوالی کے دیپ جلے
جلتے چراغوں سے سج اُٹھی بھوکے ننگے بھارت کی     یہ دُنیا جانی پہچانی دیوالی کے دیپ جلے
آج رات کو بدحالی نے خوش حالی کا سوانگ بھرا     بنی لکشمی دُکھ کی رانی دیوالی کے دیپ جلے
بھارت کی قسمت سوتی ہے جھلمل جھلمل آنسوؤں کی     نیل گگن نے چادر تانی دیوالی کے دیپ جلے
بجھے بجھے چہروں سے اے سکھی آج کے جشن چراغاں میں     میں نے سُنی دُکھ بھری کہانی دیوالی کے دیپ جلے
دیکھ رہی ہوں سینے میں داغ جگر کے چراغ سے لیے     رات کی اس گنگا کی روانی دیوالی کے دیپ جلے
جلتے دیپک رات کے دل میں گھاؤ لگاتے جاتے ہیں     شب کا چہرہ ہے نورانی دیوالی کے دیپ جلے
خونی اشکوں سے جو تیاں کانپتے ہاتھ جلاتے ہیں     تازہ کریں گی زخم نہانی دیوالی کے دیپ جلے
دھیتو دھان دھن سب افسانے آج کی رات دکھاتی ہے     لاکھوں کی بے سامانی دیوالی کے دیپ جلے
جگ جاتے اس سکھی دیس میں بن جاتا ہے ہر تیوہار     رنج و خوشی کی کھینچا تانی دیوالی کے دیپ جلے
رات گئے جب اک اک کر کے جلتے دیے دم توڑیں گے     چمکے گی بترے غم کی نشانی دیوالی کے دیپ جلے
جلتے دیوں نے مچا رکھا ہے آج کی رات ایسا اندھیر     چمک اُٹھی دل کی ویرانی دیوالی کے دیپ جلے
سیر چراغاں دیکھ دیکھ کے بے پتیانی آنکھوں میں     حیرانی سی ہے حیرانی دیوالی کے دیپ جلے
کتنی اُمنگوں کا سینے میں وقت نے پتا کاٹ دیا     ہائے زمانے ہائے جوانی دیوالی کے دیپ جلے
لاکھوں چراغوں سے سُن کر بھی آہ اے رات اماوس کی     تو نے پرائی پیر نہ جانی دیوالی کے دیپ جلے
لاکھوں نین دیپ جلتے ہیں تیرے منانے کو اس رات     اے قسمت کی روٹھی رانی دیوالی کے دیپ جلے
خوشحالی ہے شرط زندگی پھر کیوں دُنیا کہتی ہے     دھن دولت ہے آنی جانی دیوالی کے دیپ جلے
برس برس کے دن کوئی اشبھ بات کرتا ہے سکھی     آنکھوں نے میری ایک نہ مانی دیوالی کے دیپ جلے

چھیڑ کے سازِ نشاطِ چراغاں آج فراق سُناتا ہے
غم کی کتھا خوشی کی زبانی دیوالی کے دیپ جلے

TARANA-E-KHIZAN

# ترانۂ خزاں

یک لخت بدلتی ہوئی عالم کا سماں چل — اک آگ لگاتی ہوئی لرزاں و تپاں چل
جاتی ہوئی دُنیائے چمن کی نگراں چل — آتی ہوئی رنگینیوں سے جلوہ فشاں چل

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

غنچہ کو چمن میں جو چٹکنا ہو چٹک لے — جس رنگ کو گلشن میں چمکنا ہو چمک لے
گر حُسنِ گلستاں کو دمکنا ہو دمک لے — کچھ دن کو ہر بادِ بہاری بھی لپک لے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

بدمستیوں کا دَور گزر جائے گزر جائے — برگ و گل و سبزہ کا چڑھا نشّہ اُتر جائے
یہ بزمِ چمن سوئے عدم خاک بسر جائے — شیرازۂ گلزار بکھر جائے بکھر جائے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

پھولوں کے چراغاں کو بُجھا دے تو بُجھا دے — آتے ہی گلستاں میں اک اندھیر مچا دے
ہر باغ کو اک نکہتِ برباد بنا دے — گلزار کا گلزار لُٹا دے تو لُٹا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ارباب چمن کو کفنِ خاک اُڑھاتی پا لیدگی ہر ذرّہ میں آتی ہے چھپاتی
تو مرگِ نباتات ہے تو روحِ نباتی یا جانِ نُمو موجِ فنا بن کے ہے آتی

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

پھولے ہوئے گلزار کو ویران کیا ہے طاؤس کو اُڑتی ہوئی ناگن نے ڈسا ہے
اک قہر ہے آفت ہے قیامت ہے بلا ہے یا باغ میں لہرائی ہوئی برقِ فنا ہے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

سوکھا جو چمن اور رہی شانِ گلستاں کیا جانیے کیوں حُسن بنا سوختہ ساماں
ہر ذرّہ سے اب وسعتِ صحرا ہے نمایاں عالم ہے نیا باغ کا یہ منظرِ ویراں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

گو سو طرح آباد ہیں آباد وطن بھی بہلاتے ہیں انساں کو اُجڑے ہوئے بن بھی
بے کیف نہیں بے گل و بے برگ چمن بھی ہے دیکھنے کی چیز یہ عُریانیِ تن بھی

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ویرانیوں سے خطۂ گلزار کر آباد آبادیوں سے عرصۂ گلزار کر آباد
آئے نظر اک عالمِ نَو، ہر دلِ ناشاد یہ کہنے لگے "اب گل و گلزار نہیں یاد!"

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ہر نکہت و ہر رنگ گلستاں کو مٹا دے — ہر تفرقہ ہر طرح کی تمیز اُٹھا دے
گلزار کو ہر قید تعین سے چھڑا دے — اک جلوۂ بے کیف گلستاں کو بنا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

پھولوں کو بھرا جام شہادت کا پلا دے — سرمستیٔ گلزار کو تو کیفِ فنا دے
"ہے موت حسین" راز یہ دُنیا کو بتا دے — رنگِ چمنستانِ خزاں دیدہ دکھا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

جاں دادۂ ہستیٔ پریشانِ چمن تو — تنہا دمِ تنہائی نگہبانِ چمن تو
خلوت کدۂ راز میں مہمانِ چمن تو — خمیازہ کشِ بادۂ عرفانِ چمن تو

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

تو رہ زنِ سرمایہ و سامانِ گلستاں — تو رہبرِ سرمنزلِ عرفانِ گلستاں
از سمتِ عدم سلسلۂ جنبانِ گلستاں — جانِ دگر قالبِ بے جان گلستاں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ویران چمن میں بھی ہے اک شانِ نزاکت — اک معنویت اس میں ہے، اک شانِ لطافت
اک رنگ کثافت ہے گل و لالہ کی کثرت — تو آ! کہ گلستاں بنے آئینۂ وحدت

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

جلوے ہیں سمٹے ہوئے ویران فضا میں — ہیں راز بساتے ہوئے سنسان فضا میں
ہر آن نئی ہوتی ہے اک شان فضا میں — اک جان سی پڑ جاتی ہے ہر آن فضا میں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

یہ فصلِ خزاں موت کا افسانہ سُنا جائے    ہر برگِ چمن زار پر اک نشہ سا چھا جائے
ہر پھول کو خوابِ عدم آباد دکھا جائے    جاگے ہوئے گلزار کو اک نیند سی آجائے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

تو ہے وہ ہوا شعلۂ گُل کو جو بُجھا دے    وہ آگ ہے جو باغ تر و تازہ جلا دے
ہر نقش کے ہر رنگ کے آثار مٹا دے    گلزار کو تو دامنِ خنجر کی ہوا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

جھونکے وہ چلیں غنچۂ سربستہ بکس جائے    سوسن کی زباں قطرۂ شبنم کو ترس جائے
ہاں بوئے کفن پیرہنِ باغ میں بس جائے    گلزار میں ہر چار طرف آگ برس جائے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ہر ذرّے میں رکھی ہے جو اک آتشِ پنہاں    بھڑکے گی وہی بن کے گُل و لالۂ و ریحاں
اے مرگِ مفاجاتِ چمن، جانِ گلستاں    ہیں کتنی بہاریں تری شرمندۂ احساں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

آئے ہوئے گلزار کا گلزار لُٹا دے    جاتے ہوئے گلزار کا گلزار کھلا دے
تو ہستیٔ گلزار عدم کر کے دکھا دے    پھر اس عدم آباد کو گلزار بنا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

NAGHMA-E - HAQIQAT

# نغمۂ حقیقت

مرا رازِ نہاں ہرگز سمجھ میں آ نہیں سکتا
جہاں کی سرحدِ ادراک و اندازہ میں کب میں ہوں
سبب میرا پیمبر ہو کہ عارف پا نہیں سکتا
کہ ان سب کا سبب ہے ایک ہی اور وہ سبب میں ہوں

میں اس دنیا کی ہر ہستی کا ہوں سرمایۂ ہستی
مری ہی ذات سے سب ہیں یہاں نشو و نما پاتے
میں ہوں اہلِ فلک اہلِ زمیں کی رفعت و پستی
جو آخر کار میری ذات میں ہیں محو ہو جاتے

جسے معلوم ہے میں نا سبب ہوں اور ناپیدا
مرے زیرِ نگیں جو سارے عالم کو سمجھتا ہے
کبھی اوہام باطل سے وہ دھوکا کھا نہیں سکتا
کہ داغِ معصیت سے اس کا دامن پاک ہوتا ہے

بصیرت، عقل، ہمدردی، صداقت اور خدا ترسی
شجاعت، خوف، ہستی، نیستی، نیکی، ریاکاری
سکونِ قلب، دکھ، سکھ، نیکنامی اور بدنامی
مرے ہی نور کی کرنیں ہیں یہ کیفیتیں ساری

نرالا پن ہوں میں ہی دہر کی ہر فردِ ہستی کا
دلِ ہر ذرّہ ناچیز میں سازِ انا الکل ہوں
ہوں میں ہی کفر میں اندازِ شانِ حق پرستی کا
کہ ہر بکھرے ہوئے شیرازے کا میں ہی تسلسل ہوں

مرکب میں ہوں، میں ترکیبِ مفرد میں ہوں یکتائی
ہوں پستی کا سہارا اور بلندی کی میں رفعت ہوں
دلِ عاشق میں ہوں درد اور حسینوں میں ہوں رعنائی
میں یعنی دہر کی ہر اک حقیقت کی حقیقت ہوں

جنوں دیوانوں میں وحشت ہوں اچھی آنکھ والوں میں
ہوں دم خم خرش قدوں میں آن ہوں میں کجکلاہوں میں
رخِ رنگیں میں تابش، برہمی ہوں مُجرے بالوں میں
محبت میں ہوں بے باکی، حیا نیچی نگاہوں میں

میں ہوں وہ سِتم قاتل جس نے لاکھوں کو سلا رکھا
حیاتِ خضر جس پہ توڑ دے دَم وہ زمیں میں ہوں
مرے کاٹے ہوؤں نے پل کے بھی پانی نہیں مانگا
جو ڈس لے پل جھپکتے میں وہ مارِ آستیں میں ہوں

وہ بیزاری ہوں جو افسردہ خاطر حُسن کو کر دے
جو بے خود کر دے میں وہ بادۂ سرجوشِ ہستی ہوں
وہ برقِ حسن ہوں رگ رگ میں جو چنگاریاں بھر دے
نئے سرے جو لائے ہوش میں وہ کیفِ مستی ہوں

میں ہوں وہ ضبط جس میں اضطرابِ برق پنہاں ہے
وہ بے تابی ہوں جس کی ہر تڑپ ہے ضبط کی منزل
وہ ناکامی ہوں جو صد مقصدوں سے گل بداماں ہے
میں وہ مقصد ہوں جو مطلب برآری کو نہیں حاصل

وہ آزادی ہوں زندانِ بلا میں جس کا مسکن ہے
میں ہوں وہ قید، ہیں آزادیاں طوقِ گلو جس کی
میں ہوں وہ بادِ صرصر جس کے ہر جھونکے میں گلشن ہے
میں وہ پھولا چمن ہوں پا نہیں سکتے ہیں بو جس کی

تڑپ وہ ہوں سکونِ انتہائی جس میں پنہاں ہے
سکوں وہ ہوں میں جو افلاک کی گردش کا حامل ہے
وہ منزل ہوں جہاں کیفیتِ شامِ غریباں ہے
غبارِ رہ گذر ہوں جس کے ہر ذرے میں منزل ہے

سرِ شامِ جوانی روئے تاباں کی صباحت ہوں
میں ہر دکھتے ہوئے دل میں جلن ہوں سوزِ پنہاں کی
شبستانِ جمالِ گیسوئے پرخم کی زینت ہوں
لبِ جاں بخش میں مَیں ہی جھلک ہوں سحرِ لرزاں کی

وہ بے ہوشی ہوں میں جو ہوش والوں کا پتہ رکھے
نہ جیتی جا سکی جو آج تک میں ہی وہ بازی ہوں
وہ عریانی ہوں میں جو سارے رازوں کو چھپا رکھے
جو ٹھوکر در بدر کھائے وہ شانِ بے نیازی ہوں

ہے جس میں سر بسر وحدت کا عالم میں وہ کثرت ہوں
مری وحدت میں کروٹ لے رہی ہیں کثرتیں لاکھوں
سنبھل جاتے ہیں سب کے ہوش جس سے میں وہ وحشت ہوں
میں ہوں وہ ہوش جس میں جوش زن ہیں وحشتیں لاکھوں

ہوں وہ گم گشتگی ہر جستجو میں جو رہے پنہاں
میں ہوں وہ زندہ دل جس کی اداسی کی نہیں حد ہے
میں ہوں وہ عقدۂ مشکل جو آساں تر سے ہے آساں
وہ دعویٰ ہوں میں جس میں سب دلیلوں کی چھپی رد ہے

جو کر دے شور عالم میں بپا وہ بے زبانی ہوں
وہ وحشی ہوں دمِ ہنگامۂ محشر جو سو جائے
انا الحق بول اٹھے جو عشق کی وہ بدگمانی ہوں
وہ غافل ہوں سرِ دار آکے جس کی صبح ہو جائے

ہوں میں ہی صبر پانچوں پانڈووں کا دشت گردی میں
میں جانبازی ہوں جنگ بدر میں سر کھونے والوں کی
ہوں استقلال میں ہی رام کا صحرا نوردی میں
ہوں لہری نیند خاکِ کربلا میں سونے والوں کی

غمِ الفت میں ہوں میں ناامیدی شامِ ہجراں کی
خرامِ ناز والوں کے دبے پاؤں کی آہٹ ہوں
میں ہر دکھتے ہوئے دل میں چمک ہوں دردِ پنہاں کی
حسینوں کے لبوں پر چوٹ کھائی مسکراہٹ ہوں

محبت والوں میں افسانہ ہوں میں شامِ ہجراں کا
ہوں بے خبری سرِ شامِ جوانی سونے والوں کی
دلوں میں زخم ہوں میں ہی تبسم ہائے پنہاں کا
ہوں میں ہی بے خودی میں سر جھکا کے رونے والوں کی

سرشکِ خوں میں ہے رنگینیاں میرے ہی جلووں کی
مری برقِ نظر چشم و چراغِ اہلِ محفل ہے
مرا خونِ تمنا ہے رگوں میں حسن والوں کی
رخِ رنگیں کا آئینہ مرا دکھتا ہوا دل ہے

میں ہوں مظلوم کی فریاد ظالم کی ستم کوشی
ہوں زرِ منعم کا مفلس کا غمِ فاقہ کشی میں ہوں
میں ہوں زاہد کا پرہیز اور رندوں کی بلانوشی
حلیموں میں ہوں حلم اور سرکشوں کی سرکشی میں ہوں

شفق میں ہوں میں سرخیِ چشمِ انجم میں ہوں بیداری
شعاعِ مہرِ عالم تاب میں تھرتھراہٹ ہوں
میں ہوں پچھلے پہر میخانۂ عالم کی سرشاری
طلوعِ صبح میں میں ہی فضا کی کپکپاہٹ ہوں

وہ دردِ ہجر ہوں کیفِ وصالِ دوست ہے جس میں
میں ہوں وہ وصل بیتابی ہے جس میں کربِ ہجراں کی
دلِ افسردہ ہوں جو شمع بن جاتا ہے محفل میں
ہوں وہ امید میں ہی جان ہے جو یاس و حرماں کی

وہ سناٹا ہوں خوابیدہ ہیں جس میں لاکھوں آوازیں
وہ تاریکی ہوں جس میں سیکڑوں خورشید پنہاں ہیں
میں ہوں وہ صلحِ کل چلتی ہیں جس میں لاکھوں تلواریں
وہ دل جمعی ہوں جس میں سیکڑوں خاطر پریشاں ہیں

وہ لب تشنہ ہوں جس کے حلق میں سیلاب جاری ہے
میں وہ دریا ہوں جس میں تشنہ لب لاکھوں تڑپتے ہیں
ہوں وہ جوشِ محبت میں جسے نفرت بھی پیاری ہے
ہوں وہ پیکار ڈنکے صلحِ کل کے جس میں بجتے ہیں

وہ بیداری ہوں دنیا جس میں گہری نیند سوتی ہے
ہوں وہ خوابِ گراں بیدار جس میں رہتا ہے عالم
ہوں وہ دارالمحن جس میں خوشی دن رات ہوتی ہے
ہوں وہ عشرت کدہ رہتا ہے جس میں روز و شب ماتم

میں ہوں وہ چاندنی یہ ماہ جس کا ایک پارا ہے
بقا جس کا فقط اک لمحہ ہے وہ عمرِ فانی ہوں
میں ہوں وہ دھوپ یہ خورشید جس کا اک شرارا ہے
سمندر لہر مارے جس میں وہ اک بوند پانی ہوں

وہ نقطہ ہوں ہزاروں شکلیں جس میں رہتی ہیں پنہاں
وہ ویرانہ ہوں آبادی جہاں دنیا کی بستی ہے
نوائے راز ہوں جس میں ہیں لاکھوں ساز کے ساماں
وہ محتاجی ہوں جس کو دولتِ دنیا ترستی ہے

ادا جس میں شناسائی کی ہے وہ کم نگاہی ہوں
اٹھے بیگانہ وش جو وہ نگاہِ آشنا ہوں میں
جو آئے خوبیِ قسمت کے ہاتھوں وہ تباہی ہوں
جہاں سوتی ہیں تقدیریں وہاں بخت آزما ہوں میں

میں ہوں وہ رازِ سربستہ رہے جو سربسر عریاں
شفا ہے ہر مرض کی جو وہ دردِ لا دوا میں ہوں
شکستِ فاش ہوں وہ جس میں ہیں فتح و ظفر پنہاں
پھلتی ہے فنا کی گود میں جو وہ بقا میں ہوں

میں ایسی نیستی ہوں وردِ ہستی جس میں پنہاں ہے
جو سرمہ چشمِ مہر و ماہ میں ہے میں وہ ظلمت ہوں
وہ دوزخ ہوں میں ہر شعلہ جہاں جنت بداماں ہے
رہے جو نارِ دوزخ در گریباں میں وہ جنت ہوں

اجل کا راز ہے جو وہ حیاتِ جاودانی ہوں
بندھے جو ٹوٹنے سے وہ طلسمِ رنگ و بو ہوں میں
جو چشمک زن بقا سے ہے میں وہ دنیائے فانی ہوں
جسے خود کھا گیا ہوں وہ فریبِ آرزو ہوں میں

نمودِ حسنِ دنیا ہے مری جاتی ہوئی دنیا
نگاہِ حسنِ عالم ہے نگاہِ واپسیں میری
یہ خلقت سب ہے مرے دردِ محبت کا چمک جانا
دو عالم کو مٹا کر رکھ دے اک چینِ جبیں میری

یہ نظمِ عالمِ ہستی مرے ہی دم سے قائم ہے
الٹ دوں میں زمیں کو ایک ابرو کے اشارے سے
تلاطم جس سے ہے ہر وقت برپا وہ مرا دم ہے
میں چاہوں تو سمندر دور ہٹ جائے کنارے سے

وہ اک لمحہ ہوں میں جس کا کبھی کٹنا نہیں ممکن
وہ دن ہول آکے جو شہرِ خموشاں کو جگا جائے
میں ایسا وقت ہوں جس کا کبھی گھٹنا نہیں ممکن
وہ شب ہوں میں ستاروں کو بھی جس میں نیند آجائے

غرض بزمِ جہاں میں حسن اور رونق ہے جو کچھ بھی
ظہور اس کا یہاں اے دوست میری ہی بدولت ہے
مگر دنیا کی ہستی تو فقط اک شان ہے میری
بھلا وہ کب عیاں ہے جو مرا رازِ حقیقت ہے

# دھرتی کی کروٹ

سورج چاند انگڑائی لیں گے
تارے اپنی گت بدلیں گے
پربت ، ساگر لہرائیں گے
جب یہ دھرتی کروٹ لے گی

ہل، کدال، پھاوڑے، بسولے
اٹھے ہتھوڑے بول اٹھیں گے
نیا جنم ہے آزادی کا
دیش کے راجہ دیش نواسی
پرجا ہی ہے دیش کا راجہ
گھر کی چٹائی راج سنگھاسن
سب کی ٹوپی راج مکٹ ہے
پھوس کا گھر بھی راج محل ہے

جنم جنم کا پاپ کٹے گا
اب تک کس کا راج رہا ہے؟
راجے ، بابو، سیٹھ، مہاجن
زمیندار ، دیوان ، داروغہ
پنڈت، ٹھاکر، شیخ اور سید
صاحب، مسٹر، حاکم، افسر
سونا والے، چاندی والے
آڑھت والے، منڈی والے
کوٹ محل اور کوٹھی والے
گدی والے ، کرسی والے
مسند والے ، فرشی والے
پرمٹ والے ، لائسنس والے
گھنٹے والے، ٹھیکے والے
سٹے والے ، سٹے والے
ان کے چمچے بیٹے والے
اب تک ان کا راج رہا ہے

دیش پہ اتیا چار رہا ہے
اب یہ دھرتی کروٹ لے گی
اب یہ دنیا پلٹا لے گی

بھارت کی کایا پلٹے گی
سب کی قسمت چمک جائے گی
کاریگر ، مزدور ، کسان
بھارت کے بے چین جوان
دبے دبے بے نام و نشان
ابھریں گے بے سان و گمان
مان نہ مان ترا مہمان
ہم کو جان ہمیں پہچان
یہی سنبھالیں گے سب کام
راج پاٹ کے مالک ہوں گے
راج کے کرتا دھرتا ہوں گے
ست جگ سے بھی بڑھ کر ہوگا
رام راج سے بڑھ کر ہوگا

ہر اک جگ سے بڑھ کر ہوگا
براہمن راج سے بڑھ کر ہوگا
چھتری راج سے بڑھ کر ہوگا
ویشیہ راج سے بڑھ کر ہوگا
ہندو راج سے بڑھ کر ہوگا
بودھ راج سے بڑھ کر ہوگا
مسلم راج سے بڑھ کر ہوگا
محنت کرنے والوں کا راج
کھیتی کرنے والوں کا راج
مال بنانے والوں کا راج
دھن اپجانے والوں کا راج
ہن برسانے والوں کا راج
اس اوسر بنجر دھرتی کو
اس جلتی تپتی پرتی کو
سورگ بنانے والوں کا راج

## کسانوں کی پکار

نئے نیم سے نئے روپ سے
نئے رنگ سے نئے ڈھنگ سے
کھیتی ہوگی
کھیت اور کھلیانوں کا رونا
بیج ، کھاد ، پانی کا رونا
گائے کی ہائے ، بیل کا رونا
گھاس کھل بھوسے کا رونا
زمیندار کی مار کا رونا
گالی اور پھٹکار کا رونا

دھر، پکڑ اور بیگار کا رونا
قرضے اور بیاج کا رونا
بنیے اور بزاز کا رونا
عزت اور لاج کا رونا
پٹواری کی چال کا رونا
ونڈراج پر تال کا رونا
ساتھی لال بال کا رونا
آئے دن کے کال کا رونا
ہر چیز اور ہر بات کا رونا
جگ جگ سے دن رات کا رونا
نہیں رہے گا نہیں رہے گا

دن بدلے گا پاپ کٹے گا
ساتھی سب سنتاپ کٹے گا
اَن کھیان سے گھر میں آئے
اس کی نوبت کب آتی تھی
اب تک چھاتی پھاڑ پر شرم
کرکے جو کچھ فصل اگائی
وہ گاڑھی بھرپور کمائی
دو دن اپنے کام نہ آئی

اوپر اوپر اڑ جاتی تھی
رہ جاتے بھوکے کے بھوکے
رہ جاتے ننگے کے ننگے
رہ جاتے قرضے میں ڈوبے
جیون کٹتا بیاج چکاتے
لیکن اب کچھ ہونے کو ہے
کھیتی، باڑی، باغ اور جنگل
دودھ، دہی، گھی، ناج اور پھل

گاؤں میں جو دولت اپجے گی
وہ سب کی سب اپنی ہوگی
اب یہ ڈر بھو ہارے مٹے گا
اب یہ اتیاچار مٹے گا

چالاکی میں دھونس دھاندلی میں
دلالوں کی پھوٹ پھانس میں
پھسلانے میں بہکانے میں
ڈروانے میں دھمکانے میں
لٹس پٹس کی ہلچل میں
دھنا سیٹھ کے چھل، بل، کل میں

جب تر کسان نہیں آئے گا
وہ اپنا حصّہ، اپنا حق
لے کے رہے گا لے کے رہے گا
جی کے رہے گا مر کے رہے گا
لیکن اب کچھ کر کے رہے گا

ہر بگھہ میں ہر ایکڑ میں
پیداوار آٹھ گنی ہوگی
بھوک مٹے گی اور گھر گھر میں
اَن پورنا باس کرے گی

## شکشا میں گول مال

ذات پات کا بھید مٹے گا
اونچ نیچ کا بھید مٹے گا
ہندو مسلم بھید مٹے گا
براہمن شودر برابر ہوں گے
عورت مرد برابر ہوں گے
چھوٹے بڑے برابر ہوں گے
بل، ودیا، دھن مان اور پد
عہدہ، کرسی، عزت، شہرت
جان، مال، دھن اور حکومت
بڑی بڑی جاگیر ریاست
پڑھنا لکھنا، سند لیاقت
بیٹھک بازوں کی تھی دولت
پاکر قسمت کے پتوں سے
چترے، پنجے، ستّے، اٹھے
کیا خوش تھے الّو کے پٹھے

لگے ہیں جب دھکّے پر دھکّے
چھوٹے تڑی بازوں کے چھکّے
سب جگہیں یوں لے بیٹھے تھے
سب کچھ یوں ہتھیا بیٹھے تھے
یوں دنیا پر چھائے ہوئے تھے
جیسے ان کی ہو یہ بپوتی
اب دیتا ہے سمے چنوتی
کاریگر مزدور کسان
ان کی بدنصیب سنتان
پڑھنے لکھنے کا حق ان سے
چھل بل کل سے چھین لیا تھا
اک دھوکا پھیلا رکھا تھا

نیچی، ذات پات والوں کے
بچوں کو منشیہ کب جانا

پڑھنے لکھنے کی امنگ کو
نہ ادھیکار چیشٹا مانا
اِن کے اتنی عقل نہیں ہے
اِن کے پاس دماغ نہیں ہے
سوجھ نہیں ہے بوجھ نہیں ہے
ماں کی کوکھ سے یہ جنمے ہیں
جنم لنڈورے جنم گنوار

انھیں اندھیرے ہی میں رکھو
رین بسیرے ہی میں رکھو
کبھی نہ ابھرے ان کی ذات
کبھی نہ چمکے ان کی بات
کبھی نہ دن ہو ان کی رات

چکڑ چیتر دنیا میں ان کو
اندھا، بہرا، گونگا رکھو
گھامڑ، اَن پڑھ، ڈھگا رکھو

میلا اور کچیلا رکھو
ہیٹا رکھو نیچا رکھو
اِن کو چھو نگا پونگا رکھو
قلم نہ اِن کے ہاتھ میں آئے
پھر تلوار بھی چھن جائے گی
راج کی لنگر دار ناؤ کی
پھر پتوار بھی چھن جائے گی
اپنا بھرم بنائے رکھو
جنتا کو بھرمائے رکھو

اب تک یہ سازش تھی لیکن
اب یہ جادو ٹوٹ چکا ہے
اب یہ بھانڈا پھوٹ چکا ہے
پورا ڈھونگ رچا رکھا تھا
کیا اندھیر مچا رکھا تھا
ودیا کو دفنا رکھا تھا
اس کا روپ چھپا رکھا تھا
دن کو رات بنا رکھا تھا
شبدوں کا آڈمبر رچ کر
من گھڑنت سے ایک بات کا۔

سو بستار بنا رکھا تھا
اک بیوپار جما رکھا تھا
کاروبار چلا رکھا تھا

برہما نند سہودر کویتا
کو بیکار بنا رکھا تھا
سیدھی سادی باتوں میں بھی
جھوٹی اینٹھن دے رکھی تھی
سہج کو کٹھن بنا رکھا تھا
سیدھ میں ٹیڑھ لگا رکھی تھی
اڑ بڑ شبد گڑھے کچھ ایسے
جن کو جنتا سیکھ نہ پائے
جن کو جنتا بول نہ پائے
جن کو جنتا سمجھ نہ پائے
جن کو جنتا سن ڈر جائے

کوش گھونٹ لینے والوں کا
سطریں پڑھ لینے والوں کا
قلم پکڑ لینے والوں کا
کاغذ رنگ دینے والوں کا
گٹ پٹ کر لینے والوں کا
اک دربار سجا رکھا تھا
گیان سبھیتا کا اپنے کو
ٹھیکیدار بنا رکھا تھا
یاروں نے ہڑ بونگ مچا کر
ڈھونگ رچا کر سوانگ رچا کر
تنتر، جنتر، چھو منتر سے
ہوا بنا دیا دوّیا کو
سرسوتی کے مندر کو بھی
بنا دیا مچھلی بازار
دوّیا کے پوتر منڈپ میں
جب ہم ہاتھ جوڑ کر جاتے
پنڈت ہم کو دھتا بتاتے
ہم منہ دیکھتے رہ جاتے تھے
یہی سوچتے رہ جاتے تھے
ہم نردھن کنگالوں سے
صرف لکشمی نہیں خفا ہے
سرسوتی بھی روٹھ گئی ہے
ہم سے سب کرتے ہیں چھوت
اب تک یہی رواج رہا ہے

اونچی ذات، اونچے گھر والے
پیسے والے، اوپر والے
ودّیا حاصل کر سکتے تھے
لکھ سکتے تھے پڑھ سکتے تھے

اُن کے بچے ہو سکتے تھے
چچا بھتیجے ہو سکتے تھے
بھائی بھانجے ہو سکتے تھے
جج، کلکٹر اور کمشنر

راج سبھا کے چوکس ممبر
ڈاکٹر اور وکیل بیرسٹر
انجینئر، ٹیچر، پروفیسر
وائس چانسلر اور چانسلر
فوج کے نائک فوج کے افسر
بینک ڈائرکٹر، بینک منیجر
کمپنیوں کے شیئر ہولڈر
ایم۔اے، بی۔اے، بی ٹی، سی۔ٹی
باگی راگی، رتن پارکھی
کلاکار، گیانی وگیانی

چترکار، لیکھک لاثانی
چترکار، شاعر، سیلانی
ویر، سورما، دھرمی، دانی
آٹھوں گانٹھ، کمیت جوانی
جس کی چھبی نہیں جائے بکھانی
"گرا انین نین نین بانی"

لیکن کب تک یہ من مانی
یارو دنیا آنی جانی
کس برتے پر تتا پانی
اب نہ چلے گی آنا کانی
"کا برکھا جب کرشی سکھانی
سمے چوکی پنی کا پچھتانی"
اب یہ سب دنیا بدلے گی
اب یہ سب کایا پلٹے گی

اب یہ دھرتی کروٹ لے گی
اب کسان مزدور کے بچے
جن کو تم نے سڑا رکھا تھا
جن کو گدھا بنا رکھا تھا

سب کچھ پڑھ لکھ کر نکلیں گے
یہی سجائیں گے ہر کرسی
یہی سنبھالیں گے سب عہدے
تلوار اور قلم دونوں کے
اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے
کلاونت بھی کلا کار بھی
اب ہوگی ان کی سنتان
اب کسان، مزدور اور افسر
سیناپتی، جرنیل، منسٹر
بڑے وزیر، گورنر، جنرل
یہ سب ایک ورگ کے ہوں گے
بھید بھاؤ سب مٹ جائیں گے

ایک اچھید، ابھید، اکھنڈ
ایک سجیو، سیوگ سماج
بھارت میں آنکھیں کھولے گا
نئی سبھیتا قائم ہوگی

توڑا دھرتی کا سناٹا
کس نے؟ ہم مزدوروں نے
ڈنکا بجا دیا آدم کا
کس نے؟ ہم مزدوروں نے

دنیا کی اندھی نگری میں
جگ مگ دیپ جلایا کس نے؟
جگ مگ، رنگا رنگ، چھما چھم
یہ بازار سجایا کس نے؟
اوٹ میں چھپی ہوئی تہذیبوں
کا گھونگھٹ سرکایا کس نے؟
شرمیلی تقدیر کی دیوی
کا آنچل ڈھلکایا کس نے؟
کام چور سپنوں کی کایا
میں شعلہ بھڑکایا کس نے؟
بدن چور اس پرکرتی کامنی
کا سینہ دھڑکایا کس نے؟

پرت پرت کو اس دھرتی کے
ساتھی، کھول دیا ہے کس نے؟
چھپے دفینوں پر قدرت کے
دھاڑا بول دیا ہے کس نے؟

جیون کے سمندر منتھن میں
ہم نے بھنور کیا ڈالے ہیں
بھوساگر سے ان ہاتھوں نے
کیا کیا رتن نکالے ہیں

بن، اپون سے ہر کانٹے سے
ہنستا پھول کھلایا کس نے؟
پتھر کے پتھریلے دل کو
تپ تپ کر پگھلایا کس نے؟
اس اوسر بنجر دھرتی پر
دھن کا ڈھیر لگایا کس نے؟
اس بھوکی پیاسی دنیا میں
من پر من برسایا کس نے؟

ہر آفت سے ہر مشکل سے

مزدوروں کی جوڑ رہی ہے
لٹی پلٹی، آڑی ٹیڑھی
تقدیروں سے ہوڑ رہی ہے

کیا یہ وہی دنیا ہے ساتھی
کل جو پھٹے حالوں پھرتی تھی؟
کیا یہ وہی بے چاری ہے جو
بار بار اٹھ کر گرتی تھی؟

ساتھی بول لہو کھولا کر
جیون روپ رچایا کس نے؟
اس ننگی اجڑی دنیا کو
سج کر دلہن بنایا کس نے؟

نبھ چمبی شکروں پر ساتھی
ہم بے کھٹکے چڑھ جاتے تھے
جہاں موت جاتے ہوئے جھجکے
تال ٹھونک کر بڑھ آتے تھے

آکاشوں کے پاتالوں سے

دل کا چور نکالا کس نے؟
خالی تھا بھر کر چھلکایا
اس جیون کا پیالا کس نے؟

اپنی کمر کے بوتے سے ہم
پینگ چڑھاتے ہیں جیون کی
دو جھٹکوں میں ہلا کر رکھ دیں
ساتوں چولیں اندراسن کی
سرکش پنچ بھوت کا گٹھا
ہم نے جھٹک کر توڑ دیا ہے
جس قسمت کی مار غضب تھی
اس کا پنجہ موڑ دیا ہے
دہر کی ہر تخریبی قوت
کو سانچے میں ڈھال لیا ہے
قدرت کے چیلنج کا ہم نے
کلّا توڑ جواب دیا ہے

خون پسینے کے ہلور میں
تدبیریں منہ دیکھ رہی ہیں
اس لہراتے آئینے میں
تقدیریں منہ دیکھ رہی ہیں

اپنے کس بل سے سینوں میں
طوفانوں کو بند کیا ہے
سدھے ہوئے سو سو ہاتھوں سے
بھونچالوں کو تھام لیا ہے

لاکھ جتن سے جیون کھیتی
مرجھانے سے کس نے روکا؟
سورج کی اس اگن گیند کو
کس نے اچھالا؟ لُوکا کس نے؟

کئی بار رہتی دنیا کی
آئی کو ہم ٹال چکے ہیں
کئی بار تقدیر جہاں کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال چکے ہیں

جب فاقوں پر فاقے تھے
جب کوئی امید نہیں تھی
ہم نے جہاں انگلیاں رکھ دیں

## نبضیں چلنے لگیں دنیا کی

اس ادھ مری، دلت دنیا کو
اپنے لہو سے امر کیا
سن لینا، رن بول اٹھے گا
موت کو اپنے جیت لیا

ذرا ٹھیس لگتے ہی ساتھی
نیند کی دنیا جاگ اٹھتی ہے
ٹھکرا دیں جس بڑی شلا کو
بن کے اہلیا جاگ اٹھتی ہے

جس دم ہلا بول دیا ہے
دریا، صحرا کانپ اٹھے ہیں
ہم سے ٹکرے کر ساتھی
پربت، ساگر کانپ اٹھے ہیں

یوں گدگدا دیا ہے ہم نے
سنگ کا پہلو پھڑک رہا ہے
یوں اکسایا ہے جڑتا کو
پتھر کا دل دھڑک رہا ہے
جان ڈال دی تصویروں میں
یوں ہر خط چمکایا ہم نے
لو دے اٹھے ہیں وہ نقطے
چوم لیا ہے جن کو قلم نے

چاند اور سورج کی کرنوں سے
چادر بُن کر رکھ دیتے ہیں
اس ہتھوڑے کی ضربوں سے
لوہا دھن کر رکھ دیتے ہیں
کر کے برابر رکھ دیتے ہیں
اوبڑ کھابڑ، پیچ و خم
کڑے کو بس نرما دیتے ہیں
اپنے دھرتی توڑ قدم

نام ابھرنے کا نہ کبھی لے
پیچ و خم میں نگاہ جو ڈوبے
نقاشی کے امر معجزے
مینا کاری کے وہ عجوبے
ان ہاتھوں کی گلکاری میں
صبح بہار سانس لیتی ہے

ہم نے دبا دی ہیں وہ آنچیں
مٹی لو پر لو دیتی ہے

منہ بندھی کلیوں کی گرہوں میں
ہم نے شعلے باندھ دیئے ہیں

جوڑی برجوں کو جو دیکھے
شق القمر یاد آجائے
بت خانوں کے روپ نگر میں
سحر ساری غش کھا جائے

محرم آب رواں چھنتی ہے
سات تہوں سے بدن کی جیوت
پردے پردے میں رہ رہ کر
جیسے جاگے من کی جیوت ؟

یوں جگمگا دیا دھاتوں کو
ہو ٹھہراؤ یہ چال کا دھوکا
صاف آنکھوں کو ہو جاتا ہے
جامد پرستیاں کا دھوکا

بارہ ابرنک، سولہ سنگار
گوکل کی رادھا سجتی ہے
اس دنیا کے برندابن میں
کس کی بنسی بجتی ہے

انھیں کھردرے ہاتھوں کا جس ہے
یا صناعی بول اٹھی ہے
دیکھ ذرا بچوں کے کھلونے
ساکتی مٹی بول اٹھی ہے

کوکہ اجڑ جائے دھرتی کی
پھوٹ جائے ماں کا بھاگ
یاد رہے ہم اٹھ جائیں تو
لٹ جائے دنیا کا سہاگ

بیل اور بوٹوں کے پردے میں
ہم نے کیا کیا کام کیے ہیں

ہاتھ ہمارا ہی گھر گھر میں
لے کے چراغ شام آیا

بنیادوں سے ردا ردا
خون ہمارا کام آیا
کڑی چٹانوں کے تیشے سے
ہم نے سینے پھاڑ دیے ہیں
چارکھونٹ رہتی دنیا میں
ہم نے جھنڈے گاڑ دیے ہیں

اس دھرتی کو چھو کر ہم نے
چاند ستاروں کو چھیڑا ہے
کرکے بسر کانٹوں پر ساتھی
ہم نے بہاروں کو چھیڑا ہے
اکثر اس دھرتی کی چھوٹیں
دیو لوک پر پڑ جاتی ہیں
آج اسی دنیا کی آنکھیں
اندرپوری سے لڑ جاتی ہیں

اپنے ارادوں کی اٹھان میں
روحِ تمدن کی برنائی
انھیں ہتھوڑوں سے سرگم میں
تاریخوں نے لی انگڑائی

موہن جودارو اور ہڑپا
لال قلعہ اور تاج محل
دیکھ ایلورا اور اجنتا
کپل وستو کا راج محل

روم و یونان کی وہ فنکاری
مصر دیش کے وہ اہرام
قسطنطنیہ کے کنگورے
قیصر کے قصرِ بہرام
کاشی، دلی، ایلیم، پیسا
کے وہ دھور ہرے مینار
اسپین اور شیراز اور غزنی
الحمرا کے در و دیوار
نیلے سپنوں کی جھلمل میں
اٹلانٹس کا وہ جل سیج
ٹمبک ٹجگا نستر کے ورثے کو
پیڑھی پیڑھی دیا سینچ
مارشیس، کینیا، ٹنگانیکا
لنکا، بنکا، سنگاپور
یہ کس نے لہلہا دیا ہے

جل تھل کو نزدیک اور دور

جھلک رہا ہے نگر ماسکو گھن گھن گھن ان گنت مشینوں
ٹویگ کا وہ جرو سلیم کے پہیوں کا چکر کھانا
وہ جادو نرمان کلا کے یہ گھڑ گھڑ گھڑ، یہ زیر و بم
لینن گراڈ اور نیپر ڈین سیاروں کا مل کر گانا

جو منڈل پر جگ کا جگ ہے دھڑ دھڑ جلتے فرنس سے
رشتہ ناتا جوڑ آئے ہیں سورج منڈل جھپک گیا ہے
قدم قدم پر اس دنیا میں اندھکار کے سینے میں بھی
اپنی نشانی چھوڑ آئے ہیں اکثر کوندا لپک گیا ہے
صحرا کو جو چمن بنا دیں لاکھ کروٹیں لیتا شعلہ
ایسے دیوانے کم ہوں گے بجر کو بھی پگھلا دیتا ہے
آنکھ اٹھا کر حد نظر تک بوائلر ہونک رہا ہے گویا
دیکھو گے تو ہمیں ہم ہوں گے جوالا مکھی سانس لیتا ہے
"پتہ پتہ، بوٹا بوٹا برساتی ہیں پھول اگن کے
حال ہمارا جانے ہے لال انگاروں کی بوچھاریں
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے سنو کھنکتے کل پرزوں میں
باغ تو سارا جانے ہے" صوت سرمدی کی جھنکاریں

یہ مشین کی گڑگڑ اٹھیں
دھرتی کی چھاتی جل جائے

دھواں چمنیوں سے اٹھتا ہے
گت پر جیسے ناگ لہرائے

پھینکی ہے بے لاگ کمند

جیون کی کالی راتوں کا
دھرتی جہاں پتہ دیتی ہے
گاتی ہوئی مشینوں کی لے
وہاں چراغ جلا دیتی ہے

کرم یوگ کی مہاشکتی کو
ہم نے اپنے ساتھ لیا ہے
اس جیون کے شیش ناگ کو
اِن ہاتھوں نے ناتھ لیا ہے

•

ریلوں کی گھن گرج، جہازوں
کا وہ ساگر پھاڑ بڑھاؤ
صاف منڈلا کار فضا میں
طیاروں کا نڈر چڑھاؤ
ندیوں کا منہ موڑ دیا ہے
ویرانہ لہراتا ہے
ریگستانوں میں اب پانی
گُن کھیلتا جاتا ہے

ہم دنیا کو چلانے والے
اور ہیں پامال، یہ کیا ہے؟
ہم دنیا کو بچانے والے
اور اتنے بدحال، یہ کیا ہے؟
ہم کو بھوکا رکھ کر ہم سے
دھن کبیر کا کام لیا ہے
اپنی دَشا سوچ کر اکثر
ہم نے کلیجہ تھام لیا ہے

مزدوروں کے کرامات ہیں
مزدوروں کے پست و بلند
کس کروٹ سے چندر لوک پر

ہاتھی مرتا کیا نہیں کرتا
کس کس پر الزام دھرے
جم جم جیئے یہ پیاری دنیا
لیکن ہم بے موت مرے

اپنے پسینے کا جم جانا
دھن ، پونجی ، سرمایہ داری
سب اپنے ہی لہو سے پلے ہیں
سیٹھ، مہاجن، راج ادھیکاری
سب اپنی ہی گھما گھمی سے ہے
آئے دن جو مال اڑتے ہیں
سب اپنی ہی لہر بَہر سے ہے
اپنے لہو سے گلال اڑتے ہیں
ہم کو نہ دھن رکھ کے انھوں نے
پاٹ لیے ہیں اپنے خزانے
ہمیں اجاڑ کے ان سیٹھوں نے
سجا لیے اپنے کاشانے

پھیٹے ناخنوں میں جتنا ہے
ٹکڑا بھارت کی مٹی کا
پانی میں یہ آگ لگا دیں
سیٹھ، مہاجن، ایک کائیاں
جنگ کی گھاتیں صلح کی باتیں
دھاچوکڑی اڑن گھائیاں
جب جب جنگ چھڑی دیشوں میں
جو بھی پڑی ہم پہ ہی پڑی ہی
بھس میں چنگی دے کر ساتھی
دیکھ جمالو دور کھڑی ہی

باغ میں بس ان کو زہریلے
کانٹے بونا آتا ہے
ان کے اثر کو دیکھ دیکھ کر
ساتھی رونا آتا ہے

اربوں کے ہیں وارے نیارے
دانوں بھی ہیں دوہرے دوہرے
چالیں ان کی بازی ان کی
ہم ہیں بس شطرنج کے مہرے

کیسا اپنا دیس اپنا گھر
ساتھی اپنا بس ہے اتنا

یہ ہم سے انصاف کریں گے ؟
کیا بکتے ہو ؟ رام کہو
ان کے بہی کھاتے سے ہمیں کیا
لینا ایک نہ دینا دو

یہ اور انگلیس اپنا منافع؟
کہہ سن کر سب ہار سے گئے
نوٹوں کے، سونے چاندی کے
یہ تو پہاڑ ڈکار سے گئے
نرم بھی پڑ کے گرم بھی پڑ کے
دنیا کو دیتے ہیں بھرّے
یہ جیون کا رتھ کھینچیں گے؟
راہ کے اڑیل ٹھان کے ٹرّے

کالے روپوں سے بے کھٹکے
بھرتے گئے یہ اپنی تجوری
سب بھر چکے رہ جاتے تھے
کرتا کون ان سے برجوری
یہ سب مردم خور ہیں ساتھی
ان کے ساتھ مروّت کیسی
یہ دنیا ہے ان کی ملکیت
اس دنیا کی ایسی تیسی
نپٹو اب بپھری جنتا سے
کرنی دھرنی لے کر چاٹو
مٹھی بھر بھر کے دنیا میں

بوئی ہوا، بونڈر کاٹو

سنگینوں سے بندوقوں سے
تم نے کیے ہزاروں وار
باری ہے اب مزدوروں کی
"اک ٹھلو ہیا آڑو ہمار"

دب سٹھ سے کب کام چلا ہے
لوہا ہی لوہا کو کاٹے
ساتھی سنا نہیں کیا تو نے
سیدھے کا منہ کتا چاٹے
کھیتوں میں کھڑک کھمب میں
سب میں بیا ہے ہم ہشیار
انھیں ڈیوڑھیوں کے کھمبوں سے
لیں گے ہم نرسنگھ اوتار

بیکاری، بھوک مری، لڑائی
رشوت اور چور بازاری
بے بس جنتا کی یہ درگت
سب کی جڑ سرمایہ داری

ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا کر بھی
اپنی منزل سے بیگانے
آنکھ کے اندھے نام نین سکھ
ہم کو چلے ہیں راہ بتانے

آج بھی کھاتے داوں سے
صدیوں کا لیکھا ہم لیں گے
آلے دال کا بھاؤ کھلے گا
جس دم جمع خرچ سمجھیں گے
لال، جواہر، سونا، چاندی
کو منتانگ پہ کیا نچھاور
کیوں نہ ہو؟ ڈالر سامراج کا
ناچ رہا تھا بھوت جو سر پر
اس دولت سے امریکہ کا
جوبن اور سنوارا ہوتا
آج امریکہ ایک زمانے کی
آنکھوں کا تارا ہوتا
بینکوں، ملوں، کارخانوں کو
ہم جو ہاتھوں میں لے چلتے
دھن برسا دیتے ساتھی ہم
دیش کو سونے میں مڑھ دیتے

یو۔این۔او میں، یونیسکو میں
روس پہ دوش لگاتے جاؤ
کرکے بے حیا تقریریں تم
اپنی جھینپ مٹاتے جاؤ
جاپان اور پچھمی جرمنی
یونان، اٹلی، یوگوسلاویا
کشمیر اور نیپال اور تبت
ساؤتھ کوریا اور ملایا
توڑ پھوڑ میں حرج نہیں ہے
کچھ تو کریں جب جی للچائے
چور اگر چوری نہ کرے تو
ہیرا پھیری سے بھی جائے!

چین کو مت تسلیم کرو
یاروں نے ڈھب کیا کیا سوچے
ٹھیک تو ہے کھسیانی بلی
کچھ نہ بنے تو کھمبا نوچے

اب فارموسا پہ نظریں ہیں

گو یہ جگہ ہے نہایت چھوٹی
لیکن اب اس کو کیا کیجے
بھاگے بھوت کو بہت لنگوٹی
چین سے جب نکلے تو تم نے
ہند چین میں ٹانگ اڑائی
ڈٹ گئے نئے اکھاڑے میں تم
اور جو یہاں بھی منہ کی کھائی
مارشل ایڈ، ایٹلانٹک پیکٹ
خانے تڑ پڑ بھرتے جاؤ
اسی طرح دنیا بھر میں تم
گڑبڑ سڑبڑ کرتے جاؤ

وال اسٹریٹ کے بٹے بازو
کانپ جاؤ اس لشکر سے
ہٹلر، چیانگ کے اڑا دیے سر
جس نے اپنی ٹھوکر سے
جنگ سے تم کو لابھ ہوا جو
اس کو جوڑو اور شرماؤ
کنٹھ میں اٹکیں جیت کے دعوے
گنو اگر تم روس کے گھاؤ

تم نے ہٹلر کو شکست دی
کہتے شرم نہیں آتی؟
اتنے دانت تمھارے منہ میں!
جھوٹ کی آنکھیں ہیں جھک جاتی

زبردست جرمن فوجوں سے
لڑے اکیلے تم یا روس؟
جیتے ہوئے دشمن کو بھگاتے
برلن پہنچے تم یا روس؟
نگل لیے جانے پر کس نے
پیٹ اجگر کا پھاڑ دیا ہے؟
سب سے پہلے رائخس ٹاگ پر
کس نے جھنڈا گاڑ دیا ہے؟

آج روس پھنک جانے پر بھی
پنپ اٹھا ہے چہک اٹھا ہے
تم پر آنچ نہ آئی لیکن
باغ تمھارا سوکھ چکا ہے
دنیا بھر بازار ہے جس کا
اک منڈی ہیرا پھیری کی

اس امریکہ کی یہ حالت
یہ بے کاری دھت تیری کی

ٹھنڈی لڑائی آخر کب تک
اک دنیا سے رہے گی جاری
امن کے سچے دلداروں سے
بات نہ کی تم نے جھک ماری

دنیا ہاتھ نہیں آتی ہے
دنیا لے لی جاتی ہے
قسمت نہیں بدلتی ساتھی
قسمت بدلی جاتی ہے

دم میں رستا باندھ چکے ہیں
ٹھوکریں دیں گے، دھکا دیں گے
اس گھڑی ہم دم لیں گے جب
چور کو گھر تک پہنچا دیں گے

مزدوروں کی دنیا جاگی
کٹتے کٹتے رات کٹی
وہ آکاش کلس ہلتے ہیں
دھرتی نے کروٹ بدلی

اب کیوں دیر لگائیں ساتھی
اب تو کمر دشمن کی خم ہے
آدھی دنیا جیت چکے ہیں
اب تو منزل چار قدم ہے
دنیا نئی بسائیں گے ہم
سندر ساج سجا دیں گے ہم
دھنا سیٹھوں کے محلوں کی
اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے

دنیا جسے "آج" کہتی ہے
سنگم کئی جگوں کا ہے
بیتا ہوا "کل" اوروں کا تھا
آنے والا "کل" اپنا ہے
سرودے کے سکھ سپنے میں
کون پکار رہا ہے ساتھی؟
جیون ساگر نئی دشا میں
ٹھاٹھیں مار رہا ہے ساتھی
کوئی دن کی بات ہے ساتھی
مزدور اب مجبور نہیں ہے

جب ہو زمیں پر اپنی خدائی
ساتھی وہ دن دور نہیں

## نئی دنیا

روس چین کی کمپت کرنیں
نو بر بھارت کی آبھا لائیں
نو جگ کا سندیشہ لائیں

اتر، دکھن، پورب، پچھم
آگے، پیچھے، اوپر، نیچے
دیش دیش میں، دنیا بھر میں
توڑ رہی ہے دم تاریکی
سرخ سویرا ہونے کو ہے

بھارت کے آکاش میں ساتھی
اُدیا چل کی اوٹ سے ساتھی
وہ رکتم پو پھوٹ رہی ہے

انگڑائی توڑتا ایشیا
بند آنکھیں ملتا افریقہ
دمن دلت حبشی امریکہ
گہری نیند سے چونک اٹھے ہیں
دیش دیش میں جھاکرانتی کی
رن چنڈی جھنکار رہی ہے
سو بل کھاتی ہوئی کچل کر
یا ناگن پھپکار رہی ہے

کاریگر، مزدور، کسان
کڑیل اور گبرڈیل جوان
کاندھے سے کاندھا جوڑیں گے
دنیا پر دھاوا بولیں گے
دھرتی کا تختہ الٹیں گے
دنیا میں سرودے ہوگا
نیا سماج آنکھیں کھولے گا
نئی سبھیتا قائم ہوگی

ذرہ ذرہ جاگ اٹھے گا
قطرہ قطرہ جاگ اٹھے گا
پتہ پتہ جاگ اٹھے گا
* بوٹا بوٹا جاگ اٹھے گا

کونا کونا جاگ اٹھے گا
چپہ چپہ جاگ اٹھے گا
پتہ پتہ جاگ اٹھے گا دریا دریا جاگ اٹھے گا
قصبہ قصبہ جاگ اٹھے گا صحرا صحرا جاگ اٹھے گا
صوبہ صوبہ جاگ اٹھے گا جیون سپنا جاگ اٹھے گا

# انسان

قرنوں کے مٹانے سے مٹے ہیں نہ مٹیں گے آفاتِ زمانہ سے جھکے ہیں نہ جھکیں گے
ابھرے تو دبانے سے دبے ہیں نہ دبیں گے ہم موت کے مارے بھی مرے ہیں نہ مریں گے
ہم زندہ تھے، ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے
گو بحر و بر و چرخ مٹانے پہ تلے ہیں ابھرے ہوئے کہسار کے تیور بھی کڑے ہیں
بے درد عناصر بھی بہت بپھرے ہوئے ہیں بن بن کے مٹے جائیں گے مٹ مٹ کے بنیں گے
ہم زندہ تھے، ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے
تاریخ و تمدن سے بہت پہلے کے ادوار بے تیغ و سپر موت سے وہ جنگ وہ پیکار
وہ غولِ بیاباں وہ بہائم کئی خونخوار ایسے میں جیے ہیں تو کبھی ہم نہ مریں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

وہ شامِ بیاباں وہ سیہ خانۂ دوراں     ہم ششدر و حیران و پریشان و ہراساں
اک دل تھا لرزتا سا چراغِ تہِ داماں     کیونکر ہم اسیرانِ ستم صبح کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جو شاخ لچکتی ہے کڑکتی سی کماں ہے     جو چیز چمک جاتی ہے اک نوکِ سناں ہے
ایک ایک کرن تاروں کی ناگن کی زباں ہے     ہر لحظہ یہی خوف کہ اب کے نہ بچیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

انسان ہے اور چار طرف وادیٔ پرخار     پُرہول مناظر کا وہ ماحول شرر بار
وہ بولتے سنّاٹے وہ زندانِ شب تار     کمزور ہیں پر جبرِ مشیت سے لڑیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

اک اجنبی سنسار یہ کوہ و بیاباں     دریائے شبِ تار کے اٹھتے ہوئے طوفاں
وہ اڑتے ہوئے اژدہے وہ شامِ غریباں     ظلمت کدۂ غیر کو مانوس کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

فیلوں کی وہ چنگھاڑ وہ شیروں کی دہاڑیں     پڑتی تھیں گھٹاٹوپ اندھیرے میں دراڑیں
روتی تھی شبِ تار کہیں مار کے دھاڑیں     انسان تو کیا ہوش فرشتوں کے اڑیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جھکڑ وہ ہوا کے وہ فضاؤں کی ڈکاریں     صحرائے شب اور کانپتے سایوں کی قطاریں
سہمے ہوئے انساں کی وہ چیخیں وہ پکاریں     افلاک جس انسان کے قدموں پہ جھکیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

وہ گھور اندھیرا جو زمانے کو نگل جائے     وہ رات بھیانک دلِ ارجن بھی دہل جائے
وہ شور کہ محور سے زمیں چیخ کے ٹل جائے     جل تھل چل اچل دشت و جبل کانپ اٹھیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

کچھ پوچھو نہ فطرت کا جو برتاؤ تھا ہم سے ہر لمحہ پیچھے پڑتے تھے سو کوہ الم سے
دل کی نہ بجھی شمع کبھی دامنِ غم سے ہستی کے نشاط اپنی مرادوں سے پلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

روشن تھا اسی شمع سے راتوں کا اندھیرا جاگ اٹھتے تھے جب غاروں میں ہنستا تھا سویرا
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را قدرت کے ہر اک جور پہ ہم خوب ہنسیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

اے روحِ زمیں، روحِ زماں، روحِ مکاں جاگ اے جانِ جہاں جانِ جہاں جانِ جہاں جاگ
از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں جاگ ہم شاہدِ تاریخ کو بیدار کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

● ●

جب دشت نوردی کے منازل سے بڑھ آئے گر خانہ بدوشی کو زراعت کے سکھائے
پرامن سکونت کے لیے گاؤں بسائے کل اپنے ہی قدموں کے تلے شہر اگیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

دھرتی کو سنوارا تو سنورتے گئے خود بھی فصلوں کو ابھارا تو ابھرتے گئے خود بھی
فطرت کو نکھارا تو نکھرتے گئے خود بھی نت اپنے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

بے فیضیٔ فطرت کا نہ رونا ہے نہ دھونا مٹی کی زمیں بھی تو اگلنے لگی سونا
سوئی ہوئی دھرتی کو ہے کچھ اور ہی ہونا منزل کو جگا دیں گے جہاں پاؤں دھریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

ان وادیوں کو جن میں نہیں بارشِ رحمت ان گھاٹیوں کو جن میں اڑے گرد کدورت
ان کھاڑیوں کو جن میں نہیں بوئے لطافت ہم اہلِ زمیں رشکِ فردوس کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

اب وقت کے سینے میں چٹکنے لگیں کلیاں اب رنگ پہ آئے ہیں فضاؤں کے گلستاں
شبنم کی کھنک، گل کی دمک صورتِ ہزاراں ہم خود ہی گل و بلبل و صیاد بنیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

القصہ زمانے کو پڑی اس کی ضرورت بٹ جائے کئی طبقوں میں انسان کی ملت
تہذیب بڑھے اس لیے وہ جس کی ہے کثرت گردن پہ جو بار غلامی کا دھریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

طبقوں کا وہ ٹکراؤ، مفادوں کا تصادم وہ شاہد تاریخ کے سینے کا تلاطم
آنکھوں میں وہ کچھ اشک وہ ہونٹوں پہ تبسم تفریق و تفاوت سے بہت کام بنیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

تہذیب کو پروان چڑھایا ہے ہمیں نے تاریخ کو ہر درس پڑھایا ہے ہمیں نے
سیاروں کی گردش کو بڑھایا ہے ہمیں نے اب شمس و قمر اپنے اشاروں پہ چلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

ویران کو ذی شان بنایا ہے ہمیں نے دھرتی کو پرستان بنایا ہے ہمیں نے
انسان کو انسان بنایا ہے ہمیں نے کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

سو رنگ سے دنیا کو ہم آباد کریں گے ہر گام پہ دنیا نئی ایجاد کریں گے
ہم اس کو سہاگن کی طرح شاد کریں گے دھرتی کی ہمیں اجڑی ہوئی مانگ بھریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

سانچی کے وہ فن کار اجنتا کے قلم کار وہ تاج محل حسن کا وہ جادوئے بیدار
عہد قطب الدیں کا فلک بوس وہ مینار دنیا کو اک آئینہ تہذیب کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

اجداد ہمارے تھے سدھارے جو عدم کو ہیں اب بھی بنائے ہوئے ماضی کے بھرم کو
افریقہ میں ایران میں یا چین میں ہم کو ڈھونڈو گے تو اجڑے ہوئے کھنڈروں میں ملیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جب مصر کی تہذیب پہ منڈلائے گی ظلمت ساتھ اپنے چلی جائے گی اہرام کی حرمت
ہم ابنِ براہیم بصد کلفت و حسرت جب نیل کی وادی کی زمیں چھوڑ چلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

دنیا میں ہیں کنگال بھی اور اہلِ دول بھی ہے تاک میں دونوں ہی کے صیادِ اجل بھی
دنیا کا ہے یہ رنگ تو کیا راج محل بھی راتوں کو کپل وستو سے منہ موڑ چلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

یونان کی مٹی ہوئی عظمت کا زمانہ کچھ روزوں میں ہو جائے گا اک خوابِ شبانہ
جب موت کا وہ ڈھونڈھ رہی ہوگی بہانہ ایتھنس کے زندان میں ہم زہر پئیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جب روم کی تہذیب زمانے میں سجے گی جب سینۂ جمہور میں اک آگ لگے گی
جب دیکھیں گے اس آگ سے دنیا نہ بچے گی کوہوں سے پکاریں گے صلیبوں پہ چڑھیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

پلٹیں کے عرب میں بھی تمدن کے قرینے سن کر نئی آواز دھڑکتے ہوئے سینے
تاب اس کی نہ لائیں گے تو مکے سے مدینے اس مصلحتِ غیب سے ہجرت بھی کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

آندھی کی طرح اٹھیں گے ساسانی و تاتار تو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑا دیں گے وہ کہسار
لگ جائیں گے ہر چار طرف لاشوں کے انبار سو رنگ سے ہم قاتل و مقتول بنیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جاگیر کے یہ دور تھے گہوارۂ تہذیب ساملتی زمانے کے وہ آئین واسالیب
حکمت حکما کی علما کی بھی وہ تادیب یہ بابِ اہم زینت تاریخ بنیں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندو رہیں گے

ادوار غلامی تھے یہ کس شان کے لے دوست سو طرح سے مٹتے رہے بنتے رہے لے دوست
ساونت بھی کمزور سے اب پڑ چلے لے دوست سرمایہ کے دنیا میں علمدار بڑھیں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

• •

نکلا جو یہ بیڑا تو ممالک، بر اعظم آتے گئے سب زد میں مچا ہر طرف اودھم
یہ صاحب سرمایہ ہیں وہ فاتح عالم آزادیٔ اقوام کی سیتا جو ہریں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

اب چین، عرب، ہند، حبش خطۂ ایراں تپتے ہوے افریقہ کے وہ شہر و بیاباں
جولانگہ سرمایہ بنیں گے ـــ یہ رجز خواں سالاریٔ اقوام کا دعویٰ بھی کریں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

فتنے یہ جگا دیں گے جہاں پاؤں دھریں گے یہ سبز قدم باغ جہاں روند چلیں گے
آئے تو یہ جانے کا کبھی نام نہ لیں گے یہ مان نہ مان آپ کے مہمان بنیں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

لیکن ادب علم نئی کروٹیں لیں گے اب زیر نگیں بحر و بر و چرخ کریں گے
فطرت کے اب اسرار پر اسرار کھلیں گے قدرت پہ فتوحات بشر اور بڑھیں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

لیکن ادب و علم نئی کروٹیں لیں گے اب زیر نگیں بحر و بر و چرخ کریں گے
فطرت کے اب اسرار پر اسرار کھلیں گے قدرت پہ فتوحات بشر اور بڑھیں گے
ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

ساوتی زمانے سے ہے بڑھ کر یہ زمانہ — کھلتا ہے نہاں خانۂ فطرت کا خزانہ
اب گیسوئے دوراں نہیں منت کش شانہ — ماضی کی نگاہوں کو یہ دن خیرہ کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

سائنس کے یہ معجزے ایجادوں کے یہ دور — دنیا کے سب آئین تمدّن کے سبھی طور
بدلیں گے ابھی اور ابھی اور ابھی اور — تاریخ کی رفتار بہت تیز کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

پہیوں کی دھمک لاکھوں مشینوں کا وہ چلنا — وہ انجنوں کا چیخ کے انگارے اگلنا
وہ بھٹیوں سے آگ کے فوارے اچھلنا — دہلے گی زمیں کنگرۂ چرخ ہلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

کردیں گے ہم ایک ان کے لیے خون پسینا — ہم کام کیے جائیں گے مارے ہوئے پیتا
آثار بتاتے ہیں پلٹنے کو ہے پاسا — گھورے کے بھی دن کہتے ہیں اک روز پھریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

• •

کل پرزوں کی رفتار میں ہے برق کی سرعت — اب دیکھتے ہی دیکھتے آئے گی یہ نوبت
سامان کی افراط خریدار کی قلت — بازار نئے ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

بازاروں کی خاطر وہ بڑی جنگ چھڑے گی — دنیا کے کئی حصّوں میں اک آگ لگے گی
اس جنگ میں مزدوروں کی تقدیر کھلے گی — سرمایہ پرست اک نئی آفت میں پڑیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جب سست سا پڑ جائے گا توپوں کا دھماکا — ساحل کے قریں آئے گا جب جنگ کا بیڑا
لینن کے ہاتھوں سے پلٹ جائے گی کایا — اب نام و نشاں زار کے مٹی میں ملیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

ہم اب اُفقِ روس سے ہوتے ہیں نمایاں — دنیا کے لیے ہے یہ نئی صبح بہاراں
اب اک نئی تہذیب ہے جلوہ دہِ دوراں — تاریخ و تمدّن کے نئے باب کھلیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

انسان کی وحدت کبھی طبقوں میں بٹی تھی — تا دیر یہ تقسیم رہی شرطِ ترقی
سائنس نے اب اس کی ضرورت ہی مٹا دی — اس دور میں سب چھوٹے بڑے ایک بنیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

جب روس کے مطلع سے ہوا نور کا تڑکا — سرمایہ پرستی کا چراغ اور بھی بھڑکا
ہٹلر کا گرجنا ہے کہ بجلی کا ہے کڑکا — سن کر برِ اعظم بھی جسے کانپ اٹھیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

وہ جنگ پھر اس دور میں ہو جائے گی برپا — تاریخِ بشر یاد نہ آ جائے تو کہنا
ایام جوانی میں تجھے دودھ چھٹی کا — یہ کہتے ہوئے آگ میں ہم کود پڑیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

افلاک کی تدبیر انھیں مار چکی ہے — دیوار کی تحریر انھیں مار چکی ہے
جمہور کی تقدیر انھیں مار چکی ہے - اب امن ہو یا جنگ یہ جیتے نہ بچیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

اب ظلم کے ایوان کی بنیاد ہلے گی . اس زلزلے میں اینٹ سے یوں اینٹ بجے گی
کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دے گی — گھبراتے ہوئے کنگرے اس گھر کے گریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

ہم وارثِ مستقبل و تقدیرِ زماں ہیں — ہم منزلِ مقصودِ جہانِ گزراں ہیں
ہم اپنی کہانی بحدیثِ دگراں ہیں — کچھ کر کے دکھا جائیں گے کیا یاد کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

رن جیت کے چھوڑیں گے یہ پیمان ہے اپنا
اس عصر کا ہمزاد نگہبان ہے اپنا
تسخیر قضا و قدر ایمان ہے اپنا
ہم ہیں وہ مجاہد کہ مشیت سے لڑیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

لو جنگ دوم ختم ہوئی اب وہ زمانا
آتا ہے جسے اپنے ہی ہاتھوں سے بنانا
اس جنگ کے وہ تلخ سبق بھول نہ جانا
بھولیں گے اگر ان کو تو جوکھوں میں پڑیں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

وہ ہند کی تہذیب و تمدن کے زمانے
افسانہ در افسانہ ہیں یارو یہ فسانے
سلطانیٔ جمہور سے گا گا کے ترانے
پھر ہند کے قالب میں نئی روح بھریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

ہم عصر کو ہیں تیرے پیام اے نئی دنیا
روشن ہوئے تیرے در و بام اے نئی دنیا
یہ سرخ سویرا ہے سلام اے نئی دنیا
جب دیکھیں گے تجھ کو تو ہمیں یاد کریں گے

ہم زندہ تھے ہم زندہ ہیں ہم زندہ رہیں گے

# تقسیمِ دولت

اے اہلِ طرب رنج و الم بانٹ رہا ہوں
خوشیاں بھی ہوں قربان وہ غم بانٹ رہا ہوں
اک شعلۂ اعجاز رقم بانٹ رہا ہوں
ہے نوک پہ جادو وہ قلم بانٹ رہا ہوں
ہے موت سے بھی سازو وہ ہوں زندۂ جاوید
امرت کے اڑیں ہوش وہ سم بانٹ رہا ہوں

چھیڑی وہ غزل میں نے کہ ہیں وجد میں گزین    اور یوں تو کوئی کیف نہ کم بانٹ رہا ہوں
ہے سکنِ آہوئے ختن ہر دل پہ کیف    جادو بھری آنکھوں کا بھرم بانٹ رہا ہوں
پڑتی ہیں سرِ عالمِ اسرار کمندیں    لہرائی ہوئی زلف کے خم بانٹ رہا ہوں
افکار مرے جیسے گئے سینۂ آفاق    اشعار ہیں یا تیغِ دو دم بانٹ رہا ہوں
اس پردۂ آواز سے پو پھوٹ رہی ہے    فردا کے جلوسوں کے علم بانٹ رہا ہوں
یہ مہر و وفا کے جو سناتا ہوں ترانے    اے دوست ترے لطف و کرم بانٹ رہا ہوں
کروٹ نئی لیتے ہیں زمانے کے ارادے    دنیا میں نئے قول و قسم بانٹ رہا ہوں
کھاتا ہوں تہمتنانِ جمہور کی سوگند    میں سلطنتِ قیصر و جم بانٹ رہا ہوں
چونکا نہ دیں ایمان کو یہ کفر کے تحفے    بول اٹھنے کو ہیں جو وہ صنم بانٹ رہا ہوں
لیتی ہے مری بات کو کچھ یہ نئی دنیا    جیسے کوئی انمول رقم بانٹ رہا ہوں
اشعار کی یہ چستیٔ بندش ہے بہانہ    اے دوست تری شوخیٔ رم بانٹ رہا ہوں
یہ نغمہ سرائی ہے کہ دولت کی ہے تقسیم    انسان کو انسان کا غم بانٹ رہا ہوں
جس نے مرے وجدان میں بٹتے ہیں خیالات    جمہور میں وہ ناز و نعم بانٹ رہا ہوں
انفاسِ خزاں دیدہ کو شعلوں میں بسا کے    ویرانوں کو گلزارِ ارم بانٹ رہا ہوں
پیشانیٔ مستقبلِ انساں ہے منور    وہ شعلے سرِ دیر و حرم بانٹ رہا ہوں
اے اہلِ عرب آؤ ان اشعار کو پرکھو    کچھ سوچ کر میراثِ عجم بانٹ رہا ہوں
معیارِ سخن اس سے چمک جائے تو ہے بات    جس دولتِ افکار کو کم بانٹ رہا ہوں
ہر دیدۂ مشتاق میں شبنم کی جھلک ہے    آنکھوں میں جو پنہاں ہے وہ نم بانٹ رہا ہوں
خلاقِ تمدن ہے یہی نیستیٔ عشق    ہستی کو میں پیغامِ عدم بانٹ رہا ہوں
اشعار ہیں یا گنجِ گراں مایۂ فطرت    نغموں کے وہ دینار و درم بانٹ رہا ہوں
یہ تلخ نوائی مری ضامن ہے بقا کی    جو جانِ کرم ہے وہ ستم بانٹ رہا ہوں
تعمیر کریں گے نئی دنیا نئی دنیا    کمزوروں میں وہ زورِ ہمم بانٹ رہا ہوں

ہر چیز کا چولا ہی بدل دوں گا سرے سے — سنسار کو اک اور جنم بانٹ رہا ہوں
دنیا کو نئے دور کی دیتا ہوں بشارت — یا اک نئی تقدیرِ امم بانٹ رہا ہوں
کل جن سے بدلنے کو ہے تقدیر بشر کی — میں آج وہ افکارِ اہم بانٹ رہا ہوں
اے اہلِ ادب آؤ یہ جاگیر سنبھالو — میں مملکتِ لوح و قلم بانٹ رہا ہوں

کھلتا ہی نہیں مجھ پہ فراقؔ اپنی غزل سے
کیا کیا اثرِ شادی و غم بانٹ رہا ہوں

# تلاشِ حیات

مہر کے گرد یہ زمیں — کر چکی اک طواف اور
قلبِ زماں مکاں میں آج — پڑ گیا اک شگاف اور

گنگ و جمن نے کروٹیں — بدلیں چمکتے درد سے
ہلتی ہیں رات کی لٹیں — موجِ ہوائے سرد سے

ایک چھپی ہوئی لکیر — شرق سے دے رہی ہے لو
کانپتے ہیں کرن کے تیر — چرخ پہ پھٹ رہی ہے پَو

جان فضا میں پڑ چلی　　سینوں سے وہ اٹھا دھواں
رات کٹی، سحر ہوئی　　دوڑیں رگوں میں بجلیاں

جن پہ گراں جمود تھا　　ذرّے وہ تلملا اٹھے
جھوم کے چل پڑی ہوا　　غنچے بھی مسکرا اٹھے

خواب سے آبشاروں نے　　چونک کے آنکھیں کھول دیں
چشمے اچھل اچھل پڑے　　نہریں ابل ابل پڑیں

سوگئی تھی پڑے پڑے　　جیسے ہو ماتی نیند کی
خوابِ گراں سے موت کے　　جاگ اٹھی ہے زندگی

ہند کے گھونگھٹوں تلے　　کتنی سہانی آگ ہے
صبح کو ماں کے ماتھے پر　　آج نیا سہاگ ہے

آج وطن کے نونہال　　پھرتے ہیں مائلِ سفر
آنکھوں میں ہیں وہ ماہ وسال　　غیب ہے جن سے بے خبر

اٹھ پڑے ہو تو اہلِ ہند　　بڑھتے ہی رہنا کام ہے
کھوٹ نہ ہو رہِ حیات　　تم سے یہی پیام ہے

نیل گگن کی چوٹیاں　　تم کو بلا رہی ہیں آج
سازِ حیات وادیاں　　تم کو سنا رہی ہیں آج

پوچھو نہ اہلِ کارواں    اگلا کہاں پڑاؤ ہے
ہوں گے نہ جانے کل کہاں    آج تو چل چلاؤ ہے

سوچو نہ جی میں یہ کہیں    چھاؤں ملے تو بیٹھ جائیں
زیرِ سما و بر زمیں    چھاؤں ملے تو بیٹھ جائیں

نام مقام کا نہ لو    بڑھتے ہی جاؤ صبح و شام
نام قیام کا نہ لو    تم ہو مسافرِ دوام

یاد رہے تمھیں کہ تم    ہند کی زندہ خاک ہو
تم پہ ہوں رحمتیں کہ تم    خاک بھی ہو کے پاک ہو

دیکھیے کاروانوں کو    آتی ہیں کب وہ منزلیں
چرخ سے بدگمانوں کو    اپنے جہاں سپتے ہیں

سینے میں آگ، ہاتھ میں    لے کے عنانِ دو جہاں
کون و مکاں ہیں ساتھ میں    بڑھتا چلا ہے کارواں

منزلیں کاٹتے چلو    راہ رو و بڑھے چلو
نغمہ بلب بڑھے چلو    رقص کناں چلے چلو
کھوٹی نہ ہو رہِ وفا    جو بھی پڑے سہے چلو
آنکھوں میں کاٹنی ہے رات    قصۂ غم کہے چلو
ہوش چھٹا تو غم نہیں    جھومتے جھامتے چلو

جیب سکون و صبر کو    پھاڑے چلو سیے چلو
پھول نہیں تو داغوں سے    دامنِ دل بھرے چلو
تاروں کو چھیڑتے بڑھو    خاک بھی چھانتے چلو
موت ملے جو راہ میں    موت کو بھی لیے چلو
اٹھ پڑو آندھیوں کی طرح    سیں نا بڑھے چلو
دل نہیں تم کو کہ بیٹھ جاؤ    درد ہو تم اٹھے چلو
آبِ خضر ہے بوند بوند    جام اجل پیے چلو
اپنے ہی دل کی آگ میں    ڈوبتے تیرتے چلو

تلوؤں سے ٹھنڈی دھرتی کو    آنچ سی کچھ دیے چلو
راہِ سفر کے ذرّوں کو    اذن حیات دیے خیلو
ہاں یوں ہی آنکھوں آنکھوں میں    موت کو تولتے چلو
کون و مکاں کی سرحدیں    توڑتے تاڑتے چلو
سوکھی ہیں زیست کی جڑیں    اشکوں سے سینچتے چلو
نخلِ مراد کو یوں ہی    آبِ حیات دیے چلو
چاند سے کیف، رمزیت    رات سے چھینتے چلو
موت کی نیند اچاٹ دو    تم کی صدا دیے چلو
عمق میں بطنِ گیتی کے    حیات ڈھونڈتے چلو
ممات کے بھی اوٹ میں    حیات ڈھونڈتے چلو

مسل گیا ہے چرخ راہیوں کے جو دلِ تپاں
ہنوز لو سی دے رہی ہیں تاروں کی بھی چٹکیاں

یمن یمن ، عدن عدن　　کلی کلی ، چمن چمن
بسوز عشق شعلہ زن　　بسازِ حسن گل بدن
بہ مشکِ آہوئے ختن　　بہ گیسوئے شکن شکن
بہ شیریں و بہ کوہ کن　　بہ داستانِ نل دمن
بہ نرگس پیالہ زن　　بروئے صاعقہ فگن
بہ ہر نفس ، بہ ہر سخن　　بہ ہائے وہوئے ما و من
زمیں زمیں ، زمن زمن　　سفر سفر ، وطن وطن
بذیر ساز و بت شکن　　بہ ذوقِ شیخ و برہمن
بہ حق بہ کفر شعلہ زن　　بہر خدا و اہرمن
حیات ڈھونڈتے چلو
حیات ڈھونڈتے چلو

صدائے صلح و جنگ میں　　سکوت خاک و سنگ میں
جہانِ رنگ رنگ میں　　امنگ میں ترنگ میں
جوانیوں کی آگ میں　　محبتوں کے راگ میں
لگاؤ اور لاگ میں　　حسینوں کے سہاگ میں
شفق شفق جمال میں　　اڑے اڑے گلال میں
فراق میں وصال میں　　طوافِ ماہ و سال میں
جھکی پلک کی چھاؤں میں
رسیلی نرم اداؤں میں

خنک خنک ہواؤں میں　　ستاروں کی سبھاؤں میں
دھواں دھواں گھٹاؤں میں　　کھلی کھلی فضاؤں میں
اندھیری گھپ گپھاؤں میں　　جو ڈس لیں ان بلاؤں میں

## حیات ڈھونڈھتے چلو
## حیات ڈھونڈھتے چلو

افق افق جبینوں میں
چراغ پاش سینوں میں
چمن چمن حسینوں میں — جہاں کہ نازنینوں میں
دلوں کے آب گینوں میں — جبیں کی نرم چینوں میں
زمین کے دفینوں میں — دل فلک کے کینوں میں
اندھیری کائناتوں میں — سیاہ پوش راتوں میں
جھکی نظر کی باتوں میں — اجل کی گہری گھاتوں میں
چھلکنے والے زہر میں — چڑھنے والی لہر میں
چھلکنے والے زہر اور چڑھنے والی لہر میں
ہر ایک جبر اور ڈھائے جانے والے قہر میں
حیات ڈھونڈھتے چلو
حیات ڈھونڈھتے چلو

شفق کے مسکرانے میں — سحر کے گنگنانے میں
صبا کے چوم جانے میں — کلی کے رسمسانے میں
حیا کے رنگ لانے میں — کسی کے منہ چھپانے میں
سرشک ڈبڈبانے میں — دلوں کے بیٹھ جانے میں
فلک کے قہر ڈھانے میں — قیامتیں اٹھانے میں
سما کے نرم لوچ میں — شجر حجر کے سوچ میں

## حیات ڈھونڈھتے چلو
## حیات ڈھونڈھتے چلو

بہ مستی و بہ کیف و کم — بہ ہمہ نشاط و ہر الم
جہاں جہاں، عدم عدم — جدا جدا، بہم بہم
ارم ارم، حرم حرم — خدا خدا، صنم صنم
بصوتِ نغمہ دم بہ دم — بہ مد و جزر زیر و بم
بہ خلوت و بہ جلوہ گہ — بہر ادا بہر نگہ

یہ میکدہ و بارگہ
بہر ثواب و ہر گنہ

گناہ میں ثواب میں جحیم و خلد زار میں — جمالِ شرمسار میں نگاہِ بے قرار میں
لبِ شگوفہ کار کے سکوتِ نغمہ بار میں — ہرے بھرے چمن کے اضطرابِ شعلہ دار میں
نکلتے بیٹھتے دنوں کے کیف بے خمار میں — لہکتے سبزہ زار میں ہوائے جوئے بار میں
تبسمِ شرار میں ترنمِ ہزار میں — بہار میں جنون کی قبائے تار تار میں
صنم کدہ بدوش ادائے پیکرِ نگار میں — وہ ساتگیں بدست نرگسِ سیاہ کار میں

لچکتی سی کمان کام دیو کے شکار میں — غمِ فراقِ یار اور حالِ سوگوار میں
قضا کی ہر سنوار اور قسمتوں کی مار میں — نشاط خیز نعرہ اور دکھ بھری پکار میں
جہاں کے گرم سرد میں خزاں میں اور بہار میں — ہر ایک لالہ زار میں ہر ایک دشتِ خار میں
بہار کے نکھار میں شباب کے ابھار میں — ابھرتے جوبن اور لہلہاتے قدِ یار میں
بھوؤں کی لوچ مارتی اپی اپی کٹار میں — سیاہ حلقہ حلقہ زلف کے بنفشہ زار میں
جمالِ مہ چکاں و عشوۂ ستارہ بار میں — سرکتے کھینچتے گھونگھٹوں میں شوخیٔ نگار میں

اُدا ادا کے گرد ساتِ رنگ کی پھوار میں  اُڑتے سیلِ نغمہ کے سکونِ بیقرار میں
چڑھاؤ میں اُتار میں نشے میں اور خمار میں  ہر ایک کارزار میں ہر ایک جیت ہار میں
حیات ڈھونڈتے چلو
حیات ڈھونڈتے چلو

کلی کی چٹکیوں میں
سنبل چمن کے طرہ میں حیات ڈھونڈتے چلو
دھڑکتے قلب قطرہ
اور سانس لیتے ذرّہ میں حیات ڈھونڈتے چلو
جہانِ عنصری کے
کاروبارِ روزمرہ میں حیات ڈھونڈتے چلو

بھری بھری گھٹاؤں میں فضا کی وہ اداسیاں  دھلی ہوئی ہوا میں زلفِ شب کی تھرتھراہٹیں
سکوت میں کسی کے پائے ناز کی وہ آہٹیں  گجر سے پہلے کائنات کی وہ کسمساہٹیں
وہ پو پھٹی جبینِ چرخ کی وہ جگمگاہٹیں  وہ رسمساتے گلشنِ سحر کی لہلہاہٹیں
کچھ اودی بدلیوں میں دھوپ کی وہ مسکراہٹیں  صبوحی پی کے روئے لالہ گوں کی تمتماہٹیں
شگوفہ چھوڑتی جوانیوں کی اچپلاہٹیں  لبوں کی پنکھڑی پہ تاروں کی وہ جھلملاہٹیں
وہ مد میں ڈوبے سینوں کی رسیلی گنگناہٹیں  نگاہِ شرمسار کی کرن کی لپلپاہٹیں
ردائے روز و شب کی وہ خموش سرسراہٹیں  ہوائے انقلاب کے پروں کی پھڑپھڑاہٹیں
چراغ نظم کہنہ کی اداس ٹمٹماہٹیں  زمین کی تہوں میں زلزلوں کی گڑگڑاہٹیں
نظامِ کائنات کی رگوں کی سنسناہٹیں
جہانِ فگن پیالے میں  اندھیرے میں اجالے میں

دہکتے آگ مارے ہیں    جوانیوں کے ہارے ہیں
جبینوں کے اجالے ہیں    سیاہ لٹ کے کالے ہیں
کٹھا کلی کی لوچ میں
کلائیوں کی موچ میں
فضا کی نرم سانس میں
ہر اک کھٹکتی پھانس میں

بسوز نفع و زیاں    بدررو سعی رائیگاں
بہ ارض اور بہ آسماں    زماں زماں، مکاں مکاں
برنگ سیلِ کارواں    رواں دواں، رواں دواں
مثال برق بے اماں    تپاں تپاں دماں دماں
بسازِ قلبِ عاشقاں    بسوز سینۂ تپاں
بہر عیاں و دبر نہاں    یقیں یقیں، گماں گماں
بشش جہات و لامکاں    اِدھر اُدھر یہاں وہاں
بساز دل بسوز جاں    بہ نیک و بد بہ ایں و آں
بہر پستہ و ہر نشاں    بہ ماندگاں و رفتگاں
بعزم عمر جاوداں    بہ رزم مرگ ناگہاں

دلوں کی دہکی آگ میں    جنوں کی مڑتی باگ میں
جوانیوں کی آہ میں    جمال بے پناہ میں
نگاہِ دل نواز میں    دلوں کے ساز باز میں
نگاہ بے نیاز کی ادائے دلنواز میں دلوں کے ساز باز میں
لجاتے مسکراتے آہوئے بہانہ ساز میں، نگاہِ نیم باز میں

حد انتشارِ غزنوی و گیسوئے ایاز میں نیاز اور ناز میں
نہ کٹنے والی ہجرِ یار کی شبِ دراز میں دلوں کے سوز و ساز میں
پلک کی اوٹ سے اشارۂ نگاہ ناز میں جنوں کی ترکتاز میں
جمالِ رنگ رنگ و نرگسِ کرشمہ ساز میں گناہ کے جواز میں
شعاعِ تیز و تند سے فضاؤں کے گداز میں ہوائے [illegible]ساز میں
ہر اک کھنکتے ساز میں ہر انکشافِ راز میں حقیقت و مجاز میں
سمندروں کی تہہ میں آسمانوں کے فراز میں ہر اک جہانِ راز میں
ہر اک غم اور شادی میں
فراق وادی وادی میں
حیات ڈھونڈتے چلو حیات ڈھونڈتے چلو

## حُسن کی دیوی سے

یہ رنگ رنگ جوانی چمن چمن پیکر
یہ غنچہ غنچہ تبسم قدح قدح گفتار

نگاہ پھول، لبِ نازنیں شعلۂ صہبا
شباب میکدہ بردوش و گلستاں بکنار

یہ ہے صدا کی کھنک یا ترنمِ سحری
یہ گام گام چراغاں یہ گرمیٔ رفتار

جماہی لیتے ہوئے بھی پیالہ زن ہر عضو
تمام نشہ ز سر تا قدم تمام خمار

بروں میں آئینہ در آئینہ بہارِ جناں
رگوں میں راگنیوں کی ملی جلی جھنکار

تناؤ مد بھرے سینے کا یہ کمر کا کٹاؤ
خطوطِ جسم سرنگی کے ہیں کھنچے ہوئے تار

ان انکھڑیوں میں جلیں جرمِ اولیں کے چراغ
لپک گناہ کے شعلوں کی ابروئے خمدار

یہ سب سہی مگر اللہ رے یہ معصومی
گنہ کو بھی کریں پاکیزہ حسن کے اطوار

یہ انگ انگ میں رس جس نظر نظر میں دعائیں
یہ بات بات میں امرت کی ہلکی ہلکی پھوار

فرازِ سینہ پہ رخشندہ دو مہِ کامل
وہ جسم چاندنی میں جیسے چھوٹتا ہوا انار

قدِ جمیل ہے یا کام دیو کی ہے کماں
نظر کے پھول گندھے تیر کرتے جاتے ہیں وار

کھلا کھلا شفقستانِ صبحِ پیکرِ ناز
یہ تہہ بہ تہہ موئے زلفِ سیاہ ابرِ بہار

خمِ ذقن ہے کہ ترشا ہوا کوئی کوندا
ازل کے کھلتے ہوئے گلستاں گلِ رخسار

افق سے کنپٹیوں کے پو سی پھٹتی ہوئی
دمکتی لوحِ جبیں صاف مطلعِ انوار

سڈول پن ہے غضب ساعدِ بلوریں میں
کہ ڈھل کے سانچے میں شعلے کو جیسے آئے قرار

لقائے ناز پہ پرچھائیاں سی پڑتی ہوئی
زہے یہ جلوؤں کی تجدید صورتِ تکرار

ہر ایک عضو ہے آئینۂ رخِ یزداں
بدن ہے شیشہ گرانِ غیاب کا شہکار

خرامِ ناز وہ اونچی کرے جو سطحِ حیات
نگاہِ ناز بڑھائے جو زندگی کا وقار

یہ چہرہ صبحِ بنارس یہ زلف شامِ اودھ
کمندِ پیکرِ نازک فضائے خلد شکار

ز فرق تا بقدم یہ تناسبِ اعضا
کہ بت تراشیِ یونان و پارس و ہند نثار

لطافتِ قدِ رعنا ریاضتِ تخلیق
صفائے عارضِ تر زندگی کی آئینہ دار

دہیں وہ کھا کے پچھاڑیں چمن میں توڑے دم
بدن کے لوچ کو دیکھے اگر نسیمِ بہار

نظر کے سامنے ہے حسن آنکھ اوجھل بھی
تمام لذتِ دیدار و حسرتِ دیدار

جو سن سکے کوئی ہر عضو بات کرتا ہے
نظر نظر ہے تکلم ادا ادا گفتار

ان انگلیوں کے اشاروں سے جل اٹھے کنول
ہے عشوہ عشوہ ضیا پاش ادا ادا گلبار

گواہِ دیدۂ مشتاق چہرہ ہے ہر عضو
جہاں سے دیکھیے پیکر تمام روئے نگار

کشش ہے حسن کی یا مرجعِ ہجومِ نگاہ
ہر انگ مرکزِ انگشت ہائے مردماں بسیار

شباب رنگ پہ ہے بولتا ہے طوطیِ ناز — صدا ابھرتی رگوں میں لہو کی یہ چہکار
بدن میں سر سے قدم تک چٹکتی ہیں کلیاں — زہے تبسّم ہر عضو رشکِ صبحِ بہار
نزاکتِ خطِ گردن سنہری حلقۂ نور — لطافتِ تنِ رعنا فزوں کا معیار
نہ آئینے کی ضرورت نہ چشمِ حیراں کی — بجائے خود تنِ رنگیں ہے جنتِ دیدار
بسی کرن ہے وہ آنکھوں میں جسکی تاب نہ لائیں — فرشتے عشق سے جن کو نہیں ذرا سروکار
جمال ہے کہ مجسّم کھنچی ہوئی اک الاپ — نشانِ نغمہ ہے ایک ایک خطِ جسمِ نگار
ملا جلا کے بھی جس کو کوئی نہ جان سکا — نگاہِ ناز وہ مانوس عالمِ اسرار
نگاہِ شوخ میں صدہا مطالبِ رنگیں — سکوتِ ناز میں صدہا معانیِ تہ دار
خدا ابھی سوچے جو شکلوں کی اصطلاحوں میں — یہی نقوشِ بدن ہوں گے سرمدی انکار
خیال کے بھی تو لفظوں میں عرض طول نہیں — انھیں کے ملنے سے پیدا ہوا یہ جسمِ نگار
شبِ وصال کٹے پھر بھی یہ کنوارا پن — تمام غنچۂ صنعت ہے کھلا ہوا بازار
یہ بے خودی نظر یہ فسوں کاریِ حسن — یہ خوابناکی جلوہ یہ جادوِ بیدار
صدائے ناز میں جیسے چمک ستاروں کی — وہ بات کرنے میں آواز کا چڑھاؤ اتار
کنار میں بھی اسے لے کے ڈھونڈتے رہیے — سپردگی کے بھی پہلو میں صد اداے فرار
فضا میں چونک اٹھیں اس کی جنبشِ لب پہ — پیامِ سرمدیِ حسن زندگی کی پکار
پیامِ وحدتِ انسانیت وہ آنکھوں میں — کہ کفر و دین بھلا بیٹھے کافر و دیندار
یہ دیدِ حسن کے لمحے برس برس کے ہیں دن — منائے جائیں بیک وقت جیسے کئی تہوار
ہر اک نگاہ میں اندیشہ ہائے دور و دراز — چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار
میانِ دارِ فنا حسن کے تصور کا — ہے نیم لمحہ بھی اک وقفۂ بقا آثار
وہی ہے حسن جو تاریخ کو معانی دے — وہی ہے عشق جو بن جائے زیورِ کردار
اسی کے زیرِ مژہ چل رہی ہیں تہذیبیں — ردائے نازِ تمدن کی ہے علم بردار
جو دستِ ناز چھوئے مرد کی جبینِ غمیں — کرے وہ ہر شکنِ کربِ زندگی ہموار

کریں نہ عظمتِ عورت کا ان سے اندازہ
تمام علم و عمل اس کی ماںتا پہ نثار

وہی تو معنئ معراج ہے جو قدموں پہ
جھکائے سر کو تو اونچا ہو مرد کا پندار

خدا گواہ کہ عورت ہے ملکۂ آفاق
یہ مہر و ماہ کواکب سب اس کے باج گزار

اسی کو ہم تو خدا کی سنوار کہتے ہیں
وہ دلنواز ادائے نظر کی اک جھنکار

جبیں سے تا کفِ پا روپ یوسفستاں ہے
وہ چہرے آئے نظر جسم ہے کہ شہرِ نگار

جمال پلتا رہا ہے شعورِ یزداں میں
نصیب عشق کہ صورت پکڑ گئے افکار

ڈرا ڈرا سا ہوں میں اپنی خوش نصیبی پہ
کہ اس کو چھین نہ لے مجھ سے گنبدِ دوّار

سناؤں کیا میں ندیم اپنی داستانِ حیات
کہ شرحِ دوزخ و جنت رہے ہیں لیل و نہار

فراقؔ ہم تو کہیں گے حیات پہ ایماں
ابھی جو لا نہ سکے اس کو دیکھ لیں اک بار

# رقص شب تاب

رات ہنس دیتی ہے بادیدۂ پرنم ساقی
بتیاں خونِ رگِ تاک کی جب جلتی ہیں
جگمگا اٹھتی ہے تاریکئ عالم ساقی
جب پیالوں میں چراغوں کی لَویں ڈھلتی ہیں

تھاپ پر تھاپ پڑی سازِ طرب پر ساقی
تا بہ نہہ گنبدِ افلاک گمک جاتی ہے
جھنک سے اٹھتی ہے جھنکار برابر ساقی
تیرگی رات کی رہ رہ کے کھنک جاتی ہے

آتی ہیں مدبھرے سنگیت کی لپٹیں ساقی — آگ آکاش کے سینے میں وہ دہکاتی ہوئی
انگلیاں ساز کے پردوں پہ رواں ہیں ساقی — اس جواں رات کے دل کی کسک اکساتی ہوئی

پھول جھڑتے ہیں سرِ فرش برابر ساقی — ساز کی آنچ پہ رخشندہ شراروں کا گماں
گرمئ رقص سے دہکے ہوئے پیکر ساقی — وہ پسینے کی جھلک دیتی ہوئی کاہکشاں

رقصِ شب تاب سے ہر عضو درخشاں ساقی — برقِ سیال چمکتی ہوئی شریانوں میں
جیسے یکبارگی ہو جائے چراغاں ساقی — جسمِ رنگیں کے لہکتے شگفتانوں میں

رقص میں پیکرِ رنگیں کا لچکنا ساقی — انگ کے لوچ میں کل راگنیاں جھومتی ہیں
یہ مدھر بول یہ کوندوں کا لپکنا ساقی — لالہ گوں ہونٹوں کو نغموں کی لویں چومتی ہیں

جلوہ گر روپ میں ہے نور کا تڑکا ساقی — کنول ان نازنیں ہاتھوں کے لٹاتے ہوئے چھب
جیسے دو چاندوں سے امرت کی ہو برکھا ساقی — رقصِ شب تاب وہ چھلکاتا ہوا جوبن رس

رس میں ڈوبی ہوئی آواز کی سرگم ساقی — سات رنگوں کی مچل قوس یہ باہنوں کی دھنک
یہ کھنکتی ہوئی پائل کی چھما چھم ساقی — رخِ گلرنگ یہ سنگیت کی یہ نرم دمک

شعلے جب رات کے سنگیت کی لو دیتے ہیں — جگمگا اٹھتی ہے پیشانئ دوراں ساقی
نغمے جب زیرِ فلک کانپ کے دم لیتے ہیں — جھلملا اٹھتا ہے تاروں کا چراغاں ساقی

جام اچھلتے ہیں چھلک جاتی ہیں سرشار فضائیں
آنکھیں جھپکاتی ہیں رہ رہ کے غم آلودہ ہوائیں
نغمے آواز کے سانچوں میں یہاں ڈھلتے ہیں
انکھیوں سے کے وہ اشارے کہ کنول جلتے ہیں

یہ شب افروز نواؤں کی چمک اے ساقی
رقص کے شعلوں میں چہروں کی دمک اے ساقی
زندگی اپنی جوانی پہ خود اتراتی ہوئی
جیسے آئینہ در آئینہ نکھار آتی ہوئی

موہنی روپ کے سنگیت کا جادو اے ساقی
دلِ بیتاب بدلتے ہوئے پہلو ساقی
آئینہ زیر و بم رقص کا ہر عضوِ بدن
دیکھیں اب پڑتی ہے کس پہ نگہِ صاعقہ زن

گت میں اندازِ جہانِ گزراں ہے ساقی
بزم میں عود کی موجوں کا سماں ہے ساقی
سر کے پردوں سے کوئی دردِ نہاں اٹھتا ہے
صاف لہرے سے سرنگی کے دھواں اٹھتا ہے

رین سنگیت کے اب بھیگ چلے ہیں شعلے
تیرگی انگلیاں چٹخاتی ہے گیسو کھولے
سرنگوں ساز، گلے نور کے خم ہیں ساقی
برقِ آواز کی پلکیں بھی تو نم ہیں ساقی

رات لیتی ہے جماہی پہ جماہی ساقی
چور کتنی ہے تری نیم نگاہی ساقی
ہر نظر جاگے ہوئے تاروں کی السائی ہوئی
مد میں ڈوبے ہوئے سنگیت کو نیند آئی ہوئی

# جدائی

شجر حجر پہ ہیں غم کی گھٹائیں چھائی ہوئی
سُبک خرام ہواؤں کو نیند آئی ہوئی

رگیں زمیں کے مناظر کی پڑ چلیں ڈھیلی
یہ خستہ حالی، یہ درماندگی، یہ سنّاٹا

لویں فلک کے چراغوں کی جھلمِلائی ہوئی
فضائے نیم شبی بھی ہے سنسنائی ہوئی

دھواں دھواں سے مناظر ہیں شبنمستاں کے
سیاہ رات کی زلفیں ہیں رسمائی ہوئی

یہ رنگ تاروں بھری رات کے تنفس کا
کہ بوئے درد میں ہر سانس ہے بسائی ہوئی

خنک اداس فضاؤں کی آنکھوں میں آنسو
ترے فراق کی یہ ٹیس ہے اٹھائی ہوئی

سکوتِ نیم شبی گہرا ہوتا جاتا ہے
رگیں ہیں سینۂ ہستی کی تلملائی ہوئی

ہے آج سازِ نوا ہائے خونچکاں لے دوست
حیات تیری جُدائی کی چوٹ کھائی ہوئی

مری اِن آنکھوں سے اب نیند پردہ کرتی ہے
جو تیرے پنجۂ رنگیں کی تھیں جگائی ہوئی

سرشک پالے ہوئے تیرے نرم دامن کے
نشاط تیرے تبسم سے جگمگائی ہوئی

لٹک وہ گیسوؤں کی جیسے پیچ و تابِ کمند
لچک بھوؤں کی وہ جیسے کماں جھکائی ہوئی

سحر کا جیسے تبسم دمک وہ ماتھے کی
کرن سہاگ کی بِندی کی لہلہائی ہوئی

وہ انکھڑیوں کا فسوں روپ کی وہ دیویت
وہ سینہ روحِ نمو جس میں کسمسائی ہوئی

وہ سیج سانس کی، خوشبو کہ جس پہ نیند آئے
وہ قد گلاب کی اک شاخ لہلہائی ہوئی

وہ جھلملاتے ستارے ترے پسینے کے
جبینِ شام جوانی تھی جگمگائی ہوئی

ہو جیسے بتکدہ آذر کا بول اٹھنے کو
وہ کوئی بات سی گویا لبوں تک آئی ہوئی

وہ دھج وہ دلبری وہ کام روپ آنکھوں کا
سجل اداؤں میں وہ راگنی رچائی ہوئی

وہ خواب گاہ میں شعلوں کی کروٹیں دمِ صبح
وہ پھیر دیں تری بیداریوں کی گائی ہوئی

وہ مسکراتی ہوئی لطفِ دید کی صبحیں
تری نظر کی شعاعوں کی گدگدائی ہوئی

لگی جو تیرے تصور کے نرم شعلوں سے — حیاتِ عشق ہے اس آنچ کی تپائی ہوئی
ہنوز وقت کے کانوں میں جھنجھناہٹ ہے — وہ چاپ تیرے قدم کی سنی سنائی ہوئی
ہنوز سینۂ ماضی میں جگمگاہٹ ہے — دمکتے روپ کی دیپاولی جلائی ہوئی
لہو میں ڈوبی امنگوں کی موت روک ذرا — حریم دل میں چلی آتی ہے ڈھٹائی ہوئی
رہے گی یاد جواں بیوگی محبت کی — سہاگ راگ کی وہ چوڑیاں بڑھائی ہوئی
یہ میری پہلی محبت نہ تھی مگر اے دوست — ابھر گئی ہیں وہ چوٹیں دبی دبائی ہوئی
سپردگی و خلوصِ نہاں کے پردے میں — جو تیری نرم نگاہی کی تھیں بٹھائی ہوئی
اٹھا چکا ہوں میں پہلے بھی ہجر کے صدمے — وہ سانس دکھتی ہوئی آنکھ ڈبڈباتی ہوئی
یہ حادثہ ہے عجب تجھ کو پا کے کھو دینا — یہ سانحہ ہے غضب تیری یاد آئی ہوئی
عجیب درد سے کوئی پکارتا ہے تجھے — گلا رندھا ہوا آواز تھرتھرائی ہوئی
کہاں ہے آج تو اے رنگ و نور کی دیوی — اندھیری ہے مری دنیا لٹی لٹائی ہوئی

پہنچ سکے گی کبھی تجھ تک مری نوائے فراقؔ
جو کائنات کے اشکوں میں ہے نہائی ہوئی

## ہنڈولہ

دیارِ ہند تھا گہوارہ ـــــ یاد ہے ہمدم؟
بہت زمانہ ہوا ـــ کس کے کس کے بچپن کا

اسی زمین پہ کھیلا ہے رام کا بچپن
اسی زمین پہ ان ننھے ننھے ہاتھوں نے

کسی سمے میں دھنش بان کو سنبھالا تھا
اسی دیار نے دیکھی ہے کرشن کی لیلا
یہیں گھروندوں میں سیتا، سلوچنا، رادھا
کسی زمانے میں گڑیوں سے کھیلتی ہوں گی
یہی زمیں، یہی دریا، پہاڑ، جنگل، باغ
یہی ہوائیں، یہی صبح و شام، سورج، چاند
یہی گھٹائیں، یہی برق و رعد و قوس و قزح
یہیں کے گیت، روایات، موسموں کے جلوس
ہوا زمانہ کہ سدھارتھ کے تھے گہوارے
ان ہی میں آنکھ کھلی تھی اشوک اعظم کی
ان ہی نظاروں میں بچپن کٹا تھا وکرم کا
سنا ہے بھرتری ہری بھی انھیں سے کھیلا تھا
بھرت، اگست، کپل، ویاس، پاشی، کوٹلیہ
جنک، وششٹ، منو، والمیک، وشوامتر
کناد، گوتم و راما۔ انج، کمارل بھٹ
مہنجوڈارو، ہڑپا کے اور اجنتا کے
بنانے والے یہیں بلبوں سے کھیلے تھے

اسی ہنڈولے میں بھوبھوت و کالیداس کبھی
ہمک ہمک کے جو تتلا کے گنگناتے تھے
سرسوتی نے زبانوں کو ان کی چوما تھا
یہیں کے چاند و سورج کھلونے تھے ان کے
انہی فضاؤں میں بچپن پلا تھا خسرو کا
اسی زمیں سے اٹھے تان سین اور اکبر
رحیم و نانک و چیتنیہ اور چشتی نے
ان ہی فضاؤں میں بچپن کے دن گزارے تھے
اسی زمیں پہ کبھی شاہزادۂ خرم
ذرا سی دل شکنی پہ جو رو دیا ہوگا
بھر آیا تھا دل نازک تو کیا عجب اس نے
ان آنسوؤں میں جھلک تاج کی بھی دیکھی ہو
اہلیہ بائی، دمن، پدمنی و رضیہ نے
یہیں کے پیڑوں کی شاخوں میں ڈالے تھے جھولے
اسی فضا میں بڑھائی تھی پینگ بچپن کی
انہی نظاروں میں ساون کے گیت گائے تھے
اسی زمین پہ گھٹنوں کے بل چلے ہوں گے
ملک محمد و رسکھان اور تلسی داس

انہی فضاؤں میں گونجی تھی توتلی بولی
کبیر داس، تلکا رام، سور، میرا کی
اسی ہنڈولے میں ودیاپتی کا کنٹھ کھلا
اسی زمین کے تھے لال میر و غالب بھی
ٹھمک ٹھمک کے چلے تھے گھروں کے آنگن میں
انیس و حالی و اقبال اور وارث شاہ
یہیں کی خاک سے ابھرے تھے پریم چند و ٹیگور
یہیں سے اٹھے تھے تہذیب ہند کے معمار
اسی زمین نے دیکھا تھا بال پن ان کا
یہیں دکھائی تھیں ان سب نے بال لیلائیں
یہیں ہر ایک کے بچپن نے تربیت پائی
یہیں ہر ایک کے جیون کا بال کانڈ کھلا
یہیں سے اٹھتے بگولوں کے ساتھ دوڑے ہیں
یہیں کی مست گھٹاؤں کے ساتھ جھومے ہیں
یہیں کی مد بھری برسات میں نہائے ہیں
لپٹ کے کیچڑ و پانی سے بچپنے ان کے
اسی زمین سے اٹھے وہ دیش کے ساونت
اڑا دیا تھا جنھیں کمپنی نے توپوں سے

اسی زمین سے اٹھی ہیں ان گنت نسلیں
پلے ہیں ہند ہنڈولے میں ان گنت بچے
مجھ ایسے کتنے ہی گمنام بچے کھیلے ہیں
مجھ ایسے کتنے ہی گمنام مرد و زن اٹھے
اسی زمیں سے اسی میں سپرد خاک ہوئے
زمین ہند اب آرام گاہ ہے ان کی
اس ارض پاک سے اٹھیں بہت سی تہذیبیں
یہیں طلوع ہوئیں اور یہیں غروب ہوئیں
اسی زمین سے ابھرے کئی علوم و فنون
فراز کوہ ہمالہ، یہ رودِ گنگ و جمن
اور ان کی گود میں پروردہ کاروانوں نے
یہیں رموز خرام سکوں نما سیکھے
نسیم صبح تمدن نے بھیرویں چھیڑیں
یہیں وطن کے ترانوں وہ پویں پھوٹیں
وہ بے قرارِ سکوں زا، ترنم سحری
وہ کپکپاتے ہوے سوز و ساز کے شعلے
انہی فضاؤں میں انگڑائیاں جو لے کے اٹھے

لودوں سے جن کے چراغاں ہوئی تھی بزمِ حیات
جنھوں نے ہند کی تہذیب کو۔ زمانہ ہوا
بہت سے زاویوں سے آئینہ دکھایا تھا
اسی زمین پہ ڈھلی ہے مری حیات کی شام
اسی زمین پہ وہ صبح مسکرائی ہے
تمام شعلہ و شبنم مری حیات کی صبح
سناؤں آج کہانی میں اپنے بچپن کی
دل و دماغ کی کلیاں ابھی نہ چٹکی تھیں
ہمیشہ کھیلتا رہتا تھا بھائی بہنوں میں
ہمارے ساتھ محلے کی لڑکیاں لڑکے
مچائے رکھتے تھے بالک اودھم ہر ایک گھڑی
ہو ترنگ، اچھل پھاند کا یہ عالم تھا
محلہ سر پہ اٹھائے پھرے جدھر جدھر گزرے
ہمارے پیچھے اور شور گونجتے رہتے
چہار سمت محلے کے گوشے گوشے میں
فضا میں آج بھی لاریب گونجتے ہوں گے
اگرچہ دوسرے بچوں کی طرح تھا میں بھی
بظاہر اوروں کے بچپن کا سا تھا مرا بچپن
یہ سب سہی مرے بچپن کی شخصیت بھی تھی ایک
وہ شخصیت کہ بہت شوخ جس کے تھے خدوخال

ادا ادا میں کوئی شانِ انفرادی تھی
غرض کچھ اور ہی لچھن تھے میرے بچپن کے
مجھے تھا چھوٹے بڑوں سے بہت شدید لگاؤ
ہر ایک پہ میں چھڑکتا تھا اپنی ننھی سی جان
دل امڈا آتا تھا ایسا کہ جی یہ چاہتا تھا
اٹھا کے رکھ لوں کلیجے میں اپنی دنیا کو
مجھے ہے یاد ابھی تک کہ کھیل کود میں بھی
کچھ ایسے وقفے پر اسرار آ ہی جاتے تھے
کہ جن میں سوچنے لگتا تھا کچھ مرا بچپن
کئی معنیٔ بے لفظ چھونے لگتے تھے
بطونِ غیب سے میرے شعورِ اصغر کو
ہر ایک منظر مانوس، گھر کا ہر گوشہ
کسی طرح کی ہو کہیں بھی ہوئی ہر چیز
مرے محلے کی گلیاں، مکاں، در و دیوار
چبوترے، کنوئیں، کچھ پیڑ، جھاڑیاں، بیلیں
وہ پھیری والے کئی ان کے بھانت بھانت کے بول
وہ جانے بوجھے مناظر، وہ آسماں و زمیں
بدلتے وقت کا آئینہ گرمی و خنکی
غروب مہر میں رنگوں کا جاگتا جادو
شفق کے شیش محل میں گدازِ پنہاں سے

جواہروں کی چٹانیں سی کچھ پگھلتی ہوئی
شجر حجر کی وہ کچھ سوچتی ہوئی دنیا
سہانی رات کو مانوس رمزیت کا فسوں
علی الصباح افق کی وہ تھرتھراتی ہوئیں
کسی کا جھانکنا آہستہ پھوٹتی پو سے
وہ دوپہر کا سے درجۂ تپش کا چڑھاؤ
تھکی تھکی سی فضا میں وہ زندگی کا اتار
ہوا کی بنسیاں بنسواڑیوں میں بجتی ہوئی
وہ دن میں بڑھتے ہوئے سائے سہ پہر کا سکوں
سکوت شام کا جب دونوں وقت ملتے ہیں
غرض جھلکتے ہوئے سرسری مناظر پر
مجھے گمان پرستانیت کا ہوتا تھا
ہر ایک چیز کی وہ خوابناک اصلیت
مرے شعور کی چلمن سے جھانکتا تھا کوئی
لیے ربوبیتِ کائنات کا احساس
ہر ایک جلوے میں غیب و شہود کا وہ ملاپ
ہر اک نظارہ اک آئینہ خانۂ حیرت
ہر ایک منظرِ مانوس ایک حیرت زار
کہیں رہوں کہیں کھیلوں کہیں پڑھوں لکھوں
مرے شعور پہ منڈلاتے تھے مناظرِ دہر

میں اکثر ان کے تصور میں ڈوب جاتا تھا
وفورِ جذبے سے ہو جاتی تھی مژہ پرنم
مجھے یقیں ہے ان عنصری مناظر سے
کہ عام بچوں سے لیتا تھا میں زیادہ اثر
کسی سے مری طفلی رہی نہ بے پروا
نہ چھو سکی مری طفلی کو غفلتِ طفلی
یہ کھیل کود کے لمحوں میں ہوتا تھا احساس
دعائیں دیتا ہو جیسے مجھے سکوتِ دوام
کہ جیسے ہاتھ ابد رکھ دے دوشِ طفلی پر
ہر ایک لمحہ کے رخنوں سے جھانکتی صدیاں
کہانیاں جو سنوں ان میں ڈوب جاتا تھا
کہ آدمی کے لیے آدمی کی جگ بیتی
سے بڑھ کے کون سی شے اور ہو ہی سکتی ہے
انھی فسانوں میں پنہاں تھے زندگی کے رموز
انھی فسانوں میں کھلتے تھے رازہائے حیات
انھی فسانوں میں ملتی تھیں زیست کی قدریں
رموزِ بیش بہا شیوۂ آدمیت کے
کہانیاں تھیں کہ صد درس گاہِ رقتِ قلب
ہر اک کہانی میں شائستگیِ غم کا سبق
وہ عنصرِ آنسوؤں کا داستانِ انساں میں

وہ نل دمن کی کتھا، سرگزشت ساوتری
شکنتلا کی کہانی، بھرت کی قربانی
وہ مرگ بھیشم پتامہ، وہ سیج تیروں کی
وہ پانچوں پانڈوں کی سرگ یاترا کی کتھا
وطن سے رخصتِ سدھارتھ، رام کا بن باس
دنا کے بعد بھی سیتا کی وہ جلا وطنی
وہ راتوں رات سری کرشن کو اٹھائے ہوئے
بلا کی قید سے بسدیوں کا نکل جانا
وہ اندھکار، وہ بارش بڑھی ہوئی جمنا
غم آفریں کہانی وہ ہیر رانجھا کی
شعورِ ہند کے بچپن کی یادگارِ عظیم
کہ ایسے ویسے تخیل کی سانس اکھڑ جائے
کئی محیّرِ ادراک دیو مالائیں
ہت اپدیش کے قصے کتھا، سرت ساگر
کروڑوں سینوں میں وہ گونجتا ہوا آلھا
میں پوچھتا ہوں کسی اور ملک والوں سے
کہانیوں کی یہ دولت، یہ بے بہا دولت
فسانے دیکھ لو ان کے نظر بھی آتی ہے
میں پوچھتا ہوں کہ گہوارے اور قوموں کے
بسے ہوئے ہیں کہیں ایسی داستانوں سے؟

کہانیاں جو میں سنتا تھا اپنے بچپن میں
مرے لیے وہ نہ تھیں محض باعثِ تفریح
فسانوں سے مرے بچپن نے سوچنا سیکھا
فسانوں سے مجھے سنجیدگی کے درس ملے
فسانوں میں نظر آتی تھی مجھ کو یہ دنیا
غم و خوشی میں رچی پیار میں بسائی ہوئی
فسانوں سے مرے دل نے گھلاوٹیں پائیں
یہی نہیں کہ مشاہیر ہی کے افسانے
ذرا سی عمر میں کرتے ہوں مجھ کو متاثر
محلے ٹولے کے گمنام آدمیوں کے
کچھ ایسے سننے میں آتے تھے واقعاتِ حیات
جو یوں تو ہوتے تھے فرسودہ اور معمولی
مگر تھے آئینے اخلاق اور شرافت کے
یہ چند آئی گئی باتیں ایسی باتیں تھیں
کہ جن کی اوٹ چمکتا تھا دردِ انسانی
یہ وارداتِ نہیں رزمیے حیات کے تھے
غرض کہ یہ ہیں مرے بچپنے کی تصویریں
ندیم اور بھی کچھ خط و خال ہیں ان کے
یہ میری ماں کا ہے کہنا کہ جب میں بچہ تھا
میں ایسے آدمی کی گود میں نہ جاتا تھا

جو بدقوارہ ہو، عیبی ہو یا ہو بدصورت
مجھے بھی یاد ہے نو دس برس ہی کا میں تھا
تو مجھ پہ کرتا تھا جادو سا حسنِ انسانی
کچھ ایسا ہوتا تھا محسوس جب میں دیکھتا تھا
شگفتہ رنگ، تر و تازہ روپ والوں کا
کہ ان کی آنچ مری ہڈیاں گلا دے گی
اک آزمائشِ جاں تھی کہ تھا شعورِ جمال
اور اس کی نشتریت   اس کی استخواں سوزی
غم و نشاط، لگاوٹ، محبت و نفرت
اک انتشار، سکوں، اضطراب، پیار، عتاب
وہ بے پناہ ذکی الحسی وہ حلم و غرور
کبھی کبھی وہ بھرے گھر میں حسِ تنہائی
وہ وحشتیں مری ماحولِ خوشگوار میں بھی
مری سرشت میں ضدین کے کئی جوڑے
شروع ہی سے تھے موجود آب و تاب کے ساتھ
مرے مزاج میں پنہاں تھی ایک جدلیت
رگوں میں چھوٹتے رہتے تھے بے شمار انار
ندیم یہ ہیں مرے بال   پن کے کچھ آثار
وفور و شدتِ جذبات کا یہ عالم تھا
کہ کوندے جست کریں دل کے آبگینے میں

وہ بچپنا جسے برداشت اپنی مشکل ہو
وہ بچپنا جو خود اپنے پہ تیوریاں سی چڑھائے
ندیم ذکرِ جوانی سے کانپ جاتا ہوں
جوانی آئی دبے پاؤں اور یوں آئی
کہ اس کے آتے ہی بگڑا بنا بنایا کھیل
وہ خواہشات کے جذبات کہ امڈتے ہوئے
وہ ہونکتے ہوئے بے نام آگ کے طوفاں
وہ پھوٹتا ہوا جوالا مکھی جوانی کا
رگوں میں اٹھتی ہوئی آندھیوں کے وہ جھٹکے
کہ جو توازنِ ہستی جھنجھوڑ کے رکھ دیں
وہ زلزلے کہ پہاڑوں کے پیر اکھڑ جائیں
بلوغیت کی وہ ٹیسیں وہ کربِ نشو و نما
اور ایسے میں مجھے بیاہا گیا بھلا کس سے
جو ہو نہ سکتی تھی ہرگز مری شریکِ حیات
ہم ایک دوسرے کے واسطے بنے ہی نہ تھے
سیاہ ہو گئی دنیا مری نگاہوں میں
وہ جس کو کہتے ہیں شادیِ خانہ آبادی
مرے لیے ہوئی شادیِ خانہ بربادی
مرے لیے وہ بنی بیوگی جوانی کی
لٹا سہاگ مری زندگی کا مانڈو میں

ندیم کھا گئی مجھ کو نظر جوانی کی
بلائے جان مجھے ہو گیا شعورِ جمال
تلاشِ شعلۂ الفت سے یہ ہوا حاصل
کہ نفرتوں کا اگن کنڈ بن گئی ہستی
وہ حلق و سینہ و رگ رگ میں بے پناہ چھپا
ندیم جیسے نگل لی ہو میں نے ناگ پھنی
زعشق زادم و عشقم بکشت زار و دریغ
خبر نہ برد بہ رستم کسے کہ سہراب
نہ پوچھ عالم کام و دہن ندیم مرے
ثمر حیات کا جب راکھ بن گیا منہ میں
میں چلتی پھرتی چتا بن گیا جوانی کی
میں کاندھا دیتا رہا اپنے جیتے مرنے کو
یہ سوچتا تھا کہ اب کیا کروں کہاں جاؤں
بہت سے اور مصائب بھی مجھ پہ ٹوٹ پڑے
میں ڈھونڈنے لگا ہر سمت کچی جھوٹی پناہ
تلاشِ حسن میں، شعر و ادب میں، دوستی میں
رندھی صدا سے محبت کی بھیک مانگی ہے
نئے سرے سے سمجھنا پڑا ہے دنیا کو
بڑے جتن سے سنبھالا ہے خود کو میں نے ندیم
مجھے سنبھلنے میں چالیس سال گزرے ہیں

مری حیات تو وِش پان کی کتھا ہے ندیم
میں زہر پی کے زمانے کو دے سکا امرت
نہ پوچھ میں نے جو زہرابۂ حیات پیا
کوئی اتارے اس کو تو ہڈیاں اڑ جائیں
مگر ہوں دل سے میں اس کے لیے سپاس گزار
لرزتے ہاتھوں سے دامن خلوص کا نہ چھٹا
بچا کے رکھی تھی میں نے امانتِ طفلی
اسے نہ چھین سکی مجھ سے دست بردِ شباب
بقول شاعرِ ملکِ فرنگ ہر بچہ
خود اپنے عہدِ جوانی کا باپ ہوتا ہے
یہ کم نہیں ہے کہ طفلیٔ رفتہ چھوڑ گئی
دلِ حزیں میں کئی چھوٹے چھوٹے نقشِ قدم
مری انا کی رگوں میں پڑے ہوئے ہیں ابھی
نہ جانے کتنے بہت نرم انگلیوں کے نشاں
ہنوز وقت کے بے درد ہاتھ کر نہ سکے
حیاتِ رفتہ کی زندہ نشانیوں کو فنا
زمانہ چھین سکے گا نہ میری فطرت سے
مری صفا مرے تحت الشعور کی عصمت
تخیلات کی دوشیزگیٔ ردِ عمل
جوان ہو کے بھی بے لوث طفل وش جذبات

سیانا ہونے پہ بھی یہ جبلّتیں میری
یہ سرخوشی و غم بے ریا، یہ قلبِ گداز
بغیر بیر کے ان بن، غرض سے پاک تپاک
غرض سے پاک یہ آنسو، غرض سے پاک ہنسی
یہ وحشتِ دہر میں ہمدردیوں کا سرچشمہ
قبولیت کا یہ جذبہ، یہ کائنات و حیات
اس ارضِ پاک پہ ایمان، یہ ہم آہنگی
ہر آدمی سے ہر اک خوب و زشت سے یہ لگاؤ
یہ ماں کی گود کا احساس سب مناظر میں
قریب و دور زمیں میں یہ بوئے وطنیت
نظامِ شمس و قمر میں پیامِ حفظِ حیات
بچشمِ شام و سحر مامتا کی شبنم سی
یہ سازِ دل میں مرے نغمۂ انا لکونین
ہر اضطراب میں روح سکونِ بے پایاں
زمانۂ گزراں میں دوام کا سرگم
یہ بزمِ جشنِ حیات و ممات سجتی ہوئی
کسی کی یاد کی شہنائیاں سی بجتی ہوئی
یہ رمزیت کے عناصر، شعورِ پختہ میں
فلک پہ وجد میں لاتی ہے جو فرشتوں کو
وہ شاعری بھی بلوغِ مزاجِ طفلی ہے

یہ نشتریتِ ہستی یہ اس کی شعریت
یہ پتی پتی پہ گلزارِ زندگی کے کسی
لطیف نور کی پرچھائیاں سی پڑتی ہوئی
بہم یہ حیرت و مانوسیت کی سرگوشی
بشر کی ذات کہ ہر الو ہیت بہ جبیں
ابد کے دل میں جڑیں مارتا ہوا سبزہ
غمِ جہاں مجھے آنکھیں دکھا نہیں سکتا
کہ آنکھیں دیکھے ہوئے ہوں میں اپنے بچپن کی
مرے لہو میں ابھی تک سنائی دیتی ہیں
سکوتِ حزن میں بھی گھنگھروؤں کی جھنکاریں
یہ اور بات کہ میں اس پہ کان دے نہ سکوں
اسی ودیعتِ طفلی کا اب سہارا ہے
یہی ہیں مرہم کافور، دل کے زخموں پر
انہی کو رکھتا ہے محفوظ تا دمِ آخر
زمینِ ہند ہے گہوارہ آج بھی ہمدم
اگر حساب کریں دس کروڑ بچوں کا
یہ بچے ہند کی سب سے بڑی امانت ہیں
ہر ایک بچے میں ہیں صد جہانِ امکانات
مگر وطن کا حل و عقد جن کے ہاتھ میں ہے
نظامِ زندگیٔ ہند جن کے بس میں ہے

رویہ دیکھ کے ان کا یہ کہنا پڑتا ہے
کسے پڑی ہے کہ سمجھے وہ اس امانت کو
کسے پڑی ہے کہ بچوں کی زندگی کو بچائے
خراب ہونے سے مٹنے سے سوکھ جانے سے
بچائے کون ان آزردہ ہونہاروں کو
وہ زندگی جسے یہ دے رہے ہیں بھارت کو
کروڑوں بچوں کے مٹنے کا اک المیہ ہے
چرائے جاتے ہیں بچے ابھی گھروں سے یہاں
کہ جسم توڑ دیے جائیں ان کے تاکہ ملے
چرانے والوں کو خیرات مانگ بھیک کی
جو اس عذاب سے بچ جائیں تو گلے پڑ جائیں
وہ لعنتیں کہ ہمارے کروڑوں بچوں کی
ندیم خیر سے مٹی خراب ہو جائے
وہ مفلسی کہ خوشی چھین لے وہ بے برگی
اداسیوں سے بھری زندگی کی بے رنگی
وہ یاسیات نہ جس کو چھوئے شعاعِ امید
وہ آنکھیں دیکھتی ہیں ہر طرف جو بے نوری
وہ خشکی کہ جو پتھرا کے رہ گئی ہو ندیم
وہ بے دلی کہ ہنسی چھین لے جو ہونٹوں سے
وہ دکھ کہ جس سے ستاروں کی آنکھ بھر آئے

وہ گندگی، وہ کثافت مرض زدہ پیکر
وہ بچے چھن گئے ہوں جن سے بچپنے ان کے
ہمیں نے گھونٹ دیا جن کے بچپنے کا گلا
جو کھاتے پیتے گھروں کے ہیں بچے ان کو بھی کیا
سماج پھولنے پھلنے کے دے سکی سادھن
وہ سانس لیتے ہیں تہذیب کش فضاؤں میں
ہم ان کو دیتے ہیں بے جان اور غلط تعلیم
ملے گا علم جہالت نما سے کیا ان کو
نکل کے مدرسوں اور یونیورسٹیوں سے
یہ بدنصیب نہ گھر کے نہ گھاٹ کے ہوں گے
میں پوچھتا ہوں یہ تعلیم ہے کہ مکاری
کروڑوں زندگیوں سے یہ بے پناہ دغا
نصاب ایسا کہ محنت کریں اگر اس پہ
بجائے علم جہالت کا اکتساب کریں
یہ الٹا درسِ ادب یہ سڑی ہوئی تعلیم
دماغ کی ہو غذا یا غذائے جسمانی
ہر اک طرح کی غذا میں یہاں ملاوٹ ہے
وہ جس کو بچوں کی تعلیم کہہ کے دیتے ہیں
وہ درس الٹی چھری ہے گلے پہ بچپن کے
زمینِ ہند ہنڈولہ نہیں ہے بچوں کا

کروڑوں بچوں کا یہ دیس اب جنازہ ہے
ہم انقلاب کے خطروں سے خوب واقف ہیں
کچھ اور روز یہی رہ گئے جو لیل و نہار
تو مول لینا پڑے گا ہمیں یہ خطرہ بھی
کہ بچے قوم کی سب سے بڑی امانت ہیں!

# عشق اور موت

ایک پرانے کمرے میں
ہلکی ہلکی روشنی تھی
چھیڑا ہوا تھا سازِ طرب
تم بیٹھے تھے جہاں، گویا
اک تصویر حیات کی تھی
اور حیات کے عاشق کی
موت اک نغمہ گاتی تھی

مجھ کو خبر ہے تم اس وقت
کیا سنتے تھے، کیوں مڑ کر
میری طرف ہنس کر دیکھا
اک اڑتے ہوئے طائر کے
اجلے پروں کی صدائیں تھیں
تم اس طرح تھے خوش جیسے
سیر پسند کوئی بچہ

موت نے گایا "سو جاؤ
اپنے جنازے پر، اور پھر
منہ کو اٹھا لو اوپر کو،
مجھ سے کہا " تم ساتھ چلو
اور دیکھو آنسو نہ بہیں
اک سچے عاشق کی طرح
رقص کرو اور گاتے چلو"

اور بڑھے تم اشاروں پر
اُن دُھندلے پروں صداؤں کے
پھر بعد کو جب یہ میں نے سنا
تم اس دنیا میں نہیں ہو اب
میں رو نہ سکا، رونے کے بجائے

میں گاتا تھا یوں ہی جیسے
اک سچا عاشق گاتا ہے

آج بھی اک کمرے میں جہاں
ہلکی ہلکی روشنی ہے
چھڑا ہوا ہے سازِ طرب
تم جب آتے ہو، گویا
موت کی اک تصویر کی طرح
اور اک موت کے عاشق کی
زندگی نغمہ گاتی ہے

# خیالاتِ پریشاں

از بسترِ ملالت

فراق گرمِ سخن ہے مذاق بند کرو
وہ دیکھو ہوگئے سنجیدہ سب در و دیوار
کہیں یہ قافلۂ صبح کے نہ ہوں آثار
سرِ اُفقِ شبِ غم اُڑ رہی ہے بَن کے غُبار
مری صدا ہے گھنا سایہ وقت نصف نہار
بوقتِ شب مری آواز روشنی کا مینار
جو پوچھتے ہو مری زندگی کے تم اسرار
تمام دوزخ و جنّت تمام نور و نار
تمام زندگیِ بیکرانہ کے آثار
تمام کیفیتِ سوز و سازِ شمعِ مزار
دیارِ دل کے یہی ہیں علامت و آثار
تمام وحشتِ جنوں ہے تمام شہرِ نگار
تو کیوں نہ جوش میں آجائے عشق کا پندار
کہ موت بھی نہ ملے اور زندگی دُشوار
نشانِ منزلِ عبرت ہر ایک راہگذار
ہر ایک نقشِ قدم لاکھوں حسرتوں کا مزار

تری ہی آنکھوں کے ڈورے تمام نقش و نگار
تری نگاہ کی پرچھائیاں ہیں یہ کہسار
خیالِ زُلفِ سیہ سے گھٹائیں چھانے لگیں
دھواں سا اُٹھنے لگا دیکھنا سرِ کہسار
کسی کی چشمِ سیہ کے پیام لاتے ہیں
یہ میگھ دوت جو منڈلا رہے ہیں سلسلہ وار
یہ جوگنیں سی کمنڈل لئے جو آئی ہیں
ان انکھڑیوں کا پتہ کام روپ یا تاتار
یہ امتزاجِ صفت ہائے قربت و دوری
بدن تمام گریز و تمام بوس و کنار
خرامِ ناز کا عالم بصد سرو ساماں
قدم قدم پہ ہیں کونین حاشیہ بردار
نمودِ غنچہ و گُل سے کھلا ہے رازِ چمن
بس ایک جلوۂ رُخ، اک تبسّمِ زرکار
جو اُنگلیاں کبھی رکھدی ہیں نبضِ دوراں پہ
بہشت چلا کہ فضاؤں کو آگیا ہے بخار

ارے یہ اہلِ سیاست ہیں، ہم جو کہتے ہیں
وہی کریں گے یہ بعد از خرابیِ بسیار
ہے ایسوں ہی سے خدا واسطے کا بیر مجھے
عوام کے جنہیں دکھ سکھ سے کچھ نہیں سروکار
ہم اور کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہتے ہیں
کہ آدمی کے نہ بس میں ہو آدمی زنہار
حریفِ ابلقِ گردوں کی باگ موڑ چکے
یہاں ہنوز وہی ذکرِ چرخِ کج رفتار
کچھ اور چاہیئے خدماتِ خارجی کے سوا
کہ زندگی کو ہے اے دوست زندگی درکار
یہ پالنا ہے تو کہتے ہیں مارنا کس کو
سنا تو ہے کہ کوئی ہے جگت کا پالن ہار
یہ رات اور یہ گرداب اور یہ طوفاں
درست لنگرِ کشتی و ناخدا بیدار
رہے گا معرکۂ زیست تا بکے جاری
کہ ٹوٹتی ہی نہیں ہے یہ خیر و شر کی قطار
عجیب ملزمِ روزِ حساب ہوں یارب
ثواب سے بھی ہوں منکر گنہ سے بھی انکار
ندیم اک غمِ بے نام دل میں ہے جس کا
بنا لیا ہے سخن کو ذریعۂ اظہار

مری بیاض کو لے رکھو ناشرانِ کلام
وگرنہ بعد مرے یک انار صد بیمار
خرامِ ناز کے صدقے کہ ہے ہنوز اے دوست
بغیر نقشِ قدم دل کی وادیِ بے خار
ترے خلوص سے کیا چیز دوستی ہوتی
بڑھا دیا ترے کینہ نے دشمنی کا وقار
کہیں شراب کے بدلے نہ دے دیں آبِ حیات
جنابِ خضر ہیں آمادۂ کرم - ہشیار!
غروب ہوتے ہوئے آفتاب کا ٹکڑا
سرکتے سایے میں بالوں کے تابشِ رخسار
یہ انتشارِ جہاں ہے جہانِ نو کا نقیب
غبارِ راہ گزر میں نہاں ہے کوئی سوار
وہاں یہ گردشِ وجدان ذکر جاری ہے
جہاں ہیں حلقۂ موہوم سبحہ و زنار
یہ سحرکاریِ فن ہے کہ ہے کرشمۂ چشم
مرے سخن کی دمک ہے کہ تابشِ رخسار

بیک نگاہ مٹا دے بنا بھی دے مجھ کو
چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

پرے ہے لفظ و بیاں سے یہ عالمِ حیرت
کوئی بھی بات ہو اس بزم میں ہے دُور از کار

جو صاف گردشِ دوراں کی زد سے باہر تھے
تری نگاہ اُڑا لے گئی وہ لیل و نہار

مری نوا میں ازل کا ترنّمِ سحری
مری صدا میں ابد کے سکوت کی جھنکار

یہ حُسنِ بندشِ اشعار ہے کہ حسنِ خرام
سکوتِ ناز سے ماخوذ ہے خوبیٔ گفتار

دلِ خراب کی قسمت میں دشت گردی تھی
تری نظر نے بھی روکا اسے ہزار ہزار

ازل کے نور میں جیسے نہا اُٹھے ہر چیز
نیا جنم ہے نگاہوں کا یا ترا دیدار

ورائے کیف و اثر تھا وہ جوہرِ انگور
عجیب حال مرا ہے کہ نشہ ہے نہ خُمار

ہمارے گوشۂ دامن سے تا بہ حدِّ نظر
کھلے ہوئے ہیں گلستاں سے دیدۂ خونبار

کل آئی رات گئے تیری یاد یوں مجھ کو
گُماں ہوا کہ کہیں دور بج رہا ہے ستار

ہر ایک چیز جگہ پر ہے اور بھی ہے کہیں
جدھر نگاہ کریں انتظار کے آثار

بلندیاں مری افتادگی پہ رشک کریں
کہ خاکِ کوچۂ جاناں ہوں آسماں بہ کنار

یہ کس کے غم سے فضائیں تھیں جامد و ساکت
یہ کس کی یاد سے چلنے لگی ہے بادِ بہار

رہے یہ خونِ تمنّا بہ جامِ دل باقی
بہت ہے یہ مئے سرجوش اور ساغرِ سرشار

یہ ماندگی کا ہے وقفہ کمر تو سیدھی کر
نہ آئے نیند بلا سے نہ آ کے پاؤں پسار

مہینوں سے مری ہر سانس کا یہ عالم ہے
کہ جیسے جامِ شباد کا ٹوٹتا ہو خمار

شرابِ تلخِ غمِ عشق سے ہوں میں سرشار
مجھی میں ہر کم و کیفِ نشاطِ شیریں کار

مرے ہی دل کی ہیں کچھ دھڑکنیں زمان و مکاں
مرے ہی غم کے شرارے ثوابت و سیار

"منم کہ وضع شدہ گردِ من بتانِ حرم
منم کہ طوفِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار"

اثر سے فکرِ غزل کی گھٹا سی چھانے لگی
شعور پر لگے منڈلانے ابرِ گوہر بار

تھی زندگی میں کبھی صبحِ نو کی تازہ دمی
شعور پر نہ رسوم و قیود کا تھا خمار

غزل کو اک نئی تہذیب کا ملے ورثہ
بدل سکوں کچھ اگر حُسن وعشق کے کردار
سکوتِ شب میں جو چھو چھو گئی ہے پردۂ ہوش
بجے تھے کان کہ تھی تیری بانسری کی پکار
اگرچہ عالمِ فانی ہوں یہ نہ بھول مرا
ہر اک گزرتا ہوا لمحہ ہے ابد بہ کنار
لگی نہیں ابھی مُہرِ اُلوہیت بہ جبیں
ابھی نہیں یہ فطرت کا آدمی شہ کار
دبا دیا یہ ترا درد اور یہ جورِ فلک
وہ داشتہ تھا جو ایسے میں آگیا ہے بہ کار
کوئی نہیں مری آواز پر جو دے آواز

یہ دست راز ہے صیاد ہوں یہاں کہ شکار
ہزار بخیہ گری صد ہزار چارہ گری
ہنوز چُور ہے زخموں سے عشقِ سینہ فگار
بس ایک سازِ شکستہ ہوں خاک آلودہ
بڑھا دیا مرے نغموں نے زندگی کا وقار
تمام ہوش و خرد ہوں تمام وحشت ہوں
مری حیات محبت کا ہے عجب ہنجار
بہت ہے مجھ کو مری بے دلی یہ زحمت کیوں
نہ دوستی کی ضرورت نہ دشمنی درکار

کرو نہ دیر بڑھو اور جھولیاں بھر لو
لُٹا رہا ہوں عزیزو! جواہرِ افکار
بس ایک کام سے میں نے زبان کھولی ہے
کہ زندگی کو سُنانا ہے زندگی کی پکار
اکیلی پڑ گئی آواز میری ہم نفسو
وہ ہم نوا نہ وہ دمساز کیا پڑھوں اشعار
ہزاروں دورِ قمر جام دل سے سیر ہوئے
چھلک رہا ہے ابھی تک یہ ساغرِ سرشار
بہت زمانہ ہوا قیس کو مگر اب بھی
نواحِ نجد میں اُڑتا ہے ناتواں سا غبار
صدائے تیز مری گاہ جنگ کی للکار
نوائے نرم مری گاہ درد و غم کی پکار
اسی سے ہوں گے جہانِ نشاط بھی پیدا
بسا رہا ہوں ابھی تیرے درد کا سنسار
مجھے سکوتِ فضا میں گماں ہوا اکثر
کہ جیسے دوست کرے دوست سے کوئی اقرار
جلا رہا ہوں میں بچ بچ کے یہ چراغِ سخن
کہ پھونک دے نہ مجھے میری گرمیٔ افکار
چمن کی اصل حقیقت میں فرق کیا آیا
بس اک فسانہ خزاں تھی بس اک فسانہ بہار

ہزاروں شعر کہ جن پر گماں ہے ۔ کا
وہ شعر ہوتے ہیں بعد از ترددِ بسیار
غزل کہوں بھی اگر میں تو کس سہارے پر
کہ اب تو بھول چکا ہوں ترے بھی قول و قرار
وہی ہے عشق جو دشوار کو کرے آساں
وہی ہے عشق ہر آساں کو جو کرے دشوار
نہیں کہ یہ تو ہوں غرقاب اور وہ بچ جائیں
کہ ایک ناؤ میں ہیں دونوں کافر و دیندار
نہیں ہے یوں تو مری زندگی میں کوئی کمی
ہر آرزو ہے مگر مثلِ حسرتِ نادار
نہ شک ہوا مری عظمت پہ مجھ کو پل بھر کو
یہ زندگی رہی بدبختیوں کی گرچہ شکار
تمام کشف و کرامات ہے دلِ آگاہ
بغیر علم و ہنر کا یہ محرمِ اسرار
یہ آنسوؤں کی تجارت یہ رقتِ رسمی
مرے یہاں تو ہے غم کا کچھ اور ہی معیار
یہ زخمِ دل کی نمائش یہ طرزِ خود رحمی
کچھ اس سے بڑھ کے ہے سنجیدگیٔ غم درکار
مرے سخن میں تھی وہ قوتِ شفا کہ ندیم
سنبھل گیا شعرا کا تخیلِ بیمار

یہ میری فکر کی پیدائیاں یہ جوششِ نمو
نوائے کُن فیکوں ہے کہ زندگی کا اُبھار
جو پاسکیں مری محرومیاں خدائے زماں
تو ان کی نظروں سے گر جائے خود انہی کا وقار
میں یوں تو کچھ بھی نہیں پھر بھی کیا سمجھ کے مجھے
بڑے بڑے ہوئے احساسِ کمتری کے شکار
اِن انگلیوں نے جو اک ساز چھیڑ رکھا ہے
یہ مہر و ماہ یہ تارے اسی کی ہیں جھنکار
یہ عمر اور یہ آلام اور یہ تنہائی
کہاں سے لاؤں مددگار کیا کروں اے یار
یہی کہوں گا زمانے کی ٹھوکریں کھا کر
کہ تجھ پہ اے دلِ ناشفتہ سر خدا کی سنوار
مرا لہو ہے سرِ قربان گاہِ شعر و سخن
جلا گیا ہے چراغِ شہادت و افکار
لبوں سے وقتِ شہادت کرن سی پھوٹتی ہے
حیاتِ نو کی بشارت یہ نغمۂ سرِ دار
ابھی سِرے سے بدلنا ہے زندگی کو ہمیں
یہ عرض ہے کہ ابھی زندگی سے ہوں بیزار
نکھار کر جو دکھائے تو آب کا چہرہ
گناہِ آئینۂ زندگی کا وہ زنگار

وہی جو پہلوئے چشمِ سیاہ کار میں ہے
وہی ہے شہرِ نگاراں میں خانۂ خمار

یہ ایک راز رہا ہے مرے لئے خود بھی
کہ میں نے بیٹھے بٹھائے لُٹا دیا گھر بار

کریں شرافت و اخلاق جس کی خود تعظیم
وہ میں ہوں رُو سیہ و بد سرشت و بد کردار

وہی تھیں حاصلِ رُودادِ شمع و پروانہ
اُڑا رہی ہے صبا جن کہانیوں کا غبار

جمالِ یار خود آگاہ ہو گیا بارے
بڑا یہ کام کیا تو نے اے دلِ خوش کار

ہزار بات پہ بھی بھاری ہے ایک بات تری
نہ ہو بیاں نہ کچھ الفاظِ حُسنِ کم گفتار

حیاتِ عشق یہی یادگار چھوڑ گئی
کچھ اشکِ غم کا دھواں کچھ بجھے ہوئے اقرار

حیات کیا ہے بسا حسرتے کہ خاک شُدہ
ہر ایک باد لئے چٹکیوں میں جن کا غبار

یہ کون خاک دلِ آتشیں کُریدہ گیا
یہ آستیں کا دھواں اور یہ چشمِ تر کے شرار

خبر نہیں کہ مصدق ہوں یا مشکک ہوں
گماں یقیں سے مشابہ یقیں گماں آثار

حیاتِ خُلد نہ سمجھو کہ غم سے ہے آزاد
بس ایک وہم و گماں ہے یہ گُلشنِ بے خار

معانقہ بھی بس اک پہلوئے تلاشِ جمال
مشاہدہ بھی بس اک دیدِ انتظار آثار

ہنوز ہوش نا شگفتوں کے جھونکے ہیں
یہ زندگی بھی ہوئی کیسی نیند سے بیزار

چہل پہل ہے زمانے کی میرے چھپنے سے
مری ہی چُپ کا اثر زندگی کا غُلغلہ زار

وہاں سے بول رہا ہوں جہاں کہیں بھی نہیں
تمام عالمِ ہُو از کنار تا بہ کنار

ہوا زمانے کی جس کو نہ چین لینے دے
ہم اس کو زندگی سمجھیں کہ کوئی مُشتِ غُبار

چڑھا کے جامِ ہلاہل میں ہو گیا ہوں اَمر
اک ایک سانس مری مرگِ ناگہاں بہ کنار

وجود ہو نہیں سکتا کبھی بھی نفیٔ وجود
ممات بھی ہے حقیقت میں زندگی بہ کنار

ہمارے سازِ سخن میں وہ نے بھی پنہاں ہے
کرے ترنم گُل کار کو جو آہن کار

یہی کہوں کہ چُپ چاپ ڈوبتے جاؤ
میں دے رہا ہوں تمہیں وہ حقیقتیں تہ دار

مرا حریف سوا جوشؔ کے نہیں کوئی
بہت ہیں یوں تو فنِ شاعری کے دعویدار
نہ تا بہ حشر ہو خالی ادب کا بیت المال
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے وہ انبار

مرا پیام ادیبوں سے نسلِ نو کے یہ ہے
بنائیں اپنی صداؤں کو اور بھی تہ دار
فراقؔ ہوش میں ہے اب تو ایک مدت سے
اُتر سکا نہ مگر تیری دوستی کا خمار

# بھائی کا مرثیہ

گھاٹ پر جلنے جلانے کے ہیں ساماں ہائے ہائے
کس قدر خاموش ہے شہرِ خموشاں ہائے ہائے
مٹتی جاتی ہے اُفق سے سرخیِ رنگِ شفق
بڑھتا جاتا ہے سوادِ شامِ زنداں ہائے ہائے
وہ سکوتِ غم وہ اک ہنگامۂ بے شور و شر
یاد آ کے کچھ وہ اُٹھتا دردِ ہجراں ہائے ہائے
ایک سناٹے کا عالم ہے در و دیوار پر
شامِ زنداں اب ہوئی تو شامِ زنداں ہائے ہائے
یہ چٹکتے درد، یہ ظلمت، یہ دل اُمڈے ہوئے
یہ چھلکتے جام، یہ بزمِ چراغاں ہائے ہائے

اب کہاں ہیں خون رونے والے میرے درد پر
خاک میں مل جانے والے لالہ کاراں ہائے ہائے

نزع میں دیکھا تھا وہ چہرہ اُترتے اہل دل
اس شکستِ رنگ کے آئینہ داراں ہائے ہائے

اُف بگولوں کا یہ عالم، بادِ صرصر کا یہ جوش
خاک اُڑاتا ہے ترے غم میں بیاباں ہائے ہائے

مرنے والے یاد آتی ہے جواں مرگی تری
اُٹھ گیا دل میں لئے تو دل کے ارماں ہائے ہائے

سونے والے خاک ویرانوں میں اُڑتی ہے تری
بادِ صرصر ہے تری گہوارہ جنباں ہائے ہائے

یاد آئیں گی کسی شوریدہ سر کی وحشتیں
دیکھ کر گلکاریِ دیوارِ زنداں ہائے ہائے

یہ گھڑی بھی آئی اور جیتا ہوں میں حرماں نصیب
چھوٹتا ہے ہاتھ سے دامانِ جاناں ہائے ہائے

نشترِ غم عجلتِ جذبِ نہاں کی داد دے
کرلیا تجھ کو بھی پیوستِ رگِ جاں ہائے ہائے

قید میں جی کھول کے رونا بھی مشکل ہوگیا
اب میں سمجھا معنیٔ تنگیٔ زنداں ہائے ہائے

آہ یہ آدابِ زنداں، یہ شعارِ ضبطِ غم
یہ وفورِ درد یہ حالِ پریشاں ہائے ہائے

اپنے مرنے پر مرا رونا تھا تجھ کو ناگوار
اتنا کب تھا مجھ کو پاسِ اہلِ زنداں ہائے ہائے

میری قسمت میں تجھے کاندھا بھی دنیا جب نہ تھا
دل نے کیوں باندھا تھا تجھ سے عہد و پیماں ہائے ہائے

الوداع اے زورِ بازو پیارے بھائی الفراق
اب تو میں ہوں اور تیرے داغِ ہجراں ہائے ہائے

شرم آتی ہے مجھے جینے سے تجھ کو کھو کے آہ
اس طرح کرنا نہ تھا تجھ کو پشیماں ہائے ہائے

قید میں بھی پردہ داری غم کی مشکل ہو گئی
کھل گیا رازِ درو دیوار زنداں ہائے ہائے

گھر کو کیا میں مُنہ دکھاؤں گا رہا ہو کر فراق
میں اسیر اور اُن کے یہ حالِ پریشاں ہائے ہائے

# یہاں نہ باندھو ناؤ

ندی کہاں ہمیں لائی یہاں نہ باندھو ناؤ
یہ اور دیس ہے بھائی یہاں نہ باندھو ناؤ

دغا کریں گے وہ منظر۔ کنارِ دریا سے
جو دے رہیں دکھائی یہاں نہ باندھو ناؤ

ہے بے نیاز بہت یہ روانیِ دریا
زمیں کرے گی رُکھائی یہاں نہ باندھو ناؤ

کنارے آتے ہی کشتی جبینِ ساحل پر
ہزار ہا شکن آئی یہاں نہ باندھو ناؤ

چڑھی ندی کے تھپیڑوں سے دل میں خوف نہ کھاؤ
خطر ہی میں ہے بھلائی یہاں نہ باندھو ناؤ

وہ گیت موت کے ہیں گردِ پیشِ ساحل سے
جو دے رہے ہیں سنائی یہاں نہ باندھو ناؤ

اگرچہ ساتھیو تم نے یہاں تک آنے میں
بڑی مصیبت اٹھائی یہاں نہ باندھو ناؤ

یہاں کی خاک سے ہم بھی مشام رکھتے ہیں
وفا کی بو نہیں آئی یہاں نہ باندھو ناؤ

یہاں کی آب و ہوا میں ہے اور ہی بو باس
یہ سرزمیں ہے پرائی یہاں نہ باندھو ناؤ

یہاں ہمارے لئے ساکنانِ ساحل کے
کہیں دلوں میں سمائی یہاں نہ باندھو ناؤ

ابھی ابھی کسی جانب سے کچھ سنا تم نے
صدا کسی نے لگائی یہاں نہ باندھو ناؤ

جو بیڑے اترے تھے اس گھاٹ پر ابھی اُن کی
کوئی خبر نہیں آئی یہاں نہ باندھو ناؤ

بس اِک جگہ جو دُٹے جا رہی تھی بوسے وفا
وہ سامنے نظر آئی یہاں نہ باندھو ناؤ

ہم اپنے آپ کو پا جائیں گے پہنچ کے وہاں
سفر ہی میں ہے بھلائی یہاں نہ باندھو ناؤ

جہاں جہاں بھی ہمیں ساحلوں سے خطرہ تھا
صدا فراق کی آئی یہاں نہ باندھو ناؤ

## ہم لوگ

لہو میں ڈوبی زباں خارزار ہیں ہم لوگ
جو سربسر ہے خزاں وہ بہار ہیں ہم لوگ

تغافلِ نگۂ نازِ یار ہیں ہم لوگ
بلاکشانِ غمِ انتظار ہیں ہم لوگ

کوئی سمجھ نہ سکے کوئی بے خبر نہ رہے
کچھ ایسی مصلحتِ کردگار ہیں ہم لوگ

ز فرق تا بقدم بجلیوں میں ڈوبے ہوئے
نگاہِ شوخ ترے بے قرار ہیں ہم لوگ

نہ قُرب سے ہمیں مطلب، نہ غرض دوری سے
نہ جانے کیوں ہمہ تن انتظار ہیں ہم لوگ

ہمیں سے آنکھ لڑی حُسن کی ہمیں سے جھکی
وہ کشتۂ نگہِ شرمسار ہیں ہم لوگ

تمام خونِ جگر ہیں تمام زخمِ نہاں
یہ کس بہار کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

ہر اک نفس میں نہاں سوز و سازِ بزمِ مجاز
دلِ تپاں، شمعِ بےقرار ہیں ہم لوگ

ہمیں ہیں دامنِ دشتِ جنوں میں گریۂ شام
چمن میں خندۂ صُبحِ بہار ہیں ہم لوگ

ارے یہ کھونے کا عالم ارے یہ شدّتِ ہوش
یہ کس نگاہ کے سرمایہ دار ہیں ہم لوگ

ہر اک ہماری ادا ہے پیامِ خوابِ عدم
عروسِ مرگ کے بوس و کنار ہیں ہم لوگ

ہمیں ہیں مہر و محبّت ہمیں ہیں قہر و غضب
کہ سر بسر اثرِ نور و نار ہیں ہم لوگ

تمام برقِ نشیمن تمام آتشِ گل
چمن میں شعلۂ صوت ہزار ہیں ہم لوگ

اُٹھو اٹھو کہ وہ زنجیرِ شامِ غم ٹوٹی
صدائے نغمۂ صبحِ بہار ہیں ہم لوگ

سوادِ شام ہیں پیراہنِ شبِ غم ہیں
وہ پَو پھٹی کہ اِدھر تار تار ہیں ہم لوگ

جہاں فسردہ ہوئے نبضِ کائنات چھُٹی
فریبِ دہر ترے اعتبار ہیں ہم لوگ

ہیں رازدارِ غمِ کاروانِ نُہ افلاک
شکستِ رنگِ رُخِ روزگار ہیں ہم لوگ

چلے ازل سے تو رُکنے کا نام تک نہ لیا
وہ نشترِ دلِ ہستی فگار ہیں ہم لوگ

ہیں مہر و ماہ کی آنکھوں میں بھی سمائے ہوئے
یہی نہیں ہے کہ مُشتِ غبار ہیں ہم لوگ

ہمارے زیرِ نگیں ہیں بلندی و پستی
مکینِ ارض و فلک اقتدار ہیں ہم لوگ

ہزار بادِ مخالف ہزار طوفاں سے
نہ بُجھ سکیں وہ بھڑکتے شرار ہیں ہم لوگ

ہمیں سے لرزہ براندام ہے نظامِ جہاں
کہ فتنہ خود قیامت شعار ہیں ہم لوگ

شجر حجر کے اُڑانے کو سمِّ قاتل ہیں
بجھے ہوئے تبرِ آبدار ہیں ہم لوگ

ہمیں سے موجِ حوادث کا دل لرزتا ہے
سوارِ کشتیِ طوفاں فگار ہیں ہم لوگ

پھری نہ پیٹھ کبھی رزمگاہِ ہستی میں
کہ شان و نازشِ صد کارزار ہیں ہم لوگ

فریبِ حشر نہ کھا آفتابِ محشر کے
جہاں میں جلوۂ نصف النہار ہیں ہم لوگ

ہماری جلوہ گری میں بھی شانِ صحرا ہے
بہارِ گلشنِ بے برگ و بار ہیں ہم لوگ

تمام سازِ خموشی تمام ہنگامہ
امینِ جلوۂ منصور و دار ہیں ہم لوگ

تمام شہرِ خموشاں تمام جوشِ حیات
صدائے صور ترے پردہ دار ہیں ہم لوگ

جسے سکونِ ابد بھی ترس گیا ہے فراقؔ
وہ سازِ غم وہ دلِ بیقرار ہیں ہم لوگ

مندرجہ بالا نظم سنہ ۱۹۲۶ء میں کہی گئی تھی۔ نیچے چھپے ہوئے اشعار مارچ سنہ ۱۹۶۷ء میں کہے گئے ——— فراقؔ

ہمارے دل سے ہی پھوٹے ہیں وقت کے دھارے
ہر ایک دَور کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

مشیّتوں کو بھی ہاں باوجودِ مجبوری
بدل دیا ہے وہ با اختیار ہیں ہم لوگ

اجل کی نیند جو سوئے تھے اُن نصیبوں کو
جگا دیا وہ تغافل شعار ہیں ہم لوگ

ہمیں ہیں جلوہ گہِ مد و جزرِ بحرِ حیات
وہ چڑھتے نشہ اُترتے خمار ہیں ہم لوگ

چمن جلا دیں وہ شعلے لپکتے ہیں دل میں
چمن کھلا دیں وہ صوتِ ہزار ہیں ہم لوگ

زمین رشکِ فلک ہے ہمارے جلوؤں سے
کہ مہر و مہ سے سوا آشکار ہیں ہم لوگ

ہمیں صنم کدۂ کفر کے ہیں چشم و چراغ
ارے برہمنِ شب زندہ دار ہیں ہم لوگ

جو نیم باز ازل سے ہے نرگسِ جادو
اسی کے عاشقِ دیوانہ وار ہیں ہم لوگ

خبر کرو کہ سرِ آسمانِ عہدِ جدید
ظہورِ خاورِ نصف النہار ہیں ہم لوگ

ہمیں ہیں فخرِ انسانیت کے سوز و گداز
غمِ درونِ زمیں کی پکار ہیں ہم لوگ

خبر نہیں کہ ارادے کہاں کے رکھتے ہیں
وطن میں رہ کے غریب الدیار ہیں ہم لوگ

خبر نہیں کہ ابھی نشاط ہوتے ہوئے
ازل کی صبح سے کیوں سوگوار ہیں ہم لوگ

خبر نہیں کہ ہمیں کس سکون کی ہے تلاش
جو پیچ و تاب میں یوں شعلہ وار ہیں ہم لوگ

وہ کوئی غم جسے بھولے ہوئے زمانہ ہوا
اسی کے گریۂ بے اختیار ہیں ہم لوگ

ہمیں چراغِ رہِ کاروانِ ہستی ہیں — وہ سوز و سازِ غمِ روزگار ہیں ہم لوگ
ہماری تھپکیوں سے سو گئی ہے شامِ ابد — کسی کی دید کے وہ انتظار ہیں ہم لوگ
ہماری ہی رگِ جاں محورِ زمین و زماں — امینِ گردشِ لیل و نہار ہیں ہم لوگ
ہمیں سے گردشِ دوراں کا ہے بھرم قائم — وہی غمِ دلِ خاصانِ یار ہیں ہم لوگ
ہمیں ہیں ٹھہرے ہوئے آسمانِ غم کے سرشک — یہ مانتے ہیں بہت بے قرار ہیں ہم لوگ
ہر آسمانِ تمدن کے ہم ہیں سیارے — ہر اک کے جلوۂ لیل و نہار ہیں ہم لوگ
ہمیں ہیں جلوہ دہِ مہر و ماہتابِ ملل — تمدنوں کے جلال و وقار ہیں ہم لوگ
ازل سے اڑتا ہوا رنگِ رخ بناتا ہے — کبھی نہ جانے وہ جاتی بہار ہیں ہم لوگ
ہماری خاک ہے اکسیر ہر مرض کے لئے — وہ کشتۂ نگہِ نازِ یار ہیں ہم لوگ
سلام کرتی ہے جن کو بلندی و پستی — وہ اہلِ مرتبہ وہ خاکسار ہیں ہم لوگ
بجا زمانہ ہمیں دستِ غیب کہتا ہے — شر و بدی کو خدا کی سنوار ہیں ہم لوگ
ہماری قدر کرے کیا نگاہِ ظاہر بیں — کہ ناتواں سے کچھ اڑتے غبار ہیں ہم لوگ
فضائیں گونجتی ہیں گردشِ کواکب سے — کہاں کہاں سے یہاں نغمہ بار ہیں ہم لوگ

نہ پوچھ کتنی شبیں کٹ چکی ہیں آنکھوں میں
اب آ بھی جا ہمہ تن انتظار ہیں ہم لوگ

# غزلیں

۷ آنکھوں میں جو بات ہوگئی ہے  اک شرحِ حیات ہوگئی ہے
جب دل کی وفات ہوگئی ہے  ہر چیز کی رات ہوگئی ہے
غم سے چھٹ کر یہ غم ہے مجھ کو  کیوں غم سے نجات ہوگئی ہے
مدت سے خبر ملی نہ دل کی  شاید کوئی بات ہوگئی ہے
جس شے پہ نظر پڑی ہے تیری  تصویرِ حیات ہوگئی ہے
اب ہو رہے دیکھئے کہاں صبح  ان زلفوں میں رات ہوگئی ہے
دل میں تجھ سے تھی جو شکایت  اب غم کے نکات ہوگئی ہے
اقرار گناہ عشق سن لو  مجھ سے اک بات ہوگئی ہے
جو چیز بھی مجھ کو ہاتھ آئی  تیری سوغات ہوگئی ہے
کیا جانئے موت پہلے کیا تھی  اب مری حیات ہوگئی ہے
گھٹتے گھٹتے تری عنایت  میری اوقات ہوگئی ہے
اس چشم سیہ کی یاد اکثر  شامِ ظلمات ہوگئی ہے
اس دور میں زندگی بشر کی  بیمار کی رات ہوگئی ہے
جیتی ہوئی بازئ محبت  کھیلا ہوں تو مات ہوگئی ہے
مٹنے لگیں زندگی کی قدریں  جب غم سے نجات ہوگئی ہے

وہ چاہیں تو وقت بھی بدل جائے      جب آئے ہیں رات ہوگئی ہے
دنیا ہے کتنی بے ٹھکانہ      عاشق کی برات ہوگئی ہے
پہلے وہ نگاہ اک کرن تھی      اب برق صفات ہوگئی ہے
جس چیز کو چھو دیا ہے تو نے      اک برگِ نبات ہوگئی ہے
اکّا دُکّا صدائے زنجیر      زنداں میں رات ہوگئی ہے
ایک ایک صفت فراقؔ اُس کی
دیکھا ہے تو ذات ہوگئی ہے

رات بھی، نیند بھی، کہانی بھی      ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی
ایک پیغامِ زندگانی بھی      عاشقی مرگِ ناگہانی بھی
اس ادا کا تری جواب نہیں      مہربانی بھی سرگرانی بھی
دل کو اپنے بھی غم تھے دنیا میں      کچھ بلائیں تھیں آسمانی بھی
منصبِ دل خوشی لٹاتا ہے      غمِ پنہاں کی پاسبانی بھی
دل کو شعلوں سے کرتی ہے سیراب      زندگی آگ بھی ہے پانی بھی
شاد کاموں کو یہ نہیں توفیق      دلِ غمگیں کی شادمانی بھی
لاکھ حُسنِ یقیں سے بڑھ کر ہے      ان نگاہوں کی بدگمانی بھی
تنگنائے دلِ ملول میں ہے      بحرِ ہستی کی بے کرانی بھی
عشقِ ناکام کی ہے پرچھائیں      شادمانی بھی، کامرانی بھی
دیکھ دل کے نگار خانے میں      زخمِ پنہاں کی ہے نشانی بھی
خلق کیا کیا مجھے نہیں کہتی      کچھ سنوں میں تری زبانی بھی
آئے تاریخِ عشق میں سو بار      موت کے دورِ درمیانی بھی

اپنی معصومیوں کے پردے میں ہو گئی وہ نظر سیانی بھی
دن کو سورج مکھی ہے وہ نو گل رات کو ہے وہ رات رانی بھی
دلِ بدنام تیرے بارے میں لوگ کہتے ہیں اک کہانی بھی
وضع کرتے کوئی نئی دنیا کہ یہ دنیا ہوئی پرانی بھی
دل کو آدابِ بندگی بھی نہ آئے کر گئے لوگ حکمرانی بھی
جور کم کم کا شکریہ بس ہے آپ کی اتنی مہربانی بھی
دل میں اک ہوک بھی اٹھی اے دوست یاد آئی تری جوانی بھی
سر سے پا تک سپردگی کی ادا ایک انداز ترکمانی بھی
پاس رہنا کسی کا رات کی رات میہمانی بھی میزبانی بھی
ہو نہ عکسِ جبینِ ناز کہ ہے دل میں اک نور کہکشانی بھی
زندگی عین دید یار فراق
زندگی ہجر کی کہانی بھی

ایک شبِ غم وہ بھی تھی جس میں جی بھر آئے تو اشک بہائیں
ایک شبِ غم یہ بھی ہے جس میں اے دل رو رو کے سو جائیں
جانے والا گھر جائے گا کاش یہ پہلے سوچا ہوتا
ہم تو منتظر اس کے تھے بس کب ملنے کی گھڑیاں آئیں
الگ الگ بہتی رہتی ہے ہر انساں کی جیون دھارا
دیکھو ملیں کب آج کے بچھڑے لے دوں بڑھ کر بلائیں
سنتے ہیں کچھ رو لینے سے جی ہلکا ہو جاتا ہے
شاید تھوڑی دیر برس کر چھٹ جائیں کچھ غم کی گھٹائیں

اپنے دل سے غافل رہنا اہلِ عشق کا کام نہیں
حُسن بھی ہے جس کی پرچھائیں آج وہ من کی جوت جگائیں

سب کو اپنے اپنے دُکھ ہیں سب کو اپنی اپنی پڑی ہے
اے دلِ غمگیں تیری کہانی کون سُنے گا کس کو سُنائیں

جسمِ نازنیں میں سرتاپا نرم لَویں لہرائی ہوئی سی
تیرے آتے ہی بزمِ ناز میں جیسے کئی شمعیں جل جائیں

ہاں ہاں تجھ کو دیکھ رہا ہوں کیا جلوہ ہے کیا پردہ ہے
دل دے نظارے کی گواہی اور یہ آنکھیں قسمیں کھائیں

لفظوں میں چہرے نظر آئیں چشمِ بینا کی ہے شرط ہے
کئی زاویوں سے خلقت کو شعر مرے آئینہ دکھائیں

مجھ کو گناہ و ثواب سے مطلب، لیکن عشق میں اکثر آئے
وہ لمحے خود میری ہستی جیسے مجھے دیتی ہو دعائیں

چھوڑ وفا و جفا کی بحثیں اپنے کو پہچان اے عشق
غور سے دیکھ تو سب دھوکا ہے کیسی وفائیں کیسی جفائیں

حُسن ایک بن بیدھا ہوا موتی یا اک بے سونگھا ہوا پھول
ہوش فرشتوں کے بھی اُڑا دیں تیری یہ دوشیزہ ادائیں

باتیں اس کی یاد آتی ہیں لیکن ہم پر یہ نہیں کھُلتا
کن باتوں پر اشک بہائیں کن باتوں سے جی بہلائیں

ساقی اپنا غم خانہ بھی مے خانہ بن جاتا ہے
مستِ مئے غم ہو کر جب ہم آنکھوں کے ساغر چھلکائیں

اہلِ مسافت ایک رات کا یہ بھی ساتھ غنیمت ہے
کوچ کرو تو صدا دے دینا ہم نہ کہیں سوتے رہ جائیں

ہوش میں کیسے رہ سکتا ہوں آخر شاعرِ فطرت ہوں
صبح کے ست رنگے جھرمٹ سے جب وہ انکھیاں مجھے بلائیں

ایک غزالِ رم خوردہ کا منھ پھیرے ایسے میں گزرنا
جب مہکی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں دن ڈوبے آنکھیں جھپکائیں

دیں گے ثبوت عالی ظرفی ہم میکشِ سرِ میخانہ
ساقی چشمِ سیہ کی باتیں زہر بھی ہوں تو ہم پی جائیں

موزوں کرکے سستے جذبے منڈی منڈی بیچ رہے ہیں
ہم بھی خریدیں جو یہ سخنور اک دن ایسی غزل کہہ لائیں

رات چلی ہے جوگن ہوکر بال سنوارے لٹ چھٹکا رے
جیسے فراقؔ گگن پر تارے دیپ بجھے ہم بھی سو جائیں

بندگی سے کبھی نہیں ملتی
اس طرح زندگی نہیں ملتی

لینے سے تاج و تخت ملتا ہے
مانگے سے بھیک بھی نہیں ملتی

غیب داں ہے مگر خدا کو بھی
نیت آدمی نہیں ملتی

ہے جو اک چیز دارِ فانی میں
وہ تو جنت میں بھی نہیں ملتی

ایک دُنیا ہے میری نظروں میں
پر وہ دُنیا ابھی نہیں ملتی

رات ملتی ہے تیری زُلفوں سے
پر وہ آراستگی نہیں ملتی

یوں تو ہر اک کا حُسن کافر ہے
پر تری کافری نہیں ملتی

باصفا دوستی کو کیا روئیں
باصفا دُشمنی نہیں ملتی

آنکھ ہی آنکھ ہوں مگر مجھ سے
نرگسِ سامری نہیں ملتی

جب تک اونچی نہ ہو ضمیر کی لَو
آنکھ کو روشنی نہیں ملتی

سوزِ غم سے نہ ہو جو مالا مال — دل کو سچی خوشی نہیں ملتی
رونے دھونے سے حالِ عاشق کو — زلف کی ابتری نہیں ملتی
روئے جاناں کجا، کجا گلِ خلد — وہ تر و تازگی نہیں ملتی
ہیں سوا میرے اور نرم نوا — پر وہ آہستگی نہیں ملتی
یوں تو پڑتی ہے ایک عالم پر — نگہِ سرسری نہیں ملتی
صحنِ عالم کی سرزمینوں میں — دل کی افتادگی نہیں ملتی
آہ وہ مشک بیز زلفِ سیاہ — جس کی ہمسائگی نہیں ملتی
عشق آزردہ بادشاہوں کو — تیری آزردگی نہیں ملتی
زہد و صوم و صلوٰۃ و تقویٰ سے — عشق کی سادگی نہیں ملتی
حسن جس کا بھی ہے نرالا ہے — پر تری طرفگی نہیں ملتی
رنگ دیوانگیٔ عالم سے — میری دیوانگی نہیں ملتی
علم ہے دستیاب با افراط — عشق کی آگہی نہیں ملتی
آج رطب اللساں ہیں حضرتِ دل — آپ کی بات ہی نہیں ملتی
دوستو محض طبعِ موزوں سے — دولتِ شاعری نہیں ملتی
ہے جو ان رسمساتے ہونٹوں میں — آنکھ کو وہ نمی نہیں ملتی
نگہِ لطف سے جو ملتی ہے — ہائے وہ زندگی نہیں ملتی
یوں تو ملنے کو مل گیا ہے خدا — پر تری دوستی نہیں ملتی
میری آواز میں جو مضمر ہے — ایسی شادی غمی نہیں ملتی
وہ تو کوئی خوشی نہیں جس میں — درد کی چاشنی نہیں ملتی
میرے اشعار ہیں سرے سے ندیم — رجعتِ قہقری نہیں ملتی

بس وہ بھرپور زندگی ہے فراقؔ
جس میں آسودگی نہیں ملتی

وہ آنکھ زبان ہو گئی ہے ۔۔۔ ہر بزم کی جان ہو گئی ہے

آنکھیں پڑتی ہیں میکدوں کی ۔۔۔ وہ آنکھ جوان ہو گئی ہے

آئینہ دکھا دیا یہ کس نے ۔۔۔ دُنیا حیران ہو گئی ہے

اس نرگس ناز میں تھی جو بات ۔۔۔ شاعر کی زبان ہو گئی ہے

اب تو تری ہر نگاہ کافر ۔۔۔ ایمان کی جان ہو گئی ہے

ترغیب گناہ لحظہ لحظہ ۔۔۔ اب رات جوان ہو گئی ہے

توفیق نظر سے مشکل زیست ۔۔۔ کتنی آسان ہو گئی ہے

تصویر بشر ہے نقش آفاق ۔۔۔ فطرت انسان ہو گئی ہے

پہلے وہ نگاہ اک کرن تھی ۔۔۔ اب اک جہان ہو گئی ہے

اے موت بشر کی زندگی آج ۔۔۔ تیرا احسان ہو گئی ہے

کچھ اب تو امان ہو کہ دُنیا ۔۔۔ کتنی ہلکان ہو گئی ہے

یہ کس کی پڑیں غلط نگاہیں ۔۔۔ ہستی بہتان ہو گئی ہے

انسان کو خریدتا ہے انسان ۔۔۔ دُنیا بھی دُکان ہو گئی ہے

کثرت شب ہجر دوست کی یاد ۔۔۔ تنہائی کی جان ہو گئی ہے

شرکت تری بزم قصہ گو میں ۔۔۔ افسانے کی جان ہو گئی ہے

جو آج مری زباں تھی، وہ ۔۔۔ دُنیا کی زبان ہو گئی ہے

اک سانحۂ جہاں ہے، وہ آنکھ ۔۔۔ جس دن سے جوان ہو گئی ہے

رعنائی قامت دل آرا ۔۔۔ میرا ارمان ہو گئی ہے

دل میں اک واردات پنہاں ۔۔۔ بے سامان گمان ہو گئی ہے

سنتا ہوں قضا و قہرماں بھی ۔۔۔ اب تو رحمان ہو گئی ہے

واعظ مجھے کیا خدا سے ۔۔۔ دُنیا میرا ایمان ہو گئی ہے

میری تو یہ کائنات غم بھی ۔۔۔ جان و ایمان ہو گئی ہے

میری ہر بات آدمی کی — عظمت کا نشان ہو گئی ہے
یادِ ایامِ عاشقی جب — ابدیت اک آن ہو گئی ہے
جو شوخ نظر تھی دشمنِ جاں — وہ جان کی جان ہو گئی ہے
ہر بیت فراقؔ اس غزل کی
ابرو کی کمان ہو گئی ہے

حال سنا فسانہ گو لب کی فسوں گری کے بھی — قصے سنا اس آنکھ کے جادوئے سامری کے بھی
کعبۂ دل میں ہیں نشاں کچھ فن آذری کے بھی — بارگہِ الٰہ میں جلوے ہیں کافری کے بھی
طرفہ طلسم رنگ و بو چہرے کی تازگی بھی ہے — کتنے عجیب راز ہیں زلفوں کی ابتری کے بھی
اہلِ نظر ہے بے پناہ شانِ جمالِ آدمی — گم ہوں حواس حور کے ہوش اڑیں پری کے بھی
دھو کے نہ بندگی کے کھا سجدۂ عشق پر نہ جا — ناصیۂ نیاز میں جلوے ہیں سامری کے بھی
حسنِ رخِ نظارہ سوز دیکھ سکا نہ تو جسے — ڈھونڈھ اسی میں رنگ و نورِ آئینہ پروری کے بھی
ڈر کہ ہے منکرِ عوام ہیں جو ابھی ترے غلام — تیور انہی میں دیکھ آج رعبِ سکندری کے بھی
بحرِ حیات سے نہ ڈر اس سے نہ ڈھونڈھ تو مفر — تجھ کو یہی سکھائے گا راز شناوری کے بھی
پوچھ نہ مجھ سے ہمنشیں ظرفِ دلِ غنیں — سازِ سکندری کے بھی سوز قلندری کے بھی
مثل فقیر بے نوا پھرتے ہیں جن کو ہم لئے — ہاں انہی جھولیوں میں ہیں راز تو انگری کے بھی
سر بھی جھکا ہوا ہے عشق حسن کے پائے ناز پر — ناز اٹھا چکا ہے حسن عشق کی خود سری کے بھی
رات تری نگاہِ ناز کتنے فسانے کہہ گئی — غمزۂ کافری کے بھی عشوۂ دلبری کے بھی
شعلے اٹھے زمیں کے دیکھ کرشمے اے نگاہ — اس کے خرامِ ناز کے فتنۂ سرسری کے بھی
پڑھ کبھی آیتِ شفق قلب و نظر کا واسطہ — جلوۂ رنگ رنگ میں رنگ پیمبری کے بھی

چھیڑ دیا غزل میں آج میں نے وہ نغمۂ زمیں
اڑ گئے گھونگھٹ اے فراقؔ زہرہ و مشتری کے بھی

زمیں بدلی فلک بدلا مذاقِ زندگی بدلا
تمدّن کے قدیم اقدار بدلے آدمی بدلا

خدا و اہرمن بدلے وہ ایمانِ دوئی بدلا
حدودِ خیر و شر بدلے مذاقِ کافری بدلا

نئے انسان کا جب دورِ خود ناآگہی بدلا
رموزِ بیخودی بدلے تقاضائے خودی بدلا

بدلتے جا رہے ہیں ہم بھی دنیا کو بدلنے میں
نہیں بدلی ابھی دنیا، تو دنیا کو ابھی بدلا

نئی منزل کے میر کارواں بھی اور ہوتے ہیں
پرانے خضرِ رہ بدلے وہ طرزِ رہبری بدلا

کبھی سوچا بھی ہے اے نظمِ کہنہ کے خداوندو
تمھارا حشر کیا ہوگا جو یہ عالم کبھی بدلا

اِدھر پچھلے سے اہلِ مال و زر پر رات بھاری ہے
اُدھر بیداریِ جمہور کا انداز بھی بدلا

زہے سوزِ غمِ آدم خوشا سازِ دلِ آدم
اسی اک شمع کی لو نے جہانِ تیرگی بدلا

نئے منصور ہیں صدیوں پرانے شیخ و قاضی ہیں
نہ فتوے کفر کے بدلے نہ عذرِ دار ہی بدلا

بتائے تو بتائے اُس کو تیری شوخیِ پنہاں
تری چشمِ توجہ ہے کہ طرزِ بے رخی بدلا

بہ فیضِ آدمِ خاکی زمیں سونا اُگلتی ہے
اسی ذرّے نے دورِ مہر و ماہ و مشتری بدلا

ستارے جاگتے ہیں رات لٹ چھٹکائے سوتی ہے
دبے پاؤں کسی نے آ کے خوابِ زندگی بدلا

فراقِ ہمنوائے میر و غالب اب نئے نغمے
وہ بزمِ زندگی بدلی وہ رنگِ شاعری بدلا

---

یہ صباحت کی ضو مہ چکاں مہ چکاں
یہ پسینے کی رو، کہکشاں کہکشاں

عشق تھا ایک دن داستاں داستاں
آج کیوں ہے وہی بے زباں بے زباں

دل کو پایا نہیں منزلوں منزلوں
ہم پکار آئے ہیں کارواں کارواں

عشق بھی شادماں شادماں ان دنوں
حسن بھی ان دنوں مہرباں مہرباں

ہے ترا حسن دلکش سراپا سوال
ہے تری ہر ادا چیستاں چیستاں

دم بدم شبنم و شعلہ کی یہ لویں
سر سے پا تک بدن گلستاں گلستاں

بیٹھنا ناز سے انجمن انجمن
دیکھنا ناز سے داستاں داستاں

مہکی مہکی فضا خوشبوئے زلف سے
پنکھڑی ہونٹ کی گلفشاں گلفشاں

جس کے سائے میں اک زندگی کٹ گئی
عمر زلفِ رسا جاوداں جاوداں

لے اُڑی ہے مجھے بوئے زلفِ سیہ
یہ کھلی چاندنی بوستاں بوستاں

آج سنگم سراسر جو عشق ہے
ایک دریائے غم بے کراں بے کراں

جس طرف جائیے مطلع نور نور
جس طرف جائیے مہوشاں مہوشاں

بُو زمیں سے مجھے آ رہی ہے تری
تجھ کو کیوں ڈھونڈیے آسماں آسماں

سچ بتا مجھ کو کیا یونہی کٹ جائے گی
زندگی عشق کی رائیگاں رائیگاں

روپ کی چاندنی سوزِ دل سوزِ دل
موج گنگ و جمن سازِ جاں سازِ جاں

عہد و پیماں کوئی حُسن بھی کیا کرے
عشق بھی تو ہے کچھ بدگماں بدگماں

جیسے کونین کے دل پہ ہو بوجھ سا
عشق سے حُسن ہے سرگراں سرگراں

کیوں فضاؤں کی آنکھوں میں تھے اشک سے
وہ سدھارے ہیں جب شادماں شادماں

لب پہ آئی نہ وہ بات ہی ہم نشیں
آئے کیا کیا سخن درمیاں درمیاں

ڈھونڈتے ڈھونڈتے ڈھونڈ لیں گے تجھے
گو نشاں ہے ترا بے نشاں بے نشاں

میرے دارالاماں اے حریمِ نگار
ہم پھریں کیا یونہی بے اماں بے اماں

یوں گھُلے گا گھُلے گا ترے عشق میں
رہ گیا عشق اب استخواں استخواں

ہم کو سُننا بہرحال تیری خبر
ماجرا ماجرا داستاں داستاں

اس کے تیور پہ قرباں لُطف و کرم
مہرباں مہرباں مہرباں مہرباں

جی میں آتا ہے تجھ کو پکارا کروں
رہگذر رہگذر آستاں آستاں

یاد آنے لگیں پھر ادائیں تری
دل نشیں دل نشیں جانستاں جانستاں

کیوں ترے غم کی چنگاریاں ہو گئیں
سوزِ دل سوزِ دل سوزِ جاں سوزِ جاں

ساتھ ہے رات کی رات وہ رشکِ مہ
میزباں میزباں میہماں میہماں

عشق کی زندگی بھی غرض کٹ گئی — غمزدہ غمزدہ شادماں شادماں
اب پڑے اب پڑے اُس کے ماتھے پہ بل — الحذر الحذر الاماں الاماں
کیف و مستی ہیں امکاں در امکاں فراقؔ
چاندنی ہے ابھی نوجواں نوجواں

زہے آب و گل کی یہ کیمیا ہے چمن کہ معجزۂ نمو
نہ خزاں ہے کچھ نہ بہار کچھ، وہی خار و خس وہی رنگ و بو
مری شاعری کا یہ آئینہ کرے ایسے کو ترے رو برو
جو تری ہی طرح ہو سربسر جو تجھی سے ملتا ہو مو بمو
اسی سوز و ساز کی منتظر تھی بہارِ گلشنِ آرزو
ترے رنگِ نشاط سے مرے غم کی آنے لگی ہے بو
ـ وہ چمن پرست بھی ہیں جنھیں یہ خبر ہوئی ہی نہ آج تک
کہ گلوں کی جس سے ہے پرورش رگِ خار میں ہے وہی لہو
ہوئی ختم صحبتِ میکشی، یہی داغ سینوں میں لے چلے
کہ طلوع ہونے سے رہ گئے کئی آفتاب خم و سبو
کئی لاکھ پھولوں نے پیرہن سرِ باغ ہنس کے اُڑا دیے
زہے فصلِ گُل وہ ہوا چلی کہ چمن کی لے اُڑی آبرو
جسے اپنے آپ سے کہتے بھی مجھے آج لاکھ حجاب ہو
وہ زمانہ عشق کو یاد ہے مرا عرضِ غم ترے رُوبرو
ـ تجھے پا کے خود کو میں پاؤں گا کہ تجھی میں کھویا ہوا ہوں میں
یہ تری تلاش ہے اس لئے کہ مجھے ہے اپنی ہی جستجو

ہوئی وارداتِ سحر یہاں تو کلوں کا سینہ دھڑک گیا
یہ چلی کہ تیغ نسیم نے کئی ہاتھ اُچھال دیا لہو
مرے دل میں تھا کوئی جلوہ گر وہ ہو تو کہ اور کوئی مگر
یہی خال و خط تھے بجنسہٖ یہی روپ رنگ تھا ہو بہو
ادھر ایک چُپ تو ہزار چپ اُدھر ایک کہہ تو ہزار سُن
وہ نیازِ عشق کی بے بسی وہ نگاہِ ناز کی دو بدو
وہی آنکھ جامِ مئے حیا وہی آنکھ جامِ جہاں نما
جو نگاہ اُٹھتی نہیں کبھی وہ نگاہ جاتی ہے چار سو
کبھی پائے پائے ہوئے تجھے کبھی کھوئے کھوئے ہوئے تجھے
کبھی بے نیاز تلاش ہے کبھی عشق مائلِ جستجو
نہ یہ بھید حُسن کا کھل سکا نہ بھرم یہ عشق کا مٹ سکا
کسی روپ میں یہ ہے تو کہ میں کسی بھیس میں یہ ہوں میں کہ تُو
یہ کہاں سے بزمِ خیال میں اُمنڈ آئیں چہروں کی ندیاں
کوئی مہ چکاں کوئی خورفشاں کوئی زہرہ وش کوئی شعلہ رُو
کہ باغ حُسن عدن عدن کہ باغِ حُسن ختن ختن
تب و تاب روئے نو بہ نو خم پیچ زُلفِ سیاہ مُو
وہ ادائے عذرِ ستم نہ تھی وہ تھا کوئی جادوئے سامری
مجھے آج تک نہیں بھولتی وہ نگاہ نرگسِ حیلہ جُو
مری شاعری نے کھلائے گُل سرِ نوک خارِ چمن چمن
جو کئے یہ دعوے حریف نے رگِ فکر دینے لگی لہو
تجھے اہل دل کی خبر نہیں کہ بڑے خزانے لُٹا گئے
یہ گدا گرانِ دیارِ غم یہ قلندرانِ تہی کدو

اب اسی کا تکیہ زمانے میں یہ سُنا ہے مرجعِ خلق ہو
جو فراق تیرے لیے پھرا کبھی دربدر کبھی کو بہ کو

یہ قول ترا یاد ہے اے ساقیِ دَوراں
انگور کے اک بیج میں سو میکدے پنہاں

انگڑائیاں صبحوں کی سرِ عارضِ تاباں
وہ کروٹیں شاموں کی سرِ کاکلِ پیچاں

صد مہرِ درخشندہ چراغِ تہِ داماں
سرتا بقدم تو شفقستاں شفقستاں

پیکر یہ لہکتا ہے کہ گلزارِ ارم ہے
عضو چہکتا ہے کہ ہے صوت ہزاراں

زیروبم سینہ میں وہ موسیقیِ بے صوت
یہ پنکھڑی ہونٹوں کی ہے گلزار بداماں

یہ موجِ تبسم ہے کہ پگھلے ہوئے کوندے
شبنم زدہ غنچے لبِ لعلیں سے پشیماں

ان پتلیوں میں جیسے ہرن مائلِ رم ہوں
وحشت بھری آنکھیں ہیں کہ اک دشت و غزالاں

ہر عضوِ بدن جام بکف بے دمِ رفتار
اک سروِ چراغاں نظر آتا ہے خراماں

اک عالمِ شب تاب ہے بل کھائے لٹوں میں
راتوں کا کوئی بن ہے کہ ہے کاکلِ پیچاں

تو سازِ گنہ کا ہے کوئی پردۂ رنگیں
تو سوزِ گنہ کا ہے کوئی شعلۂ رقصاں

لہرائی ہوئی زلف شکن زیرِ شکن ہیں
سو پہلوؤں سے عالمِ ظلمات ہیں غلطاں

اشعار مرے ترسی ہوئی آنکھوں کے کچھ خواب
ہوں صبحِ ازل سے ترے دیدار کا خواہاں

ہے دار و مدار اہلِ زمانہ کا تجھی پر
تو قطبِ جہاں قبلۂ دیں کعبۂ ایماں

ہم رند ہیں واقفِ اسرارِ زمانہ
سینے میں ہمارے بھی امینِ غمِ دوراں

آنکھوں میں نہاں خانے حقیقت کے ہیں محفوظ
دنیائے مجاز ایک توجہ کی ہے خواہاں

مستی میں بھی کس درجہ ہیں محتاط ادائیں
اک نیم نگہ روشنیِ محفلِ رنداں

پردہ درِ اسرارِ نہاں نرم نگاہیں
منت کشِ غم اہرمن و مرضیِ یزداں

قامت ہے کہ کہسار پہ چڑھتا ہوا دن ہے
جوبن ہے کہ ہے چشمۂ خورشید میں طوفاں

سانچے میں ڈھلے شعر ہیں یا عضوِ بدن کے — یہ فکر نما جسم سراسر غزلستاں
ہر جنبشِ اعضا میں چھلک جاتے ہیں صد جام — ہر گردشِ دیدہ میں کئی گردشِ دوراں
خمیازۂ پیکر میں چٹک جاتے ہیں غنچے — رنگینیٔ قامت چمنستاں بہ چمنستاں
ہیں جلوہ دہِ بزم پسینے کے یہ قطرے — جسمِ عرق آلود سے محفل ہے چراغاں
اب گردنِ مینا بھی ہے شائستۂ زنّار — زرکاری خمدار سے ہے صاف نمایاں
اک شعلۂ بے دود ہے یا قُلقُلِ مینا — یہ نغمہ ہے روشن کُنِ تاریکیِ دوراں
ساغر کی کھنک درد میں ڈوبی ہوئی آواز — اِس دورِ ترقّی میں دُکھی ہے بہت انساں
آتش کدۂ غیب سے لے آئے ہیں یہ لوگ — پہلو میں ہمارے ہے دلِ شعلہ بداماں
میخانہ بھی ہے غم کدۂ زیست کی تصویر — نم دیدہ ہیں پیمانے پیالے دلِ سوزاں
کیا ہونے کو ہے کارگہِ دہر میں ساقی — جس سمت نظر جائے قیامت کے ہیں ساماں
کب ہوگی ہویدا اُفقِ خُم سے نئی صُبح — شیشوں سے جھلکتا تو ہے مستقبلِ انساں
اس بادۂ سرجوش سے اُٹھتی ہیں جو موجیں — ہیں عالمِ اسرار کی وہ سلسلہ جُنباں
یہ جسم ہے یا کرشن کی بنسی کی کوئی ٹیر — بل کھایا ہوا روپ ہے یا شعلۂ پیچاں
صد مہر و قمر اس میں جھلک جاتے ہیں ساقی — اک بوندِ مئے ناب ہیں صد عالمِ امکاں
مئے جوششِ صہبا میں دھڑکتا ہے دلِ جام — ساغر میں ہیں موجیں کہ پھڑکتی ہے رگِ جاں
ساقی تری آمد کی بشارت ہے شبِ ماہ — نکلا وہ نصیبوں کو جگاتا مہِ تاباں
جامِ مئے رنگیں ہیں کہ گلہائے شگفتہ — میخانے کی یہ رات ہے یا صبحِ گلستاں
پوچھے نہ ہمیں تو ہی تو ہم لوگ کہاں جائیں — اے ساقیٔ دوراں ارے اے ساقیِ دوراں
ساقی یہ ترا قول ہمیں یاد رہے گا — آراستہ جس وقت ہوئی محفلِ رنداں
بس فرصت اک لمحہ ہے رندو کہ ہے اترا — اک لمحہ ابد کا تہ بہ تہِ گنبدِ دوراں

برحق ہے فراقؔ اہلِ طریقت کا یہ کہنا
یہ مئے غمِ دنیا کو بنا دے غمِ جاناں

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

مری نظریں بھی ایسے کافروں کی جانِ ایماں ہیں
نگاہیں ملتے ہی جو جان اور ایمان لیتے ہیں

جسے کہتی ہے دنیا کامیابی وائے نادانی
اسے کن قیمتوں پر کامیاب انسان لیتے ہیں

نگاہِ بادہ گوں یوں تو تری باتوں کا کیا کہنا
تری ہر بات لیکن احتیاطاً چھان لیتے ہیں

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

خود اپنا فیصلہ بھی عشق میں کافی نہیں ہوتا
اسے بھی کیسے کر گزریں جو دل میں ٹھان لیتے ہیں

حیاتِ عشق کا اک اک نفس جامِ شہادت ہے
وہ جانِ ناز برداراں کوئی آسان لیتے ہیں

ہم آہنگی میں بھی اک چاشنی ہے اختلافوں کی
مری باتیں بعنوانِ دگر وہ مان لیتے ہیں

تری مقبولیت کی وجہ واحد تیری رمزیت
کہ اس کو مانتے ہی کب ہیں جسکو جان لیتے ہیں

اب اس کو کفر مانیں یا بلندیٔ نظر جانیں
خدائے دو جہاں کو دے کے ہم انسان لیتے ہیں

جسے صورت بتاتے ہیں پتہ دیتی ہے سیرت کا
عبارت دیکھ کر جس طرح معنی جان لیتے ہیں

تجھے گھاٹا نہ ہونے دیں گے کاروبارِ اُلفت میں
ہم اپنے سر ترا اے دوست ہر نقصان لیتے ہیں

ہماری ہر نظر تجھ سے نئی سوگند کھاتی ہے
تو تیری ہر نظر سے ہم نیا پیمان لیتے ہیں

رفیقِ زندگی تھی اب انیسِ وقتِ آخر ہے
ترا اے موت ہم یہ دوسرا احسان لیتے ہیں

زمانہ وارداتِ قلب سُننے کو ترستا ہے
اسی سے تو سر آنکھوں پر مرا دیوان لیتے ہیں

فراق اکثر بدل کر بھیس ملتا ہے کوئی کافر
کبھی ہم جان لیتے ہیں کبھی پہچان لیتے ہیں

---

توہے سربسر کوئی داستاں ہے عجیب عالمِ انجمن
یہ نگاہ ناز زباں زباں یہ سکوت نازِ سخن سخن

یہ شعور صاعقہ افگنی یہ ادائے نرگسِ پُر فتن
کہ پلا پلا کے لنڈھا بھی دے یہ تری نگاہ پیالہ زن

یہ لبوں کی شوخ بیانیاں کہ چھلک گئی ہیں گلابیاں
یہ بہار انجمن طرب کہ ہر اک کلی ہے چمن چمن

۱ تری قربتیں بھی ہیں دوریاں یہ کرشمۂ کششِ من    چہ قیامتے کہ نمی رسی زکنارِ من بہ کنارِ من[له]
۳ نہ زیادہ ظرف سے دے نہ کم کہ ہیں ہاتھ اُسکے چھچھے تُلے    ہے وہی آنکھ ضامنِ ہوش بھی وہی آنکھ ساقیٔ انجمن
مرے سینے میں ہے وہ روشنی کہ نہ عمر جس کی بتا سکیں    یہیں جلوے دورِ جدید کے یہیں پر تو عہدِ کہن
وہ تمام روئے نگار ہے وہ تمام بوس و کنار ہے    وہ ہے چہرہ چہرہ جو دیکھئے وہ ہے چومئے تو دہن دہن
یہ خیال محفلِ دوستاں کسی اجنبی کا ہے یہ بیاں    وہ جہاں نہ سمجھیں مری زباں ہی قسمتوں سے ملا وطن
۲ وہ نظر نظر کی فسوں گری وہ سکوت کی بھی سخنوری    تری آنکھ جادوئے سامری ترے لب فسانۂ نل دمن
مرے دل کی خلوتِ یاس کی یہ سیاہیاں یہ اُداسیاں    وہ دیارِ ہوں کہ جہاں ہوئی حرا ستانۂ شبِ وطن
۱ وہ گناہِ آدم اولیں کہ ہے مستیوں کا وہی امیں    ہیں بشر کے خون میں آج بھی کئی جرعہ ہائے مے عدن
دمِ میکشی یہ دھواں دھواں جو چہار سمت فضا میں ہیں    یہ مرے گنہ کی گھٹائیں ہیں کہ ہیں بوئے زلف شکن شکن
میں خزاں بھی ہوں بہار بھی مری زندگی ہے وہ زندگی    کہ مثالِ برگِ گلِ چمن جو گئے کفن گئے پیرہن
یہ کمال جذبِ دلِ تپاں کبھی بدلے گردشِ آسماں    کوئی صبح روئے چمن چمن کوئی شامِ زلف شکن شکن
یہ بھی اک بہانہ تھا کھانے کا تری کج کلاہیوں کی قسم    سرِ شاخسار دکھا گئے کئی بار غنچے جو بانکپن
وہ تبسمِ لبِ نازنیں وہ بہارِ پیکرِ دل نشیں    وہی ادھ کھلی سی کلی کلی وہی تازگیٔ چمن چمن
کفِ پا سے تا سرِ ناز ہیں کئی آنکھیں کھلتی جھپکتی ہیں    کہ تمام مسکنِ آہواں ہے دمِ خمار ترا بدن
کبھی دادِ شوق نہ دے سکا مرے دل کو پرتوِ دلبری    کہ لرز گیا ہے یہ آئینہ جو لچک گئی ہے کوئی کرن
کوئی میری آنکھوں سے دیکھتا ترے بزمِ ناز کی وسعتیں    وہ ہر ایک گوشہ مکاں مکاں وہ ہر ایک لمحہ زمن زمن
وہ لبوں کی لعل ضیا ضیا وہ کرن ہنسی کی ذرا ذرا    تری نیم ادا بھی ادا ادا تری اک جھلک بھی یمن یمن
کوئی چیز آڑے تو آ گئی کہ بخبر ہو گیا خاتمہ    مری بیکسی نے اُڑا دیا مرے آنسوؤں کا مجھے کفن
مرے دوستوں کو ستم ہے مری نور و نار کی زندگی    جو ادھر چراغِ حرم کی لَو تو ادھر بھی کفر ہے شعلہ زن
کبھی ہو سکا تو بتاؤں گا تجھے رازِ عالمِ خیر و شر    کہ میں وہ چکا ہوں شروع ہی سے کہے ایزد کہے اہرمن

---

له ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنجِ خمارِ ما    چہ قیامتے کہ نمی رسی زکنارِ ما بہ کنارِ ما    (بیدلؔ)

ارے اُکھڑی اُکھڑی یہ زندگی ارے کھوئی کھوئی یہ زندگی
مجھے کیا وطن میں سکون ہو کہ وطن ہی کج ہوئے وطن

جسے ڈس لیا ہے زمانے نے کوئی زندگی ہے یہ زندگی
یہ سوادِ شام اجل نما یہ ضیائے صبح کفن کفن

تجھے منزلیں بھی ہیں رہگذر مجھے رہگذاریں بھی منزلیں
یہی فرق ہے مرے ہمسفر وہ ترا چلن یہ مرا چلن

مری ہر غزل کو یہ آرزو تجھے سج سجا کے نکالئے
مری فکر ہو ترا آئینہ مرے نغمے ہوں ترے پیرہن

کبھی پچھلی رات کو دیکھ لے کسی سانس لیتے چراغ کو
کہ غزل ہوئی تو رگوں میں ہے وہی خستگی سی دی تھکن

یہ اُداس اُداس یہ بجھی بجھی کوئی زندگی ہے فراق کی
مگر آج کشتِ سخنوری ہے اسی کے دم سے چمن چمن

دیتے ہیں جامِ شہادت مجھے معلوم نہ تھا
ہے یہ آئینِ محبت مجھے معلوم نہ تھا

مطلبِ چشمِ مروت مجھے معلوم نہ تھا
تجھ کو مجھ سے تھی شکایت مجھے معلوم نہ تھا

چشمِ خاموش کی بابت مجھے معلوم نہ تھا
یہ بھی ہے حرف و حکایت مجھے معلوم نہ تھا

عشق بس میں ہے مشیت کے عقیدہ تھا مرا
اس کے بس میں ہے مشیت مجھے معلوم نہ تھا

ہفت خواں جس نے کئے طے سرِ راہِ تسلیم
ٹوٹ جاتی ہے وہ ہمت مجھے معلوم نہ تھا

آج ہر قطرۂ مے بن گیا اک چنگاری
تھی یہ ساقی کی شرارت مجھے معلوم نہ تھا

نگہِ مست نے تلوار اُٹھالی سرِ بزم
یوں بدل جاتی ہے قیمت مجھے معلوم نہ تھا

غمِ ہستی سے جو بیزار رہا میں اک عمر
تجھ سے بھی تھی اسے نسبت مجھے معلوم نہ تھا

عشق بھی اہلِ طریقت میں ہے ایسا تھا خیال
عشق ہے پیرِ طریقت مجھے معلوم نہ تھا

پوچھ مت شرحِ کرم ہائے عزیزاں ہمدم
اُن میں اتنی تھی شرافت مجھے معلوم نہ تھا

جب سے دیکھا ہے تجھے مجھ سے ہے میری اَن بَن
حُسن کا رنگِ سیاست مجھے معلوم نہ تھا

شکل انسان کی ہو چال بھی انسان کی ہو
یوں بھی آتی ہے قیامت مجھے معلوم نہ تھا

سر معمورۂ عالم یہ دلِ خانہ خراب
لُٹ گیا تیری بدولت مجھے معلوم نہ تھا

پردۂ عرض وفا میں بھی رہا ہوں کرتا — تجھ سے میں اپنی ہی غیبت مجھے معلوم نہ تھا
میں سرِ عرش بریں ڈھونڈ رہا تھا اس کو — تیرے قدموں میں تھی جنت مجھے معلوم نہ تھا
نقدِ جاں کیا ہے؟ زمانے میں محبت ہمدم — نہیں ملتی کسی قیمت مجھے معلوم نہ تھا
ہو گیا آج رفیقوں سے گلے مل کے جدا — اپنا خود عشق صداقت مجھے معلوم نہ تھا
دردِ دل کیا ہے کھلا آج ترے لوٹنے پر — تجھ سے اتنی تھی محبت مجھے معلوم نہ تھا
دم نکل جائے مگر دل نہ لگائے کوئی — عشق کی تھی یہ وصیت مجھے معلوم نہ تھا
حُسن والوں کو بہت سہل سمجھ رکھا تھا — تجھ پہ آئے گی طبیعت مجھے معلوم نہ تھا

کتنی خلاق ہے یہ نیستئ عشق فراق
اس سے ہستی ہے عبارت مجھے معلوم نہ تھا

خرامِ ناز لیلیٰ گُل اندام — گُلِ فردوس کھلتے ہیں بہ ہر گام
تری اوقات کیا اے عشقِ ناکام — اک آہِ بے اثر اک دردِ بے نام
حیاتِ بے محبت سربسر موت — محبت زندگی کا دوسرا نام
ذرا اک گردشِ چشم اور ساقی — بہت انگڑائی لیتے ہیں مے آشام
بدل جاتی ہے دُنیا اس کو سُن کر — نیا ہے لیجیے جس دم ترا نام
نہ پوچھو وصل کے اوقات کیا تھے — وہ آئے گیسو کھولے ہو گئی شام
یہ باتیں تیری چٹکی چاندنی میں — چھلکتے ہیں شبِ مہتاب میں جام
کسی کی یاد میں جی بھر کے رو لیں — ہمیں بھی آج اے دل کچھ نہیں کام
ہر اک سانس اسکی ہے جانِ بہاراں — وہی اک گُل بدن گُل پوش گُل فام
جسے جانِ حیا کہتی تھی دُنیا — ہر اک کو کر گئی وہ آنکھ بدنام
جمالِ بے بدل سو رنگ بدلے — نگاہوں کو بس اپنے کام سے کام

خیالاتِ پریشاں ۔ یادِ گیسو — کہاں اس کارواں کو ہو گئی شام
سکوتِ ناز سمجھے تھے جسے ہم — وہی اک بات آخر کر گئی کام
اک احساسِ کمی تھا زندگی کو — اسی غم کا محبت پڑ گیا نام
گراں ہے دورِ حاضر اک جہاں پر — بڑھیں اب انقلاباتِ سُبک گام
ترا مجرم گنہگارِ جہاں بھی — جہاں اتنے وہاں اک اور الزام
ابھی تو بحثِ کفر و دیں ہے ساقی — ابھی یہ لب کہاں شائستۂ جام
نوائے راز سے بُت خانے روشن — دئے جاتے ہیں لَو لبہائے اصنام

فراقؔ حساس کی ایسی ریاضت
حقیقت شاعری بھی ہے بڑا کام

یہ تو نہیں کہ غم نہیں — ہاں مری آنکھ نم نہیں
تم بھی تو تم نہیں ہو آج — ہم بھی تو آج ہم نہیں
نشہ سنبھالے ہے مجھے — بہکے ہوئے قدم نہیں
قادرِ دو جہاں ہے گو — عشق کے دم میں دم نہیں
موت اگرچہ موت ہے — موت سے زیست کم نہیں
کس نے کہا یہ تم سے خضر — آبِ حیات سم نہیں
کہتے ہو دہر کو بھرم — مجھ کو تو یہ بھرم نہیں
اب نہ خوشی کی ہے خوشی — غم بھی اب تو غم نہیں
میری نشست ہے زمیں — خلد نہیں ارم نہیں
اور ہی ہے مقامِ دل — دیر نہیں حرم نہیں
قیمتِ حسن دو جہاں — کوئی بڑی رقم نہیں

عہدِ وفا ہے حُسنِ یار     قول نہیں قسم نہیں
لیتے ہیں مول دو جہاں     دام نہیں درم نہیں
صوم و صلوٰۃ سے فراقؔ     میرے گناہ کم نہیں

لطف نہیں کرم نہیں     جور نہیں ستم نہیں
اب نہیں روئے مہ چکاں     گیسوئے خم بہ خم نہیں
بر سرِ عالمِ وجود     کون سی شے عدم نہیں
یوں ہی نکل گئی اک آہ     رنج نہیں الم نہیں
کیا مری زندگی تری     بھولی ہوئی قسم نہیں
قائلِ حسنِ دل فریب     آپ نہیں کہ ہم نہیں
میں ترا موردِ عتاب     اس سے بڑا کرم نہیں
عالمِ حسنِ محض یار     عالمِ کیف و کم نہیں
جس کے لئے غزل کہوں     ایسا کوئی صنم نہیں
کب سرِ سازِ کائنات     عالمِ زیر و بم نہیں
کب کوئی آہوئے جمیل     مائلِ عزمِ رم نہیں
مظہرِ دو جہاں ہوں میں     عشق ہوں جامِ جم نہیں
رقصِ شرر سے دیرپا     زندگیِ اُمم نہیں
ہاں کوئی اور بھی قسم     کھائی ہوئی قسم نہیں
آج بہت اداس ہوں     یوں کوئی خاص غم نہیں
ہائے یہ بیخودیِ غم     آئے جو وہ تو ہم نہیں
غالبؔ و میرؔ و مصحفیؔ     ہم بھی فراقؔ کم نہیں

زلفِ سیہ ختن ختن — جلوۂ رُخ چمن چمن
ہائے یہ شوخیٔ سخن — بات میں بات کن میں کن
پوچھ ضمیرِ عشق سے — رازِ خدا و اہرمن
ہر شبِ غم گذر گئی — اوڑھے ستاروں کا کفن
یاد نہیں کہ کب ہوا — نشۂ سرخوشی ہرن
خود ہی ہے داستانِ شوق — تیرا جمال بے سخن
سب ہے کرشمۂ انا — کھا نہ فریبِ ما و من
جلوے نہیں یہ چہرے ہیں — تو ہے خود ایک انجمن
شعر سے بھی لطیف تر — اس کی نزاکتِ بدن
ہے شبِ میکدہ کی جان — نرگسِ صد پیالہ زن
آنکھ طلسمِ شام سے — یا کوئی آہوئے ختن
مستیٔ عشق سر بسر — نشۂ بادۂ کہن
مذہب و ملت و نظام — بدلیں گے یہ زمن زمن
عشق ہو اور بدگماں — روٹھ کے اس ادا سے من
ہے یہ خطاب ناز یا — اُڑتے ہیں برگِ یاسمن
تیرے خرام ناز میں — ٹھنڈی ہواؤں کا چلن
خوشبوئیں جیسے مسکرائیں — پوچھ نہ نازکیٔ تن
جیسے فضا پچھاڑیں کھائے — ہائے یہ بوئے پیرہن
کس کے یہ عضو عضو سے — آتی ہے خوشبوئے دہن
اس کے سکوت ناز میں — ماجرا ہائے نل و من
کرشن کی بانسری سے دیکھ — سطحِ چمن شکن شکن
میں ہوں فراقؔ خود ہی لاکھ — انجمنوں کی انجمن

زیر و بم سے سازِ خلقت کے جہاں بنتا گیا
یہ زمیں بنتی گئی یہ آسماں بنتا گیا

داستانِ جور بیحد خوں سے لکھتا ہی رہا
قطرہ قطرہ اشکِ غم کا بیکراں بنتا گیا

عشق تنہا سے ہوئیں آباد کتنی منزلیں
اک مسافر کارواں در کارواں بنتا گیا

میں تمہارے جس غم کو اپنا جانتا تھا وہ بھی تو
زیبِ عنوانِ حدیثِ دیگراں بنتا گیا

بات نکلے بات سے جیسے وہ تھا تیرا بیاں
نام تیرا داستاں در داستاں بنتا گیا

ہم کو ہے معلوم سب روداد علم و فلسفہ
ہاں ہر ایمان و یقین وہم و گماں بنتا گیا

میں کتابِ دل میں اپنا حالِ غم لکھتا رہا
ہر ورق اک بابِ تاریخِ جہاں بنتا گیا ✓.

بس اسی کی ترجمانی ہے مرے اشعار میں
جو سکوتِ رازِ رنگیں داستاں بنتا گیا

میں نے سونپا تھا تجھے اک کام ساری عمر میں
وہ بگڑتا ہی گیا اے دل کہاں بنتا گیا

وارداتِ دل کو دل ہی میں جگہ دیتے رہے
ہر حسابِ غم حسابِ دوستاں بنتا گیا

میری گھٹی میں پڑی ہے ہو کے حل اُردو زباں
جو بھی میں کہتا گیا حُسنِ بیاں بنتا گیا

وقت کے ہاتھوں یہاں کیا کیا خزانے لُٹ گئے
ایک تیرا غم کہ گنجِ شائیگاں بنتا گیا

سرزمینِ ہند پر اقوامِ عالم کے فراقؔ
قافلے بستے گئے ہندوستاں بنتا گیا

ہر عقدۂ تقدیرِ جہاں کھول رہی ہے
ہاں دھیان سے سُننا یہ صدی بول رہی ہے

نگڑائیاں لیتی ہیں تمنّا تری دل میں
شیشے میں پری ناز کے پر تول رہی ہے

ہ رہ کے کھنک جاتی ہے ساقی یہ شبِ ماہ
اک جام پلا خنکیٔ شب بول رہی ہے

ل تنگ ہے شب کو کفنِ نور پنہا کے
وہ صبح جو غنچوں کی گرہ کھول رہی ہے

ک آگ لگا دیتی ہے دیوانوں کے دل میں
غنچوں کی رگوں میں جو تری بول رہی ہے

ھلکاتی ہے جو آنکھ نگاہوں سے گلابی
اس پردے میں وہ زہر بھی کچھ گھول رہی ہے

شبنم کی دمک ہے کہ شبِ ماہ کی دیوی
موتی سرِ گلزار جہاں رول رہی ہے

رکھتی ہے مشیّت حدِ پرواز جہاں بھی
انسان کی ہمّت وہیں پر تول رہی ہے

پہلو میں شبِ تار کے ہے کون سی دنیا
جس کے لئے آغوشِ سحر کھول رہی ہے

ہر آن وہ رگ رگ میں چٹکتی ہوئی کلیاں
اس شوخ کی اک ایک ادا بول رہی ہے

آمادۂ عصیاں ہیں جوانانِ چمن آج
جو شاخ ہے پیمانۂ مے تول رہی ہے

خوش ہے دلِ غمگیں بھی غنیمت ہے یہ وقفہ
اس کی نگہِ ناز بھی ہنس بول رہی ہے

گو حسن کی قیمت ہے ازل ہی سے دو عالم
وہ جنسِ محبت ہے جو انمول رہی ہے

پھر از سرِ نو جو تکتی جاتی ہیں نگاہیں
خاموش ہیں افلاک زمیں بول رہی ہے

اک کشفِ کرامات کا عالم ہے گلستاں
یا بادِ صبا رازِ جہاں کھول رہی ہے

چھڑتے ہی غزل بڑھتے چلے رات کے سائے
آواز مری گیسوئے شب کھول رہی ہے

آتا ہے فراقؔ آج ادھر بہرِ زیارت
مے خانے کی خاموش فضا بول رہی ہے

کچھ بھی عیاں نہاں نہ تھا کوئی زماں مکاں نہ تھا
دیر تھی اک نگاہ کی پھر یہ جہاں جہاں نہ تھا

ساز وہ قطرے قطرے میں سوز وہ ذرّے ذرّے میں
یاد تری کسے نہ تھی درد ترا کہاں نہ تھا

عشق کی آزمائشیں اور فضاؤں میں ہوئیں
پاؤں تلے زمیں نہ تھی سر پہ یہ آسماں نہ تھا

سوزِ نہاں میں وہ قرار قلبِ تپاں میں وہ صفا
شعلہ تو تھا تڑپ نہ تھی آگ تو تھی دھواں نہ تھا

عشق حریمِ حسن میں اپنے سہارے رہ گیا
صبر کا بھی پتہ نہ تھا ہوش کا بھی نشاں نہ تھا

غفلتِ حسن جاگ اٹھی اور زبانِ عشق پر
آہ نہ تھی فغاں نہ تھی غم کا کوئی نشاں نہ تھا

کس کے حواس تھے بجا کون تھا اپنے ہوش میں
وقتِ بیانِ غم کوئی مائلِ داستاں نہ تھا

حوصلۂ تاب آزما قائلِ عشق ہو گیا
تھی نہ صدائے الحذر نعرۂ الاماں نہ تھا

ایک کو ایک کی خبر منزلِ عشق میں نہ تھی
کوئی بھی اہلِ کارواں شاملِ کارواں نہ تھا

دیکھ فضائے دہر کو کیفِ عدم سے بھر دیا
اے دلِ دردآشنا مٹ کے بھی میں کہاں نہ تھا

عشق نے اپنی جان کو روگ کئی لگا لئے
ہجر و وصال امید و بیم کون وبالِ جاں نہ تھا

خلوتیانِ راز سے حالِ وصالِ یار نہ پوچھ
حُسن بھی بے نقاب تھا عشق بھی درمیاں نہ تھا

اب نہ وہ پرسشِ کرم اب نہ وہ چشمِ آشنا
شکوۂ عشق برطرف تجھ سے تو یہ گماں نہ تھا

دورِ حیات محض تھا اُس کے حریمِ راز میں
کیف و اثر کا ذکر کیا زیست کا بھی نشاں نہ تھا

شکوۂ درگذر نما کیوں ہے کہ حسنِ عشق سے
اتنا تو بدگماں نہ تھا اتنا تو سرگراں نہ تھا

تیری خوشی کہ یاد رکھ تیری خوشی کہ بھول جا
تجھ سے ذرا بھی بدگماں عالمِ رفتگاں نہ تھا

صبر و سکوں کے راز کچھ باتوں میں کھل گئے مگر
عشق کو بھی خوشی نہ تھی حُسن بھی شادماں نہ تھا

پھر بھی سکونِ عشق پر آنکھ بھر آئی بارہا
گو غمِ ہجر بھی فراق کچھ غمِ جاوداں نہ تھا

آج بھی قافلۂ عشق رواں ہے کہ جو تھا
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

پھر ترا غم وہی رسوائے جہاں ہے کہ جو تھا
پھر فسانہ بحدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

منزلیں گرد کے مانند اُڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گذراں ہے کہ جو تھا

ظلمت و نور میں کچھ بھی نہ محبت کو ملا
آج تک ایک دھندلکے کا سماں ہے کہ جو تھا

یوں تو اس دور میں بے کیف سی ہے بزمِ حیات
ایک ہنگامہ سرِ رطلِ گراں ہے کہ جو تھا

لاکھ کر جور و ستم لاکھ کر احسان و کرم
تجھ پہ اے دوست وہی وہم و گماں ہے کہ جو تھا

عشق افسردہ نہیں آج بھی افسردہ بہت
وہی کم کم اثرِ سوزِ نہاں ہے کہ جو تھا

قرب ہی کم ہے نہ دوری ہی زیادہ لیکن
آج وہ ربط کا احساس کہاں ہے کہ جو تھا

نظر آجاتے ہیں تم کو تو بہت نازک بال
دل مرا کیا وہی اے شیشہ گراں ہے کہ جو تھا

جان دے بیٹھے تھے اک بار ہوس والے بھی　　پھر وہی مرحلۂ سود و زیاں ہے کہ جو تھا
آج بھی صید گہِ عشق میں حُسنِ سفّاک　　لئے ابرو کی لچکتی سی کماں ہے کہ جو تھا
پھر تری چشمِ سخن سنج نے چھیڑی کوئی بات　　وہی جادو ہے وہی حُسنِ بیاں ہے کہ جو تھا
یتِرد بجھتی نہیں جاتی دلِ سوزاں کی فراق
شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

یہ نکہتوں کی نرم روی یہ ہوا یہ رات　　یاد آ رہے ہیں عشق کے ٹوٹے تعلقات
جادو سے جن کے راز بنے سامنے کی بات　　اُن آنکھوں کے دلوں پہ کھلیں کیا معاملات
مایوسیوں کی گود میں دم توڑتا ہے عشق　　اب بھی کوئی بنالے تو بگڑی نہیں ہے بات
کچھ اور بھی تو ہو ان اشارات کے سوا　　یہ سب تو اے نگاہِ کرم بات بات بات
اک عمر کٹ گئی ہے ترے انتظار میں　　ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن سے ایک رات
کب تک رہے گی آنکھ تری سازِ بے صدا　　ہاں ٹوٹ جائے اب یہ سکوتِ نظر تو بات
ہم اہلِ انتظار کے آہٹ پہ کان تھے　　ٹھنڈی ہوا تھی غم تھا ترا ڈھل چلی تھی رات
یوں تو بچی بچی سی اُٹھی وہ نگاہِ ناز　　دُنیائے دل میں ہو ہی گئی کوئی واردات
عشّاق نے سرے سے بدل دیں منطقیں　　جو ہو سکا وہ کر گئے اب اُس کے آگے بات
حسن کا سُراغ پا نہ سکی غم کی روح بھی　　ناداں ہوئے ہیں عشق میں ایسے بھی سانحات
ہر سعی و ہر عمل میں محبت کا ہاتھ ہے　　تعمیرِ زندگی کے سمجھ کچھ محرکات
اس جا تری نگاہ مجھے لے گئی جہاں　　لیتی ہو جیسے سانس یہ بیجان کائنات
کیا نیند اس کو جیسے جگا گنا نہ آئے　　جو دن کو دن کرے وہ کرے رات کو بھی رات
دریا کے مد و جزر بھی پانی کے کھیل ہیں　　ہستی ہی کے کرشمے ہیں کیا موت کیا حیات
اہلِ رضا میں شانِ بغاوت بھی ہو ذرا　　اتنی بھی زندگی نہ ہو پابندِ رسمیات

ہم اہلِ دل ہیں چشمِ کرم سے بھی بے نیاز
سُن اے نگاہِ یار اب آکر پڑی ہے بات

ہم اہلِ غم نے رنگِ زمانہ بدل دیا
کوشش تو کی سبھی نے مگر بن پڑے کی بات

پیدا کرے زمین نئی آسماں نیا
اتنا تو لے کوئی اثرِ دورِ کائنات

اُٹھ بندگی سے مالکِ تقدیر بن کے دیکھ
کیا وسوسہ عذاب کا کیا کاوشِ نجات

شاعر ہوں گہری نیند میں ہیں جو حقیقتیں
چونکا رہے ہیں ان کو بھی میرے توہمات

مجھ کو تو غم نے فرصتِ غم بھی نہ دی فراق
دے فرصتِ حیات نہ جیسے غمِ حیات

لبِ جاناں ہیں پھر تبسم ریز
ہو گئی نبضِ کائنات بھی تیز

نگہِ ناز کے بھی ساز نہ چھیڑ
یہ بھی ہے اک صدائے درد انگیز

بس وہی پردہ دارِ صبر و سکوں
خامشی جن کی ہے قیامت خیز

کہیے کیا جو ہو یہ صورتِ حال
عشق بے تاب حُسن کم آمیز

رخصت اے ملتِ کہن کہ ترا
ہو گیا جامِ زندگی لبریز

کششِ حُسنِ یار عالم گیر
عشق کو اپنی ذات سے بھی گریز

اُف سیہ کاریاں نگاہوں کی
آہ اندازِ گیسوئے شب ریز

دورِ انسانیت کی شان تو دیکھ
گرد ہے آج سطوتِ چنگیز

لے اُڑی کائنات برقِ جمال
توسنِ ناز کو نہ کر مہمیز

ہجر اک دردِ انبساط آگیں
وصل بھی اک نشاطِ غم آمیز

دیکھ سینے میں پڑ نہ جائے لکیر
ہے یہ صہبائے عشق تند اور تیز

دیکھ رفتارِ انقلاب فراق
کتنی آہستہ اور کتنی تیز

یہ نرم نرم ہوا جھلملا رہے ہیں چراغ ترے خیال کی خوشبو سے بس رہے ہیں دماغ
دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی کہ جگمگا اُٹھیں جس طرح مندروں میں چراغ
جھلکتی ہے کھنچی شمشیر میں نئی دُنیا حیات و موت کے ملتے نہیں ہیں آج دماغ
حریف سینۂ مجروح و آتشِ غمِ عشق نہ گل کی چاک گریبانیاں نہ لالے کے داغ
وہ جن کے حال میں لَو دے اُٹھے غمِ فردا وہی ہیں انجمنِ زندگی کے چشم و چراغ
تمام شعلۂ گل ہے تمام موجِ بہار کہ تا حدِ نگہِ شوق لہلہاتے ہیں باغ
نئی زمین، نیا آسماں، نئی دُنیا سُنا تو ہے کہ محبت کو ان دنوں ہے فراغ
جو تہمتیں نہ اُٹھیں اک جہاں سے اُنکے سمیت گناہگارِ محبت نکل گئے بے داغ
جو چھپ کے تاروں کی آنکھوں سے پاؤں دھرتا ہے اسی کے نقشِ کفِ پا سے جل اُٹھے ہیں چراغ
جہانِ راز ہوئی جا رہی ہے آنکھ تری کچھ اس طرح وہ دلوں کا لگا رہے ہیں سُراغ
زمانہ کود پڑا آگ میں یہی کہہ کر کہ خون چاٹ کے ہو جائیگی یہ آگ بھی باغ
نگاہیں مطلعِ نو پر ہیں ایک عالم کی کہ مل رہا ہے کسی پھوٹتی کرن کا سُراغ
دلوں میں داغِ محبت کا اب یہ عالم ہے کہ جیسے نیند میں ڈوبے ہوں پچھلی رات چراغ

فراق بزمِ چراغاں ہے محفلِ ساقی
سجے ہیں پگھلی ہوئی آگ سے چھلکتے ایاغ

صاعقہ ساماں حُسن خراماں زلزلہ ساماں فتنۂ دوراں
حُسن گلستاں حیراں حیراں غنچہ غنچہ سر بہ گریباں
ظلمتِ دوراں بزمِ چراغاں بادہ پرستاں بادہ پرستاں
خانۂ حجاب ناز پہ نازاں وحشت وحشت داماں داماں
رنگِ پریدہ بوئے پریشاں دیکھا دیکھا حُسنِ گلستاں

سب کی حالت ایک ہے ناداں      کون ہے غمگیں کون ہے شاداں
شاکیٔ جوشش بہارِ گلستاں      تنگیٔ داماں وسعتِ داماں
قربِ حُسن سے ہے وحشت ساماں      ہوش کے پر جلتے ہیں ناداں
شعلۂ و شبنم حُسنِ گلستاں      پُرنم پُرنم، سوزاں سوزاں
دل میں اُٹھاکے رکھ لے گلستاں      کر لے علاجِ تنگیٔ داماں
بختِ سیہ گیسوئے پریشاں      یہ بھی شبستاں وہ بھی شبستاں
گیسوئے مشکیں دشتِ غزالاں      نرگسِ جادو ہے کہ پرستاں
بے خبری کے ہیں سب عنواں      کون ہے گریاں کون ہے خنداں
نظریے ہیں اور بھی ناداں      اس کی محبت درد نہ درماں
حُسن ہوا چالاک زمانہ      عشق ہے اب تک ناداں ناداں
اس کا پانا ہے وہ کرشمہ      سوچ تو مشکل دیکھ تو آساں
بیداری ہے اپنے سہارے      نیند کا جھونکا گردشِ دوراں
دھواں دھواں سا گنبدِ مینا      موجِ صہبا شعلۂ لرزاں
کس کے پاؤں کی چاپ ہے دُنیا      کون ہے صبحِ ازل سے خراماں
قطرہ قطرہ ذرّہ، ذرّہ      سازِ زمانہ شہرِ خموشاں
چھوڑ خدا کی مدد کا سہارا      اس سے سوا ہے ہمتِ مرداں
جانِ وجود و رازِ عدم ہے      حُسن نمایاں عشوہ پنہاں
بادہ کشوں کو فکر ہے جس کی      بادہ نہ ساغر برق نہ باراں
دونوں بھری دنیا ہیں لیکن      تنہا تنہا باغ و بیاباں
ٹکرائیں نہ کہیں سیارے      تیز بہت ہے گردشِ دوراں
بزم چراغاں بھی تاریکی      تاریکی بھی بزمِ چراغاں
کم نگہی بھی صدقے ہوگی      دیکھ تو میرا شوقِ فراواں

تھمی تھمی سی صبحِ قیامت — رکی رکی سی گردشِ دوراں
دونوں گرد و غبارِ منزل — صبحِ وطن یا شامِ غریباں
رہتی دُنیا گونج اُٹھی ہے — بول اُٹھا ہے شہرِ خموشاں
جیسے شفق ہو شبنم آگیں — اک عالم ہے حُسنِ پشیماں
آنچ قفس والوں تک آئی — اب کے بہت ہے شورِ بہاراں
کس کا خرام پیامِ جنوں ہے — کس کا سکوں ہے سلسلہ جُنباں
کاوشِ دوزخ و خلد عبث ہے — پہلے آدمی ہو لے انساں
چڑھتی چلی ہے عشق کی قیمت — جنسِ حُسن ہے ارزاں ارزاں
عشق کی صورت یاد رہے گی — کچھ نم دیدہ کچھ غم ساماں
داغِ محبّت راز محبّت — کم کم پیدا کم کم پنہاں
تو نے کس وادی سے پُکارا — چونک اُٹھی ہے خاکِ شہیداں
یہ بھی فسانہ وہ بھی کہانی — کیا شبِ وصل اور کیا شبِ ہجراں
دُنیا کو دُنیا کرنا ہے — یہ منصوبے، ساز نہ ساماں
یوں کرتے ہیں بھاگ کے پیچھا — عشق کے درپے حُسن گریزاں
بات اس شوخ سے بن جانے کی — کوئی نہ صورت کوئی نہ عنواں
پتّی پتّی، بوٹا بوٹا — آئینہ ساماں آئینہ ساماں
دل کی کھٹک ہے دل کی چبھن ہے — ناوک ناوک پیکاں پیکاں
وحشت کی پرچھائیں دونوں — شامِ بیاباں صبحِ گلستاں
ذرّہ ذرّہ، تارا تارا — ششدر ششدر حیراں حیراں
جزو دل بے حس ہے اب تو — حسرت حسرت ارماں ارماں
دُھندلا دُھندلا روشن روشن — عالم عالم عالمِ امکاں
تجھ سے ملتی تھی کوئی صورت — پیدا پیدا پنہاں پنہاں

آئے گنہگارانِ محبت　　نادم نادم نازاں نازاں
ڈھونڈھ لے مجھ کو دُنیا دنیا　　صحرا صحرا زنداں زنداں
بادل بادل بجلی بجلی　　بادہ گساراں بادہ گساراں
آگ لگا دے حشر اُٹھا دے　　نعرۂ مستاں نعرۂ مستاں
عشق کو دیکھا عشق کو پایا　　غم گیں غم گیں شاداں شاداں
تو نے بھرم غم عشق کے کھولے　　اے غمِ دوراں اے غمِ دوراں
حُسن و عشق سے یکساں وحشت　　یہ بھی گریباں یہ بھی گریباں
ظلمت و نور ہے عشق کی ہستی　　تیرہ تیرہ، تاباں تاباں
دوزخ کے پگھلے ہوئے شعلے　　چشمۂ حیواں چشمۂ حیواں

عمر فراق نے یونہی بسر کی
کچھ غمِ جاناں کچھ غمِ دوراں

نرم فضا کی کروٹیں دل کو دُکھا کے رہ گئیں　　ٹھنڈی ہوائیں بھی تری یاد دلا کے رہ گئیں
شام بھی تھی دھواں دھواں حُسن بھی تھا اُداس اُداس　　دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں
مجھ کو خراب کر گئیں نیم نگاہیاں تری　　مجھ سے حیات و موت بھی آنکھیں چرا کے رہ گئیں
حُسن نظر فریب میں کس کو کلام تھا مگر　　تیری ادائیں آج تو دل میں سما کے رہ گئیں
تب کہیں کچھ پتہ چلا صدق و خلوص حُسن کا　　جب وہ نگاہیں عشق سے باتیں بنا کے رہ گئیں
پوچھ نہ اُن نگاہوں کی طرفہ کرشمہ سازیاں　　فتنے سُلا کے رہ گئیں فتنے جگا کے رہ گئیں
تاروں کی آنکھ بھی بھر آئی میری صدائے درد پر　　اُن کی نگاہیں بھی ترا نام بتا کے رہ گئیں
اُف یہ زمیں کی گردشیں، آہ یہ غم کی ٹھوکریں　　یہ بھی تو بخت خفتہ کے شانے ہلا کے رہ گئیں
اور تو اہلِ درد کو کون سنبھالتا بھلا　　ہاں تری شادمانیاں اُن کو رُلا کے رہ گئیں

یاد کچھ آئیں اس طرح بھولی ہوئی کہانیاں
کھوئے ہوئے دلوں میں آج درد اُٹھا کے رہ گئیں

سازِ نشاطِ زندگی آج لرز لرز اُٹھا !
کس کی نگاہِ عشق کا درد سُنا کے رہ گئیں

تم نہیں آئے اور رات رہ گئی راہ دیکھتی
تاروں کی محفلیں بھی آج آنکھیں بچھا کے رہ گئیں

جھوم کے پھر چلیں ہوائیں وجد میں آئیں پھر فضائیں
پھر تری یاد کی گھٹائیں سینوق چھا کے رہ گئیں

قلب و نگاہ کی یہ عید، اُف یہ مآلِ قرب و دید
چرخ کی گردشیں تجھے مجھ سے چھپا کے رہ گئیں

پھر ہیں وہی اُداسیاں پھر وہی سونی کائنات
اہلِ طرب کی محفلیں رنگ جما کے رہ گئیں

کون سکون دے سکا غم زدگانِ عشق کو
بھیگتی راتیں بھی فراقؔ آگ لگا کے رہ گئیں

جولانگہِ حیات کہیں ختم ہی نہیں
منزل نہ کر حدود سے دُنیا بنی نہیں

مانا کہ تیرے لطف و کرم میں کمی نہیں
آسان اس قدر تو تری دوستی نہیں

جس پیکرِ نشاط کی رگ رگ دکھی نہیں
اس کی خوشی کو غور سے دیکھو خوشی نہیں

کچھ ٹھوکریں تو کھا چکیں اُٹھیں کی منزلیں
پائے طلب کو فکرِ سلامت روی نہیں

کل تجھ سے چھوٹنے کی خبر ہو رہے گی راز
لیکن یہ بات آج کسی سے چھپی نہیں

ہم دیکھ کر بھی دیکھ سکیں حُسنِ یار کو
اتنی طویل فرصتِ نظّارگی نہیں

کب دیکھئے دلوں کو ملے اذنِ یاس بھی
بیگانہ وار تکتی ہے وہ آنکھ دکھی نہیں

تیرے کرم سے بھی نہ ہُوئی کم فسردگی
شاید تری خوشی بھی ہماری خوشی نہیں

تاریخِ زندگی کے سمجھ کچھ محرّکات
مجبور اتنی عشق کی بےچارگی نہیں

کس نے حقیقتوں کے خزانے لُٹا دیے
بے مایہ اس قدر مری بے مائگی نہیں

کچھ آج بھی ہے گرم و منور فضائے دہر
افسردہ اتنی عشق کی افسردگی نہیں

ہاں اے نگاہِ یار نہ بدظن ہو عشق سے
یہ بے حسی تو مانعِ رنج و خوشی نہیں

حساس کم نہیں ہے محبت بھی اور یوں
اس کو غم و نشاط سے دل بستگی نہیں

بیخود سے تھے تو وقت کا یہ بھی فریب تھا
ہم اور تجھ کو دل سے بھلا دیں کبھی نہیں

ہم غم زدوں کی گفتگوئے تلخ پر نہ جا
"قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں"

تکلیفِ ہجر کو نہ بنا عیشِ جاوداں
غم کی شبِ دراز بھی اتنی بڑی نہیں

محشر کا ازدحام نظر کا فریب تھا
اپنے سوا وہاں بھی جو دیکھا کوئی نہیں

نیند آ چلی ہے انجمِ شامِ ابد کو بھی
آنکھ اہلِ انتظار کی اب تک لگی نہیں

کچھ جھلملاہٹیں ہیں شبستانِ دہر میں
شمعِ حیات صرصرِ غم سے بجھی نہیں

وہ عشق ہے جو منزلِ ہر انقلاب ہو
نیت نگاہِ یار کی بدلی ہوئی نہیں

کب سرخوشی بھی وجہ سکوں بن سکی مگر
اچھا کچھ اس قدر غمِ آسودگی نہیں

بادِ بہار دیکھ کے کچھ اس طرح کہیں
رنگینیوں کی جان تری سادگی نہیں

اے دوست یوں تو ہم تری حسرت کو کیا کہیں
لیکن یہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں

محفوظ تھی جو چشمِ زمان و مکان سے
وہ زندگی جو تیری نظر سے بچی نہیں

غفلت حیاتِ عشق کی چونکی ہوئی سی ہو
اب پاسبانِ عمرِ رواں موت بھی نہیں

اے عشق کاروانِ دو عالم بچھڑ گئے
اے خضرِ راہ یہ تو کوئی رہبری نہیں

یہ کیفیتِ سکونِ سحر میں کہاں کی ہے
وہ شام ہے جو صبح بھی ہو کر کٹی نہیں

شامیں کسی کو مانگتی ہیں آج بھی فراقؔ
گو زندگی میں یوں مجھے کوئی کمی نہیں

زہرابۂ فنا جسے نشو و نما نہ دے
وہ زندگی فراقؔ کوئی زندگی نہیں

ستاروں سے الجھتا جا رہا ہوں
شبِ فرقت بہت گھبرا رہا ہوں

[illegible]ے غم کو بھی کچھ بہلا رہا ہوں
جہاں کو بھی سمجھتا جا رہا ہوں

یقیں یہ ہے حقیقت کھل رہی ہے — گماں یہ ہے کہ دھوکے کھا رہا ہوں
اگر ممکن ہو لے لے اپنی آہٹ — خبر دو حسن کو میں آ رہا ہوں
حدیں حسن و محبت کی ملا کر — قیامت پر قیامت ڈھا رہا ہوں
خبر ہے تجھ کو اے ضبطِ محبت — ترے ہاتھوں میں لٹتا جا رہا ہوں
اثر بھی لے رہا ہوں تیری چپ کا — تجھے قائل بھی کرتا جا رہا ہوں
بھرم تیرے ستم کا کھل چکا ہے — میں تجھ سے آج کیوں شرما رہا ہوں
انھیں میں راز ہیں گلباریوں کے — میں جو چنگاریاں برسا رہا ہوں
جو اُن معصوم آنکھوں نے دیے تھے — وہ دھوکے آج تک میں کھا رہا ہوں
ترے پہلو میں کیوں ہوتا ہے محسوس — کہ تجھ سے دور ہوتا جا رہا ہوں
حدِ جور و کرم سے بڑھ چلا حسن — نگاہِ یار کو یاد آ رہا ہوں
ســ جو اُلجھی تھی کبھی آدم کے ہاتھوں — وہ گتھی آج تک سلجھا رہا ہوں
محبت اب محبت ہو چلی ہے — تجھے کچھ بھولتا سا جا رہا ہوں
اجل بھی جن کو سن کر جھومتی ہے — وہ نغمے زندگی کے گا رہا ہوں

یہ سناٹا ہے میرے پاؤں کی چاپ
فراقؔ اپنی کچھ آہٹ پا رہا ہوں

ســ چھلک کے کم نہ ہو ایسی کوئی شراب نہیں — نگاہِ نرگسِ رعنا ترا جواب نہیں
خراب حال بھی اچھی طرح خراب نہیں — یہ ہے عذابِ جہنم کہ وہ عذاب نہیں
زمین جاگ رہی ہے کہ انقلاب ہے کل — وہ رات ہے کوئی ذرہ بھی محوِ خواب نہیں
حیات درد ہوئی جا رہی ہے کیا ہوگا؟ — اب اس نظر کی دعائیں بھی مستجاب نہیں
یہ سیل و برق کے تیور ہیں کاروانوں میں — کہ روک تھام اجل کی بھی ر[illegible] نہیں

نہ ہو جو میکدہ بردوش کیا وہ مستی و کیف
جو اک جہاں پہ نہ چھا جائے وہ سحاب نہیں

زمین اُس کی فلک اُس کا کائنات اُس کی
کچھ ایسا عشق ترا خانماں خراب نہیں

مرا عقیدہ ہے "دُنیا بنام خلد بریں"
ہزار شکر مجھے کاوشِ ثواب نہیں

رُکا ہے قافلۂ غم کب ایک منزل پر
کب انقلاب زمانے کا ہمرکاب نہیں

کچل کے سر نہ اُٹھائیں حریف، فکر نہ کر
کب اُڑتی خاک سواروں کی ہمرکاب نہیں

جو تیرے درد سے محروم ہیں یہاں ان کو
غمِ جہاں بھی سُنا ہے کہ دستیاب نہیں

ابھی کچھ اور ہو انسان کا لہو پانی
ابھی حیات کے چہرے پر آب و تاب نہیں

جہاں کے باب میں تر دامنوں کا قول ہے یہ
یہ موج مارتا دریا کوئی سُراب نہیں

ٹھہر ٹھہر کے ترا دیکھنا نئی دُنیا
ارے وہ کون نظر ہے جو انتخاب نہیں

نصیب سے ہے شبستانِ غم کا چشم و چراغ
وہ روئے دوست جسے دیکھنے کی تاب نہیں

دلِ خراب کی بے تابیوں کا کیا ہے علاج
میں جانتا ہوں ترا جور بے حساب نہیں

جگر کو توڑ گیا ہے کڑی کمان کا تیر
وہ چوٹ کیا کرے بھرپور جو شباب نہیں

غم و نشاط ترے کس طرح کوئی جانے
ہنسی لبوں پہ نہیں آنکھ بھی پُرآب نہیں

دکھا تو دیتی ہے بہتر حیات کے سپنے
خراب ہو کے بھی یہ زندگی خراب نہیں

کہیں وہی تو گریباں نہیں ہے آج اپنا
ترا وہ گوشۂ دامن جو دستیاب نہیں

شکستِ رنگ رُخِ روزگار دیکھ فراق
وہ مہر و ماہ کے چہرے پر آب و تاب نہیں

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

دل کی گنتی نہ یگانوں میں نہ بیگانوں میں
لیکن اس جلوہ گہِ ناز سے اُٹھتا بھی نہیں

شکوۂ جور کرے کیا کوئی اُس شوخ سے جو
صاف قائل بھی نہیں صاف مکرتا بھی نہیں

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست — آہ اب مجھ سے تری رنجشِ بیجا بھی نہیں
ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں — اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں
آج غفلت بھی ان آنکھوں میں ہے پہلے سے سوا — آج ہی خاطرِ بیمار شکیبا بھی نہیں
بات یہ ہے کہ سکونِ دلِ وحشی کا مقام — کنجِ زنداں بھی نہیں وسعتِ صحرا بھی نہیں
"ارے صیاد ہمیں گل ہیں بلبل ہیں" — تو نے کچھ آہ سنا بھی نہیں دیکھا بھی نہیں

آہ! یہ مجمعِ احباب یہ بزمِ خاموش
آج محفل میں فراقؔ سخن آرا بھی نہیں

شامِ غم کچھ اس نگاہِ ناز کی باتیں کرو — بے خودی بڑھتی چلی ہے راز کی باتیں کرو
یہ سکوتِ ناز یہ دل کی رگوں کا ٹوٹنا — خامشی میں کچھ شکستِ ساز کی باتیں کرو
نکہتِ زلفِ پریشاں داستانِ شامِ غم — صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو
ہر رگِ دل وجد میں آتی رہے دُکھتی رہے — یونہی اُس کے جا و بیجا ناز کی باتیں کرو
جو عدم کی جان ہے جو ہے پیامِ زندگی — اُس سکوتِ راز اُس آواز کی باتیں کرو
عشق رُسوا ہو چلا بے کیف سا بیزار سا — آج اس کی نرگسِ غماز کی باتیں کرو
نام بھی لینا ہے جس کا اک جہانِ رنگ و بو — دوستو اس نوبہار ناز کی باتیں کرو
کس لئے عذرِ تغافل کس لئے الزامِ عشق — آج چرخِ تفرقہ پرداز کی باتیں کرو
کچھ قفس کی تیلیوں سے چھن رہا ہے نور سا — کچھ فضا کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو
جو حیاتِ جاوداں ہے جو ہے مرگِ ناگہاں — آج کچھ اُس ناز اس انداز کی باتیں کرو
عشق بے پروا بھی اب کچھ ناشکیبا ہو چلا — شوخیٔ حُسنِ کرشمہ ساز کی باتیں کرو

جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراقؔ
آج اُس عیسیٰ نفس دم ساز کی باتیں کرو

کسی کا یوں تو ہوا کون عمر بھر پھر بھی
یہ حُسن و عشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی

ہزار بار زمانہ اِدھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہگذر پھر بھی

کہوں یہ کیسے اِدھر دیکھ یا نہ دیکھ اُدھر
کہ درد درد ہے پھر بھی نظر نظر پھر بھی

خوشا اشارۂ پیہم زہے سکوتِ نظر
دراز ہو کے فسانہ ہے مختصر پھر بھی

جھپک رہی ہیں زمان و مکاں کی بھی آنکھیں
مگر ہے قافلہ آمادۂ سفر پھر بھی

شبِ فراق سے آگے ہے آج میری نظر
کہ کٹ ہی جائے گی یہ شام بے سحر پھر بھی

کہیں یہی تو نہیں کاشفِ حیات و ممات
یہ حُسن و عشق بظاہر ہیں بے خبر پھر بھی

پلٹ رہے ہیں غریب الوطن پلٹنا تھا
وہ کوچہ روکشِ جنّت ہو گھر ہے گھر پھر بھی

لٹا ہوا چمنِ عشق ہے نگاہوں کو
دکھا گیا وہی کیا کیا گل و ثمر پھر بھی

خراب ہو کے بھی سوچا کیے ترے مہجور
یہی کہ تیری نظر ہے تری نظر پھر بھی

ہو بے نیاز اثر بھی کبھی تری مٹی
وہ کیمیا ہی سہی رہ گئی کسر پھر بھی

لپٹ گیا ترا دیوانہ گرچہ منزل سے
اُڑی اُڑی سی ہے یہ خاکِ رہگذر پھر بھی

تری نگاہ سے بچنے میں عمر گزری ہے
اُتر گیا رگِ جاں میں یہ نیشتر پھر بھی

غمِ فراق کے کُشتوں کا حشر کیا ہوگا؛
یہ شامِ ہجر تو ہو جائے گی سحر پھر بھی

فنا بھی ہو کے گراں باریٔ حیات نہ پوچھ
اُٹھائے اُٹھ نہیں سکتا یہ دردِ سر پھر بھی

ستم کے رنگ ہیں ہر التفات پنہاں ہیں
کرم نما ہیں ترے جور سر بسر پھر بھی

خطا معاف ترا عفو بھی ہے مثلِ سزا
تری سزا میں ہے اک شانِ درگزر پھر بھی

اگرچہ بیخودیِ عشق کو زمانہ ہوا
فراق کرتی رہی کام وہ نظر پھر بھی

مجھ کو مارا ہر اک درد و دوا سے پہلے
دی سزا عشق نے ہر جرم و خطا سے پہلے

آتشِ عشق بھڑکتی ہے ہوا سے پہلے
ہونٹ جلتے ہیں محبت میں دعا سے پہلے

فتنے برپا ہوئے ہر غنچۂ سربستہ سے
کھل گیا رازِ چمن چاکِ قبا سے پہلے

چال ہے بادۂ ہستی کا چھلکتا ہوا جام
ہم کہاں تھے ترے نقشِ کفِ پا سے پہلے

اب کمی کیا ہے ترے بے سروسامانوں کو
کچھ نہ تھا تیری قسم ترک و فنا سے پہلے

عشقِ بیباک کو دعوے تھے بہت خلوت میں
کھو دیا سارا بھرم شرم و حیا سے پہلے

خود بخود چاک ہوئے پیرہنِ لالہ و گل
چل گئی کون ہوا بادِ صبا سے پہلے

ہمسفر راہِ عدم میں نہ ہو تاروں بھری رات
ہم پہنچ جائیں گے اس آبلہ پا سے پہلے

پردۂ شرم میں صد برقِ تبسم کے نثار
ہوش جاتے رہے نیرنگِ حیا سے پہلے

موت کے نام سے ڈرتے تھے ہم اے شوقِ حیات
تو نے تو مار ہی ڈالا تھا قضا سے پہلے

بے تکلف بھی ترا حسن خودآرا تھا کبھی
اک ادا اور بھی تھی حسنِ ادا سے پہلے

غفلتیں ہستیٔ فانی کی بتا دیں گی تجھے
جو مرا حال تھا احساسِ فنا سے پہلے

ہم انھیں پا کے فراق اور بھی کچھ کھوئے گئے
یہ تکلف تو نہ تھے عہدِ وفا سے پہلے

---

اب دورِ آسماں ہے نہ دورِ حیات ہے
اے دردِ ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے

ہر کائنات سے یہ الگ کائنات ہے
حیرت سرائے عشق میں دن ہے نہ رات ہے

جینا جو آ گیا تو اجل بھی حیات ہے
اور یوں تو عمرِ خضر بھی کیا بے ثبات ہے

کیوں انتہائے ہوش کو کہتے ہیں بےخودی
خورشید ہی کی آخری منزل تو رات ہے

ہستی کو جس نے زلزلہ ساماں بنا دیا
وہ دل قرار پائے مقدر کی بات ہے

یہ موشگافیاں ہیں گراں طبعِ عشق پر
کس کو دماغِ کاوشِ ذات و صفات ہے

توڑا ہے لامکاں کی حدوں کو بھی عشق نے / زندانِ عقل تیری تو کیا کائنات ہے
گردوں! شرارِ برق دلِ بے قرار دیکھ / جن سے یہ تیری تاروں بھری رات رات ہے
گم ہو کے ہر جگہ ہیں ز خود رفتگانِ عشق / ان کی بھی اہلِ کشف و کرامات ذات ہے
ہستی بجز فنائے مسلسل کے کچھ نہیں / پھر کس لئے یہ فکرِ قرار و ثبات ہے
اس جانِ دوستی کے خلوصِ نہاں نہ پوچھ / جس کا ستم بھی غیرتِ صد التفات ہے
یوں تو ہزار درد سے روتے ہیں بدنصیب / تم دل دکھاؤ وقتِ مصیبت تو بات ہے

عنوان غفلتوں کے ہیں فرقت ہو یا وصال
بس فرصتِ حیات فراقؔ ایک رات ہے

کوئی پیغامِ محبت لبِ اعجاز تو دے / موت کی آنکھ بھی کھل جائے گی آواز تو دے
مقصدِ عشق ہم آہنگیٔ جزو و کل ہے / درد ہی درد سہی دل بوئے دمساز تو دے
چشمِ مخمور کے عنوانِ نظر کچھ تو کھلیں / دلِ رنجور دھڑکنے کا کچھ انداز تو دے
اک ذرا ہو نشۂ حسن میں اندازِ خمار / اک جھلک عشق کے انجام کی آغاز تو دے
جو چھپائے نہ چھپے اور بتائے نہ بنے / دلِ عاشق کو ان آنکھوں سے کوئی راز تو دے
منتظر اتنی کبھی تھی نہ فضائے آفاق / چھیڑنے ہی کو ہوں پُر درد غزل ساز تو دے
ہم اسیرانِ قفس آگ لگا سکتے ہیں / فرصتِ نغمہ کبھی حسرتِ پرواز تو دے
عشق اک بار مشیت کو بدل سکتا ہے / عذر یہ اپنا مگر کچھ نگہِ ناز تو دے
قرب و دیدار تو معلوم کسی کا، پھر بھی / کچھ پتہ سا فلکِ تفرقہ پرواز تو دے
منزلیں گرد کے مانند اڑی جاتی ہیں / ابلقِ دہر کچھ اندازِ تگ و تاز تو دے

کان سے ہم تو فراقؔ آنکھ کا لے لیتے ہیں کام
آج چھپ کر کوئی آواز پہ آواز تو دے

دورِ افلاک کا شباب ہے تو    آفتابوں کا آفتاب ہے تو
ٹھہری ٹھہری سی موج برقِ جمال    چھلکی چھلکی شرابِ ناب ہے تو
جس کی راتیں طلسمِ خوابِ حیات    اسی وادی کا ماہتاب ہے تو
جن میں ہے ذکرِ طور و یوسف و حشر    انھیں آیات کا جواب ہے تو
روپ ایسا حسین جیسے گناہ    خلق کا حاصلِ ثواب ہے تو
جو چھلکتا بھی جائے بھرتا بھی جائے    ایسا پیمانۂ شراب ہے تو
نرم جھنکار سازِ قامت کی    اک کھنکتا ہوا رباب ہے تو
تو جو صورت پکڑ لے ہے وہ خیال    یک بیک جاگ اُٹھے وہ خواب ہے تو
ہیں جو اوجھل نگاہِ غیب سے بھی    ان فضاؤں میں باریاب ہے تو
جو بہار دل کے دل سے اُٹھتے ہیں    انھیں شعلوں کا پیچ و تاب ہے تو
ہیں عبارت تجھی سے رنج و نشاط    ستم و لطفِ بے حساب ہے تو
طور ساماں لجانے کے انداز    رشکِ جلوہ ہے وہ حجاب ہے تو
چمن اندر چمن ہے پہلوئے ناز    کس کھلے باغ کا گلاب ہے تو
یہ ستارے ترے پسینے کے    شب کا دہکا ہوا شباب ہے تو
عکس ہے کہ چاندنی تیرا    دہکی راتوں کا ماہتاب ہے تو
پگھلی چاندنی میں شعلوں کی کروٹ    موجِ برقِ تہِ سحاب ہے تو
موجزن نرمیِ صباحتِ حُسن    سینۂ کہکشاں کا خواب ہے تو
اُن پہ مہکی ہوئی سہانی رات    چہرۂ شب کی آب و تاب ہے تو
اور پنہاں ہے حُسن بے پردہ    اور پیدا تہِ نقاب ہے تو
جیسے زیرِ شفق چراغاں ہو    آج یوں مائلِ حجاب ہے تو
تجھ سے جوبن اُجالی راتوں پر    ماہتابوں کا ماہتاب ہے تو
رنگ اس ادھ کھلے شگوفوں کا    مسکراتا ہوا شباب ہے تو

جن پہ پڑتی نہیں خزاں کی چھاؤں — ان بہاروں کی آب و تاب ہے تو
آنکھ پڑتی ہے اک زمانے کی — بزمِ امکاں میں انتخاب ہے تو
چشمِ مخمور بادہ آشامی — انھیں باتوں سے تو خراب ہے تو
جیسے نغمے لبِ فراق پہ سوئیں
سچ یوں ہی محوِ خواب ہے تو

طرزِ خرام کیا بتائے، رازِ نگاہ کیسے پائے — جیسے نسیم لڑکھڑائے، موجِ شراب تھرتھرائے
کاش کہ جھٹپٹے میں یوں تیرا خیال دل پہ چھائے — جیسے جبینِ چرخ پر کوئی ستارہ مسکرائے
وجہِ ملال بھی تو ہو، حسن بھی کس طرح منائے — اُف یہ مزاجِ عشق جو بیٹھے بٹھائے روٹھ جائے
غنچۂ نو دمیدہ کو جیسے نسیم گدگدائے — دیکھ جمالِ یار کو جیسے حیات مسکرائے
جیسے صباح تھرتھرائے جیسے فضا کو وجد آئے — جلوۂ حسنِ یار دیکھ جیسے بہار لہلہائے
جیسے فضائے بزمِ ناز ساز کی طرح تھرتھرائے — صوتِ نگاہِ یار سن جیسے صدائے نغمہ آئے
تیری نگاہ اٹھی ہے یا بجتے ہیں کان عشق کے — ناوکِ بے خطا کوئی جیسے فضا میں سنسنائے
ٹھہرے ہوئے ہیں قلب و جاں ابروئے دوست الاماں — کھنچتی ہوئی کڑی کماں جیسے لچک لچک سی جائے
آج ہر اہلِ دید سے تیری نظر کا ہے پیام — لے کے نشاطِ حسن کو درد میں ڈوب ڈوب جائے
اپنے مقام پر رہیں عشق کی بے نیازیاں — گو درِ خلد بھی کھلے دل نے کہا کہ کون جائے
برقِ جمالِ یار یوں لہر پہ لہر لیتی ہے — دل کے کنول میں جس طرح شعلۂ عشق تھرتھرائے
جس کے لیے ہوس ہو بس یہی اک سررشتۂ حیات — آج اسی کے ہاتھ سے دامنِ یار چھوٹ جائے
عالمِ حسن و عشق کی کون وہ بات ہے جسے — بھولیں اگر تو یاد آئے یاد کریں تو بھول جائے
مژدۂ حسن دید پہ دل ہے کہ اُڑا آتا ہے — تیرا جمالِ دلنواز دیکھ کے آنکھ بھر نہ آئے
صاف ابھی اٹھی نہیں سینوں میں دل ہیں چاک چاک — نرگسِ نیم وا کہیں اب یہ نظر آ تر بھی جائے

آنکھوں میں انقلاب کا ایک سماں سا کھنچ گیا
کہتی ہے وہ نگاہ بھی گردشِ چرخ کیا دکھائے

چاروں طرف وہ رن پڑا دورِ قمر بدل گیا
اب یہ جہانِ غیر ہے اپنے جو تھے وہ کام آئے

جیسے حیات کی نگاہ دیتی ہے موت کا پیام
ہونٹوں پہ آج موت کے جیسے حیات مسکرائے

دورِ قمر میں خیر و شر یوں ہیں جھلکتے آج کل
جیسے کہ وہ نگاہِ شوخ کھا کے قسم مکر بھی جائے

دیکھئے سنبھلے کس طرح آج تمدنِ جہاں
تیز ہوا کی راہ میں جیسے چراغ جھلملائے

ارض و سما بدل گئے زندگیاں بدل گئیں
پھر بھی وہی سوال ہے دورِ سپہر کیا دکھائے

چونک کے حسن سے تو اور کھا گئے حسن کا فریب
گرچہ یہی کہا کئے جان کے کون دھوکے کھائے

اب تو دلِ تپاں کو بھی اپنی سلامتی کی فکر
برقِ نظر وہی کہ جو آگ لگا کے بھول جائے

دیکھ حیاتِ عشق کے رنگِ نشاط پر نہ آجا
پائے اگر یہ زندگی موت بھی خون تھوک جائے

گو ہمہ تن وہ جبر ہے کہتی ہیں یہ مشیتیں
ہم سے بھی کچھ نہ بن پڑے عشق جو اپنی ضد پہ آئے

کشتیٔ دل بچائیے اتنا مگر رہے خیال
ڈوبے اگر تو پار ہو، پار لگے تو ڈوب جائے

کھلنے کو ہے رُخِ نگار عشق تمام انتظار
ہاں تو وہ حسن کیا دکھائے ہاں تو وہ آنکھ کیا سمائے

عشق کے چھیڑنے سے پھر قصۂ زندگی چھڑا
اب تو زماں مکاں کی بھی ڈر ہے کہ آنکھ لگ نہ جائے

جستجوئے نشاط میں نکلے تھے کتنے کارواں
ان کے بھی ہاتھ کیا لگا ہم تو فراقؔ باز آئے

بھڑکتے شعلوں سے ٹھنڈک جو دے وہ آگ ہے تو
سدا بہار ہے تو پریم کا سہاگ ہے تو

خبر دلوں کو نہیں جلتے ہیں کہ بجھتے ہیں
ارے نہ آگ نہ پانی ہے جو وہ لاگ ہے تو

سکوت کو بھی تو کانوں میں گونجتا پایا
جو ایک کر دے سُنا ان سُنا وہ راگ ہے تو

جھلک رہی ہے جبیں کائنات کی تجھ سے
اک امرِ غیب سے کھُل جائے وہ جو بھاگ ہے تو

قبائے تنگ نے بیسوں جگہ سے لَو دے دی
ز فرق تا بقدم اک دبی سی آگ ہے تو

جدا ہر اک سے ہم آہنگ بھی زمانے سے
قبولیت کی جو تصویر ہے وہ تیاگ ہے تو

سواد شامِ ابر زلف یار بس ہے ترا
جو ڈس لے صبحِ قیامت کو بھی وہ ناگ ہے تو

میں تجھ کو دیکھ رہا ہوں کہ کان بجتے ہیں
ہے کوئی شعلۂ لرزاں کہ کوئی راگ ہے تو

کہاں چمن کی بہاریں کہاں یہ رنگ نشاط
جو خون عشق سے کھیلا گیا وہ پھاگ ہے تو

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہوا معلوم
لگاؤ نام کو جس میں نہیں وہ لاگ ہے تو

نگاہ و گوش کی ہر کیف تشنگی کو نہ پوچھ
اِک اَدھ کھلی سی کلی ادھ سنا سا راگ ہے تو

فراق اپنے دکھوں کو بھلا کے کہنا تھا
سدا بہار رہے دنیا سدا سہاگ ہے تو

---

تجھے بھلائیں تو نیند آتے آتے رہ جائے
کوئی ادھوری کہانی سی جیسے کہہ جائے

اسی پہ آئینہ شاہد ہو کچھ نزاکتِ وقت
تری نگاہ کی جو نرم چوٹ سہہ جائے

ترے قریب سراپا قصور آ سکے عشق
ترے حضور سے جائے تو بے گنہ جائے

نگاہِ ناز کے آثار انقلاب نہ پوچھ
کہیں یہ قصرِ زمان و مکاں نہ ڈھ جائے

کہاں کہاں سے چھٹک جائے عشق کی تنویر
کہاں کہاں نگہِ نرگس سیہ جائے

کہے ہیں رمز و کنایاتِ زندگی اس نے
تری نگاہ کی یاد آ کے جیسے رہ جائے

کبھی کبھی تو جفائے کرم نما کی ادا
کہیں کہیں تو ہماری بھی بات رہ جائے

تو دل کی آنچ سے ہیں رات کی [illegible] پرکیف
جہاں بھی جائے یہ انداز مہر و مہ جائے

یہ سنتے ہی قدم کا، وادیِ عشق اٹھے
کہیں بھی چین نہ پائے گا جس جگہ جائے

وہ رات! گوش بر آواز تھے جب انجم و ماہ
تری نگاہ کہانی سی جیسے کہہ جائے

وہ رنگ رخ تھا اٹھائی نقاب جب اس نے
شراب جیسے چھلکتے چھلکتے رہ جائے

نگاہِ مست تری تھاہ کوئی پا نہ سکا
فراق ہی کی نظر ہے جو تہ بہ تہ جائے

ترے جمال سے گاتی ہوئی بہار آئے
تری نگاہ سے جیسے فضا مہک جائے

یہ رنگ و بوئے بدن ہے کہ جیسے رہ رہ کر
قبائے ناز سے کچھ شعلہ سا لپک جائے

ترے خیال کی رنگینیوں کا کیا کہنا
فضا میں جیسے گلابی سی کوئی چھلکائے

کھلے کسی پہ نہ اندازِ جنبشِ گیسو
چھوئے ہوا تو نہ جانے کدھر سنک جائے

نہ میل جول بڑھا اس قدر میں ڈرتا ہوں
کہ تجھ سے چھوٹ کے کہیں جی بہت نہ گھبرائے

کبھی تو رکھ لے اٹھا کر چمن کلیجے میں اور
کبھی تو نکہتِ گل سے بھی عشق تھرائے

ستم کی یاد گر آئے تو آئے ٹوٹ کے پیار
کرم کا دھیان جب آئے تو آنکھ بھر آئے

وہی ہے حسنِ حقیقت کا خضرِ راہ ہے جو
پہونچ کے منزلِ مقصود پر بہک جائے

میں آن عمرت بت لے غم زدوں گا نہ یاد
یہ اور بات کہ تیری بھی یاد آ جائے

فریبِ عہدِ محبت کی سادگی کی قسم
وہ جھوٹ بول کہ سچ کو بھی پیار آ جائے

ترے سلوک سے یا لوک لاج کے کارن
فراقؔ ذکرِ محبت پہ کچھ تو شرمائے

---

بزم میں آج ان آنکھوں کا عالمِ بیخودی تو دیکھ
رنگِ فسوں گری تو دیکھ جادوئے سامری تو دیکھ

بادِ بہارِ بے قرار روحِ بہار وجد میں
گیسوؤں کی لپٹ تو دیکھ مہکی ہوئی ہنسی تو دیکھ

جیسے چھلک چھلک پڑے جام سے بادۂ حیات
اف یہ زمیں کی کروٹیں شانِ خرام کی تو دیکھ

لے کے دل نجوم کو ڈوبی ہے نبضِ کائنات
عالمِ صبحِ زندگی رات اگر کٹی تو دیکھ

آنکھ چرائیں جس طرح تارے اندھیری رات میں
غم کی زیادتی تو دیکھ آنسوؤں کی کمی تو دیکھ

دن تھے نکلتے بیٹھتے دور رہی منزلِ خزاں
کلیوں کی سانس اکھڑ گئی مانگے کی زندگی تو دیکھ

مُردوں سے شرط باندھ کے سوئی ہے رُتِ انقلاب
شورشِ گیر و دار سے نیند اچٹ گئی تو دیکھ

گام بہ گام مہر و ماہ چاروں طرف شبِ سیاہ
دل کا کنول بجھا دے جو یہ نئی روشنی تو دیکھ

پلٹی اِدھر نگاہِ ناز دل سے اُدھر دُھواں اُٹھا — دولتِ دید لُٹ گئی پھر بھی رہی سہی تو دیکھ
صحبتِ شب کی داستاں اس میں سمٹ کے آ گئی — پچھلے پہر کو بزم میں شمع کی تھرتھری تو دیکھ
سیلِ سکوں نما ہے یا طرزِ خرامِ انقلاب — چڑھتی ہوئی ندی کا آج عالمِ کم روی تو دیکھ
بنتی ہے کیسے کائنات بے خودیٔ نشاط میں — دردِ حیات کی طرح اس کی نگاہ اُٹھی تو دیکھ
بحثِ غم و نشاط میں بیت گئی شبِ حیات — جاگنے والے سو گئے حاصلِ زندگی تو دیکھ
ہونٹوں پہ کھیلتی ہنسی، نرگسِ نازِ شبنمی — شکوۂ جور سب بجا اس کی نگاہ بھی تو دیکھ
جیسے نشاط مسکرائے جیسے صباح تھرتھرائے — جیسے حیات رسمسائے حُسن کی تازگی تو دیکھ
جیسے پیامِ راز آئیں شعلۂ ساز تھرتھرائیں — جیسے ستارے مل کے گائیں حُسن کی نغمگی تو دیکھ
جیسے سکون تھرتھرائے جیسے سکوت کچھ سنائے — جیسے گُلند مسکرائے حُسن کی طرفگی تو دیکھ
یوں تو جمالِ دل فریب شام نہیں، سحر نہیں — زلف کی ابتری تو دیکھ رُخ کی شگفتگی تو دیکھ
روحِ نوائے سرمدی آج ہے گوش بر صدا — بزمِ سکوتِ شام میں روح کی نغمگی تو دیکھ
آنکھوں سے رہ کے اوجھل آج یہ کون مسکرا دیا — غم کی فضائے تیرہ میں برق کی موج سی تو دیکھ
صاف اُفق مہک اُٹھا، کھل اُٹھا لہلہا اُٹھا — جیسے کھلا ہوا کنول صبح کی تازگی تو دیکھ
مست کہوں کہ ہوشیار سروِ روانِ حُسن کو — چال کی لغزشیں تو دیکھ آنکھوں کی آگہی تو دیکھ
جلوۂ رنگ رنگ میں بس تجھے دیکھتا رہا — رنگِ مزاجِ حُسنِ یار عشق کی سادگی تو دیکھ
نیکی بدی کی فطرتیں دہر کی سب حقیقتیں — نامِ خدا بدل گئیں حُسن کی کافری تو دیکھ
مجھ سے نگاہ آشنا پُرسشِ حال کر سکے؟ — ہونے پہ سامنا کبھی آنکھ بھی مل گئی تو دیکھ
قسمتِ عشق کو سراہ رو کے ہوئے سرشکِ غم — پھر یہ کہاں جمالِ دید، بعد کو رو، ابھی تو دیکھ
جیسے سکوت و گفتگو مل کے سنائیں داستاں — نرگسِ نیم وا میں ہو بات یہی، یہی تو دیکھ

یوں تو کہاں جمالِ یار اور کہاں یہ حالِ زار
کہنے کی بات ہے فراق اپنی طرف کبھی تو دیکھ

یہ دُکھ یہ رنج یہ آزردہ حالیاں تیری
جو چوم چوم نہ لوں سب اُداسیاں تیری

نظر نظر سے محبت کے پھول کھلتے ہیں
شمیم گلشنِ جاں خوش نگاہیاں تیری

گذر گیا تو جدھر سے چراغ جل اُٹھے
فروغِ راہگذر نرم گامیاں تیری

تمام موجِ تبسم بدن کی ہر جنبش
پیامِ فصلِ چمن خوش خرامیاں تیری

فضا کی محویتیں دے رہی ہیں رات گئے
سُنا رہے ہیں ستارے کہانیاں تیری

دکھائی دے گئیں، جب دونوں وقت ملتے تھے
نگاہِ ہوش رُبا سحرکاریاں تیری

ترے جمال نے کیا پیرہن کو چمکایا
نثارِ جسمِ حسیں جامہ زیبیاں تیری

بس ایک تو نہ ملا راہِ شوق میں ورنہ
قدم قدم پہ ملی ہیں نشانیاں تیری

اُکھڑ گئی دمِ تقلید بجلیوں کی بھی سانس
جواب ہی نہیں رکھتی ہیں شوخیاں تیری

بھلائیوں کی تو کیا بات، رو پڑا ہوں میں
جو یاد آ گئیں مجھ کو برائیاں تیری

اب اک زمانہ ہے دشمن ترے نثارِ عشق
کہ رنگ لا کے رہیں بے دماغیاں تیری

چمن چمن دو جہاں اشکِ خوں سے ہیں اے عشق
کہاں کہاں نہ ہوئیں لالہ کاریاں تیری

اگرچہ عشق پہ ہے اعتماد دنیا کو
عزیز تر ہیں اُسے بدگمانیاں تیری

نگاہِ ناز نہ پوچھ اہلِ راز کی روداد
ہر اک خروش تھا باتیں تہیں دریا تیری

نشاطِ حُسن میں یہ سوز و ساز کا عالم
کہاں کے غم ہیں لئے شادمانیاں تیری

نگاہِ ناز پہ موجِ ترنمِ سحری
نوید خلقتِ نو نغمہ باریاں تیری

چمن میں دیکھ ذرا کج کلاہیوں کی بہار
مزاجِ غنچہ میں ہیں لاابالیاں تیری

فضائے مست سے اک نرگسِ خمار آلود
کہ بھولتی ہی نہیں بادہ خواریاں تیری

جہاں کے نقش مٹے، یہ تجھے سوچ سے
مٹا گئیں مجھے یوں [illegible] نگاہیاں تیری

فضا میں جیسے لپک جائیں ... شعلہ سا
نگاہِ شوخ پہ رنگیں نوائیاں تیری

یہ التفات ترا روٹھنے کے بدلے
نہ جانی تھیں نہ گئیں سرگرانیاں تیری

نگاہِ ناز اُترنا اسے نہیں کہتے
دلوں میں رہ گئیں لہرا کے بجلیاں تیری

مری نظر نے سحر کوہسار دیکھی ہیں    بھری گھٹاؤں میں اُٹھتی جوانیاں تیری

فراق تو نے جگایا ہے سوتے فتنوں کو
رہیں گی یاد یہ جادو بیانیاں تیری

نظر نظر میں نہاں داستانِ ایمن ہے    ادا ادا میں ستاروں کے دل کی دھڑکن ہے
خرامِ ناز میں موجِ نسیم کی سی لچک    نگاہِ ناز نوائے بہارِ گلشن ہے
بدن کا لوچ ہے یا نغمۂ بہار کی لے    قبا سے آتی ہے لو سی کہ نکہت تن ہے
وہ جلوے جسم کے ہیں دھوپ پھیکی پڑتی ہے    چھپائے منہ مہِ کامل وہ رنگ و روغن ہے
تجھی سے رونقِ بزمِ حیات ہے اے دوست    تجھی سے انجمنِ مہر و ماہ روشن ہے
تری نظر سے عبارت جہاں کے نقش و نگار    یہ کائنات شعاعِ نگاہِ پُرفن ہے
سمجھتے کیا ہیں مگر سنتے ہیں فسانۂ حسن    نگاہِ ناز تری بات بات میں کن ہے
پکارتا ہے لہو کام آنے والوں کا    حیاتِ عشق نہیں بولتا ہوا رن ہے
ترے سوا نہ کوئی زندگی نہ موت کوئی    کہ تو ہی کشتِ حیات اور برقِ خرمن ہے
تمام بزمِ طرب خون میں نہائی ہوئی    کہ آج چاندنی راتوں کا تجھ پہ جوبن ہے
ستارے چھپتے ہوئے شمع جھلملاتی ہوئی    ترا خمارِ بدن آہوؤں کا مسکن ہے
ہوا سنکتی ہوئی رات جگمگاتی ہوئی    یہ آہٹیں ہیں تری ہی ترا ہی دامن ہے
کوئی سنہری کرن جیسے تھرتھراتی ہوئی    رگِ حیات پہ یہ کون نیشتر زن ہے
تری حیا ہے کہ ہے صبح رسمسائی ہوئی    حجابِ ناز ہے یا رنگ و بو کی چلمن ہے
جو مہکی چھاؤں میں نغموں کی پنکھڑی سے بنے    وہی شناسے ترے حسن کا نشیمن ہے

یہ بزمِ دوست میں آتش نوائیاں تیری
فراق تجھ سے محبت کا نام روشن ہے

رس میں ڈوبا ہوا لہراتا بدن کیا کہنا
کروٹیں لیتی ہوئی صبحِ چمن کیا کہنا

مد بھری آنکھوں کی الساتی نظر پچھلی رات
نیند میں ڈوبی ہوئی چندر کرن کیا کہنا

باغ جنّت پہ گھٹا جیسے برس کر کھل جائے
سوندھی سوندھی تری خوشبوئے بدن کیا کہنا

ٹھہری ٹھہری سی نگاہوں میں یہ وحشت کی کرن
چونکے چونکے سے یہ آہوئے ختن کیا کہنا

روپ سنگیت نے دھارا ہے بدن کا یہ رچاؤ
تجھ پہ لہلوٹ ہے بے ساختہ پن کیا کہنا

جیسے لہرائے کوئی شعلہ کمر کی یہ لچک
سربسر آتشِ سیال بدن کیا کہنا

نرم دوشیزہ ادائیں ہیں کہ جنّت کی ہوائیں
تاروں کی گیت کی لے مست چلن کیا کہنا

قامتِ ناز لچکتی ہوئی اک قوس قزح
زلف شبرنگ کا چھایا ہوا گھن کیا کہنا

جس طرح جلوۂ فردوس ہواؤں سے چھنے
پیرہن میں ترے رنگینیٔ تن کیا کہنا

جلوہ و پردہ کا یہ رنگ دمِ نظارہ
جس طرح ادھ کھلے گھونگھٹ میں دلہن کیا کہنا

جگمگاہٹ یہ جبیں کی ہے کہ پو پھٹتی ہے
مسکراہٹ ہے تری صبحِ چمن کیا کہنا

سربسر کیف و کم و رمز و کنایات وہ آنکھ
یعنی ہر گھات میں، ہر بات میں کن کیا کہنا

رنگ و نکہت کا یہ طوفاں یہ تلاطم یہ اٹھان
اچپلاہٹ کی ہے تصویر بدن کیا کہنا

دمِ تقریر کھل اٹھتے ہیں گلستاں کیا کیا
یوں تو اک غنچۂ نورس ہے دہن کیا کہنا

دل کے آئینے میں اس طرح اترتی ہے نگاہ
جیسے پانی میں لچک جائے کرن کیا کہنا

لہلہاتا ہوا یہ قد یہ لہکتا جوبن
زلف سو مہکی ہوئی راتوں کا بن کیا کہنا

قد رعنا کی یہ چمکار یہ آیا ہوا پیار
عشق کا حسن نے بدلا ہے برن کیا کہنا

تو محبت کا ستارا تو جوانی کا سہاگ
حسن کو دیتا ہوا لعلِ یمن کیا کہنا

رنگ اور نور کی موجیں ہیں ترا پیکرِ ناز
شفق آلودہ ہے اک نہر لبن کیا کہنا

حسن معصوم حجابوں میں بھی کو دیکھے گا
دامنِ حور میں اک شمع لگن کیا کہنا

چشم مخمور صراحی، بہ بغل، جام بکف
نورِ حافظ شیراز بدن کیا کہنا

یہ نگاہوں کی کھنک تیغ ادا کی جھنکار
حسن سرتا بقدم بولتا رن کیا کہنا

قدو گیسو پہ نظر پڑتے ہی بیخود ہوا عشق　　خوابِ منصور سرِ دار و رسن کیا کہنا
تیری آواز سویرا تری باتیں تڑکا　　آنکھیں کھل جاتی ہیں اعجازِ سخن کیا کہنا
زُلف شبگوں کی چمک پیکرِ سیمیں کی دمک　　دیپ مالا ہے سر گنگ و جمن کیا کہنا
نیلگوں شبنمی کپڑوں میں بدن کی یہ جوت　　جیسے چھنتی ہو ستاروں کی کرن کیا کہنا

میرے ہاتھوں چڑھے پروان تو اے پریم کی بیل
پورے جوبن پہ ہے جیسے مرا فن کیا کہنا

فسردگیٔ محبت پہ مسکرائے جا　　اب آگیا ہے تو اک آگ سی لگائے جا
اسس اِضطراب میں رازِ فروغ پنہاں ہے　　طلوعِ صبح کے مانند تھرتھرائے جا
نگاہِ ناز ترا یوں تو ہے پیام کچھ اور　　مگر کرم بھی کئے جا ستم بھی ڈھائے جا
جہاں کو دے گی محبت کو تیغ آبِ حیات　　ابھی کچھ اور اسے زہر میں بجھائے جا
مٹا مٹا کے محبت سنوار دیتی ہے　　بگڑ بگڑ کے یونہی زندگی بنائے جا
پھر اپنا کام بھی کرلے گی ایک دن وہ نگاہ　　ابھی تو عشق کی گوں پر اسے لگائے جا
ابھی تو اے غمِ پنہاں جہان بدلا ہے　　ابھی کچھ اور زمانے کے کام آئے جا
معاملہ بھی یہی ہے کہ کھل کے دل کی طرف　　ضرور دیکھ نظر بھی مگر چرائے جا
پتہ یوں ہی تجھے اپنا بھی چل رہے گا کبھی　　ترے نثار محبت کو آزمائے جا
دلوں کو تیری جدائی بھی ہو رہے گی قبول　　کوئی دن اور یہ ویرانیاں بسائے جا
خلوصِ عشق کو کر بے نیاز غفلت و ہوش　　کسی کو یاد کے پردے میں کچھ بھلائے جا
کھلیں نہ حُسن کی فطرت کے راز عاشق پر　　برت خلوص بھی جھوٹی قسم بھی کھائے جا
پھر اپنے ناز بھی اُٹھتے نہیں محبت سے　　ابھی تو ایک زمانے کے ناز اُٹھائے جا
وہ کیمیا ہی سہی پہلے خاک ہونا ہے　　ابھی تو سوز محبت کی آنچ کھائے جا

شباب پر ہے زمانہ ترے ستم کے نثار — ابھر رہا ہوں کئی رنگ سے مٹائے جا
فسونِ نیم شبی، نرگسِ خمار آلود — ترے نثار یہ جادو ابھی جگائے جا
فراق چھیڑ دیا تو نے کیا فسانۂ درد
سمجھ میں کچھ نہیں آتا مگر سنائے جا

اُڑ رہی ہے نرگسِ شہلا سے یار — ہے فضا تصویرِ شامِ انتظار
کیوں دلِ اہلِ جنوں میں بار بار — اُتری جاتی ہے صدائے گیر و دار
ایک ہو جائے گا وصل و ہجرِ یار — آ رہے گا وہ بھی دن ہمت نہ ہار
اپنے سائے سے بچے گا عشقِ یار — اور ہونے دے جنوں کو بے قرار
تابشِ رُخ جلوۂ صُبحِ چمن — شامِ صحرا خم بہ خم گیسوئے یار
آنکھ میں وہ روئے رنگیں، دل اُداس — اب نہ آتی ہے نہ جاتی ہے بہار
سنگ و آہن بے نیازِ غم نہیں — دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار
کاش نازِ یار اتنا جانتا — شرط ہے خونِ جگر گُل ہو کہ خار
بے نیازِ شکوہ تھا غم کا سُکوت — حُسن برگشتہ، محبت شرمسار
گردشِ دوراں سے دل ڈرنے لگا — بڑھ چلا ہے حد سے تیرا اعتبار
مستیوں میں یک بیک آنا حجاب — جیسے چھائے جھوم کر ابرِ بہار
منتظر ہے صبح لے انگڑائیاں — اے جہانِ رنگ و بو تجھ پہ نثار
بھولتے ہیں یوں بھی پیمانِ وفا — یاد کر کچھ اے نگاہِ شرمسار
کیوں کیا پاسِ دلِ عجلت پسند — جس کی ہستی ہے سراپا انتظار
درسِ عبرت ہے نشاطِ عشق بھی — چشمِ تر، شوریدہ سر، سینہ فگار
"حُسنِ لیلیٰ عکسِ رُخسارِ من است" — آن سمجھے رازِ عشقِ بے قرار
شوخیوں میں جلوہ ہائے صُبحِ حشر — مستیوں میں عالمِ شبہائے تار

مٹ چلی ہیں عشق کی اب غفلتیں    ہوشیار اے چشمِ جاناں ہوشیار
سامنا ہے اُس کے جلووں کا فراق
جس کا چھپنا بھی ہے برقِ بے قرار

سو سکوت و تمکنت تجھ پر نثار    کچھ تو کہہ سُن اے نگاہِ شرمسار
ماورائے قرب و دوری حُسنِ یار    لذّتِ دیدار کیفِ انتظار
سر بسر اک موجِ برقِ بے قرار    کیا تکلّم، کیا تبسّم، کیا شعار
انتظار اور وہ بھی تیرا انتظار    آ گیا بیمارِ غم کو بھی قرار
مٹ چلا فرقِ سکون و انتشار    آ گیا شاید محبّت کا دیار
شوخیِ برقِ نگاہِ بے قرار    اعتبارِ ہستیٔ ناپائدار
اب قیامت اور کہتے ہیں کسے    اُف، یہ قامت، یہ جوانی، یہ اُبھار
مُضطرب بھی، پُرسکوں بھی، گم بھی عشق    شعلہ وار، آئینہ وار، آشفتہ وار
عشق کو اتنا ہے کیوں نازِ جنوں    حُسن بھی ہوتا رہا ہے سنگسار
زندگانی کے لیے کیوں ہو گئی    دامنِ دل کی ہوا ناسازگار
عشق سرتاپا سکونِ دائمی    عقل کے ہاتھوں گریباں تار تار
چال کچھ اُس برقِ جولاں کی نہ پوچھ    جس کا رُکنا ہے قیامت آشکار
بے محابا انقلاب آنے کو ہے    ہوشیار اے اہلِ دُنیا ہوشیار
عشق کی دُنیا حیات اندر حیات    عالمِ امکاں مزار اندر مزار
اُس نگاہِ ناز کا عالم نہ پوچھ    جس میں خوابیدہ ہے دورِ روزگار
خواب آلودہ نگاہوں کی قسم!    بن حریفِ شاہدِ شب زندہ دار
ہر ادا میں عالمِ صبحِ وصال    ہر نگہ میں کیفِ شامِ انتظار

رات دن کیا خوابِ عقبیٰ دیکھنا — رہتی دُنیا سے کبھی ہو لے دو چار
وہ ہوا بدلی کہ ہے اب عشق کی — شادمانی وقفِ عشقِ سوگوار
نالۂ دردِ فراقِ دوست کر — گر نہ بکھریں گیسوئے شبہائے تار
اے فراق ایسی بھی کیا وارفتگی
یار کو پا کر یہ دردِ ہجرِ یار

عشق کو خود پر نہیں اب اعتبار — اے ترا رنگِ تلوّن برقرار
مٹ چلے ہیں دل سے نقشِ حسنِ یار — کیا ہوا اے انقلابِ روزگار
اُٹھ چلا ہے اب حجابِ انتظار — یوں ہی کچھ دن اور رہے تاخیرِ یار
روئے خنداں غیرتِ صبحِ بہار — چشمِ پُرنم شامِ انجم در کنار
عشق ہو بیگانۂ اُمید و یاس — یوں نہ اُٹھنا اے نگاہِ غمگسار
عشق تو ہے تا ابد ہجراں نصیب — حُسن میں بھی کیوں ہے رنگِ انتظار
مجھ کو یہ حیرت ہے کیوں کر بن گیا — داغِ فرقت حُسن کا آئینہ دار
زہد و زاہد خلد کی موہوم اُمید — ہر گناہِ عاشقی یزداں شکار
ذرّہ ذرّہ آفتابِ روزِ حشر — قطرہ قطرہ بحرِ ناپیدا کنار
اب محبت کی فراوانی نہ پوچھ — جس طرف آنکھ اُٹھ گئی دیدارِ یار
آتشِ گُل سوز و سازِ عندلیب — نکہتِ گُل نغمۂ صوتِ ہزار
سادگی میں جلوۂ صبحِ ازل — شوخیوں میں گرمیِ روزِ شمار
عشق کو کر سربسر رازِ نمو — اے بہارِ گلشنِ بے برگ و بار
اب سناتے ہیں ترے محرومِ لطف — نیستی کی خیر، ہستی در کنار
ضطراب زندگی یکسر جمود — اور سکونِ جاں سراپا انتشار

فتنے اُٹھتے ہیں ازل سے تا ابد  زندگی کس نوع کی ہے رہگذار
بے سر و ساماں محبت ہو چلی  بڑھتے جاتے ہیں جنوں کے کاروبار
ہے ازل سے وہ نگاہِ پُرسکوں  پردہ دارِ گردشِ لیل و نہار
بیٹھے بیٹھے کس کا دھیان آیا فراق
دل اُمڈ آیا ہے جو پیمانہ وار

اب سکونِ یاس بھی ہے بے قرار  اُف، تری ہمدردیِ بیگانہ وار
باز پُرس اک زحمتِ ناخوشگوار  کس کو ہے پروائے عشقِ شرمسار
صبح عکسِ جلوۂ روئے نگار  رات موجِ نکہتِ گیسوئے یار
ہے دلِ منصور کی آئینہ دار  کوئے جاناں کی ہوائے سازگار
رشکِ جنت ہر گلِ زخمِ جگر  دل غمِ کونین کا سرمایہ دار
احتیاطِ شوق اندازِ جنوں  ہوش بھی اک لغزشِ مستانہ وار
تیغ اندر تیغ ادائے برقِ حسن  کاروانِ دل قطار اندر قطار
رسمساہٹ صبح کی رخسار میں  انکھڑیوں میں رنگِ شامِ انتظار
یہ تری ہشیاریاں، سرشاریاں  باخبر آنکھیں، نگاہیں پُرخمار
چونک اُٹھی بے نیازی عشق کی  آج تُو یاد آ گیا بے اختیار
پھر ہرے ہیں عشق کے زخمِ کہن  رنگ پھر لایا ہے حسنِ تازہ کار
عشق کا کچھ چارۂ غم کر کے کیا  اعتبارِ گریۂ بے اختیار
کوہ و صحرا میں بھی یہ درماندگی  یہ بھی ہیں شاید ترے غم دوستدار
جاں فزا کیفیتِ نگاہ شرمگیں  نشترِ پنہاں دلِ ہستی فگار
خیر مجھ سے تو جنوں مانوس ہے  مستیاں تیری ہیں کس کی پردہ دار

تھی نگہ اُس کی پیام اندر پیام
یاد کر کچھ اے دلِ غفلت شعار

حُسنِ تاباں کی جبینِ پُر سکوں
جیسے سو جائے حیاتِ بے قرار

فتنہ در فتنہ نظر کی سادگی
شوخیٔ پنہاں بہار اندر بہار

ہے عجب تیری محبت بھی فراق
بے خبر، بیگانہ وش، دیوانہ وار

اضطرابِ عاشقی تجھ پر نثار
کس کا غم ہے اے نگاہِ نازِ یار

بزمِ امکاں ہے سراپا انتشار
عشق کے دل میں بھی تھا کتنا غبار

اب کہاں وہ دردِ وصل و ہجرِ یار
بھول بیٹھا تجھ کو عشقِ بے قرار

عشق ہے کتنا سبک روح اے ندیم
بارِ خاطر ہو گیا احسانِ یار

لرزشِ پنہاں سی ہو افلاک میں
اس خرامِ ناز پر تارے نثار

ہوش و مستی سے گذر جا عشق میں
سُن پیامِ نرگسِ رعنائے یار

کچھ نہیں ناکامیاں خوش کامیاں
اک فسانہ ہے یہ جبر و اختیار

اضطرابِ عشق رُسوا ہو چلا
اُٹھتی چل اب اے نگاہِ شرمسار

اور ہی انداز سے دے درسِ ضبط
اور ہی عنوان سے کر بے قرار

بھول جاتے ہیں جہاں کے واقعات
یاد آتے ہیں ترے قول و قرار

ماورائے مشکل و آساں ہے عشق
کچھ نہیں ہونے کا ناداں سرشار

کھُل چلے کچھ کچھ رموزِ زندگی
تجھ کو دیکھا اے نگاہِ لطفِ یار

ایک عالم ہے سکونِ شامِ ہجر
آ گیا چلتی ہواؤں کو قرار

اُف خلوصِ حُسن کی نیرنگیاں
سچ بتاؤ کس کو تم کرتے ہو پیار

سب کرشمے ہیں سکوتِ ناز کے
نظمِ ہستی حشر کا ہنگامہ زار

شرطِ اُلفت کیا بس اک شرطِ سکوت — جان جاتی ہے تو جائے، دم نہ مار
حُسن کی انگڑائیاں یاد آ گئیں — جیسے ٹوٹے بادۂ غم کا خُمار
اپنے مرکز پر ہیں اب ذرّاتِ دل — دور پہنچا تیرے غم کا انتشار
بے نیازِ نیستی بھی کر دیا — اُن حیا پرور نگاہوں کے نثار
خود بخود اب حُسن کے بس میں نہیں — کیا کیا یہ اے دلِ ناکردہ کار
یوں بھی دیکھا ہے فراقِ زار کو
آنکھ پُرنم ہاتھ میں دامانِ یار

تمام کیف خموشی تمام نغمۂ ساز — نوائے راز ہے اے دوست یا تری آواز
مری غزل میں ملے گا تجھے وہ عالمِ راز — جہاں ہیں ایک ازل سے حقیقت اور مجاز
وہ عین محشرِ نظارہ ہو کہ خلوتِ راز — کہیں بھی بند نہیں ہے نگاہِ شاہد باز
ہوائیں نیند کے کھیتوں سے جیسے آتی ہوں — یہاں سے دور نہیں ہے بہت وہ مقتلِ ناز
یہ جنگ کیا ہے لہو تھوکتا ہے نظمِ کہن — شگوفے اور کھلائے گا وقت شعبدہ باز
مشیّتوں کو بدلتے ہیں زورِ بازو سے — "حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز"
اشارے ہیں یہ بشر کی الوہیت کی طرف — لَویں سی دے اُٹھی اکثر مری جبینِ نیاز
مآلِ عشق سے اونچا بہت تھا عشق اُن کا — مآلِ عشق سے غافل نہ غزنوی نہ ایاز
ازل سے سینۂ جبریل جس سے محروم — قفس میں پال رہا ہوں وہ حسرتِ پرواز
بھرم تو قربتِ جاناں کا رہ گیا قائم — لے آڑے آ ہی گیا چرخِ تفرقہ پرداز
نگاہِ چشمِ سیہ کر رہی ہے شرحِ گناہ — نہ چھیڑ ایسے میں بحثِ جواز و غیرِ جواز
یہ موجِ نکہتِ جاں بخش یوں ہی اُٹھتی ہے — بہارِ گیسوئے شب رنگ تیری عمر دراز
یہ ہے مری نئی آواز جس کو سُن کے ہر ایک — یہ بول اُٹھے کہ ہے یہ تو سُنی ہوئی آواز

حریفِ جشنِ چراغاں ہے نغمۂ غمِ دوست　　کہ تھرتھراتے ہوئے دیکھ اُٹھے وہ شعلہ نُما

فراق منزلِ جاناں وہ دے رہی جھلک
بڑھو کہ آ ہی گیا وہ مقامِ دور و دراز

رکی رکی سی شبِ مرگ ختم پر آئی　　وہ پو پھٹی وہ نئی زندگی نظر آئی
یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دیں گی نہ ساتھ　　مسافروں سے کہو اس کی رہ گذر آئی
فضا تبسمِ صبحِ بہار تھی لیکن　　پہنچ کے منزلِ جاناں پہ آنکھ بھر آئی
کہیں زمان و مکاں میں ہے نام کو بھی سکوں　　مگر یہ بات محبت کی بات پر آئی
کسی کی بزمِ طرب میں حیات بٹتی تھی　　امیدواروں میں کل موت بھی نظر آئی
کہاں ہر ایک سے انسانیت کا بار اُٹھا　　کہ یہ بلا بھی ترے عاشقوں کے سر آئی
دلوں میں آج تری یاد مدتوں کے بعد　　بہ چہرۂ متبسم بہ چشمِ تر آئی
نیا نہیں ہے مجھے مرگِ ناگہاں کا پیام　　ہزار رنگ سے اپنی مجھے خبر آئی
فضا کو جیسے کوئی راگ چیرتا جائے　　تری نگاہ دلوں میں یونہی اُتر آئی
ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست　　ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی
ترا ہی عکس سرشکِ غمِ زمانہ میں تھا　　نگاہ میں تری تصویر سی اُتر آئی
عجب نہیں کہ چمن در چمن بنے ہر پھول　　کلی کلی کی صبا جا کے گود بھر آئی

شبِ فراق اُٹھے دل میں اور بھی کچھ درد
کہوں یہ کیسے تری یاد رات بھر آئی

دل کشتۂ فریبِ تمنا ہے آج بھی
اُس کی نگاہ اِک نئی دُنیا ہے آج بھی

دیکھا تھا جس نے تجھ کو زمان و مکاں سے دوُر
وہ آنکھ بے قرارِ تماشا ہے آج بھی

پھر سُرخیِ نشاط جہاں شوخ ہو چلی
غم نیشترزنِ رگِ دُنیا ہے آج بھی

مستِ ازل ہے عشق مگر اُس نگاہ سے
جیسے کوئی پیام سا آتا ہے آج بھی

افسردگیِ عشق کو شدّت ہوئی مگر
شعلہ سا کچھ دلوں کو لپکتا ہے آج بھی

اک رنگ پر دورنگیِ عالم ازل سے ہے
اک جامِ صبح و شام چھلکتا ہے آج بھی

اب بھی اُچھل رہا ہے لہو سا فضا میں کچھ
دار و رسن پہ عشق کا قبضہ ہے آج بھی

اک لرزشِ خفی سرِ محشر ہے عشق میں
کاوش میں نشترِ غمِ فردا ہے آج بھی

ہمدم میں خود نگاہ اُٹھاتا نہیں مگر
اُس نو بہارِ ناز کو دیکھا ہے آج بھی

اب وہ متاعِ درد ہو یا کیف یا نشاط
اِس بزم میں خزانہ سا لُٹتا ہے آج بھی

جوشِ جنوں سے قطعِ نظر کرکے عشق کا
سُنتے ہیں قصدِ جانبِ صحرا ہے آج بھی

رنگینیوں میں غفلتِ دل کی کمی نہیں
ہستی تمام خوابِ زلیخا ہے آج بھی

خوابِ عدم، سکونِ ابد مل چکا مگر
شورش حیاتِ عشق سے پیدا ہے آج بھی

یوں تو جہاں شناس وہ صبحِ ازل سے ہے
کھوئی ہوئی سی نرگسِ رعنا ہے آج بھی

گو ہو چکا ہے خاتمہ گفت و شنید کا
دل بے قرار شکوۂ بے جا ہے آج بھی

پھر شورِ انقلاب اُٹھا چار سمت سے
اچھا، اُسی نگاہ کا قصہ ہے آج بھی

بدلے نگار خانۂ ہستی نے لاکھ رنگ
اندازِ حُسنِ یار نرالا ہے آج بھی

گو بے حسیِ دل کو زمانہ گذر گیا
رہ رہ کے خارِ عشق کھٹکتا ہے آج بھی

کہنے کا کچھ کسی سے زمانہ نہیں مگر
اک حرف سا زبان تک آتا ہے آج بھی

یوں تو فنا بقا کے منازل گذر چکے
دل ذکرِ عاشقی سے جھجکتا ہے آج بھی

اے چارہ گر سمجھ نہ سکا میں ترا سوال
زخمِ کہن وہی جو نہ دُکھتا ہے آج بھی!

نومیدیوں کی مدتِ دیرینہ پر نہ جا
اے چشمِ یار تیرا بھروسا ہے آج بھی

ہر دَور ایک منزلِ معراجِ عشق ہے — درد اس نگاہِ ناز سے اُٹھتا ہے آج بھی
اِس پُرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے — کیا تو وہی خلوص سراپا ہے آج بھی
سچ جھوٹ کی خبر تو کسے لیکن اے فراق
کوئی بیانِ درد سُناتا ہے آج بھی

دُنیا دُنیا عالم عالم تھے اک روز یہی ویرانے
وادی وادی جنگل جنگل چھان گئے تیرے دیوانے
دُبدھا پیدا کر دے دلوں میں ایمانوں کو دے ٹکرانے
بات وہ کہہ اے عشق کہ سُن کر سب قائل ہوں کوئی نہ مانے
کانٹا کانٹے سے نکلے گا ایسے میں پھول کا کام نہیں
چُبھنے والی بات تو کہیے اچھا ہے کوئی بُرا ہی مانے
اُسی درد سے دُنیا غافل اُسی درد کا گھر گھر چرچا
ایک شبِ غم کی سو راتیں، ایک محبت سو افسانے
اوروں سے بھی ہنس کر رو کر جھوٹا سچا پیار کیا تھا
وہ بھی ترے عشق کے حیلے وہ بھی تھے ترے غم کے بہانے
حُسن کو حُسن سمجھ لینا بھی اے اہلِ دل کارے دارد
تم بھی چلے ہو کس کے آگے ہنسنے ہنسانے رونے رُلانے
اوپر سے خوش ہولے ناداں کام دو دہن کی ہر خیر اسی میں
پریم کے شکوہ تو ہے سچے چنے ہیں تاہو گر پڑ جائیں چبانے
تو نے ہوا کی نرم روی کو اپنی گوں پہ لگانا چاہا
صیدِ گہہ ہستی میں ناداں یونہی خطا ہوتے ہیں نشانے

غفلت ہو تو کوئی چونکائے جاگے ہوؤں کو کون جگائے
ہائے وہ کارِ جہاں خود جس سے نکلیں بے عملی کے بہانے

عشق کی باتیں عشق کے چرچے گھر گھر میں ہیں عشق پہ لیکن
آنکھیں پڑیں اگر دُنیا کی دُنیا مشکل سے پہچانے

حُسن کے پاس اس کا نہیں چارا عشق کا اسمیں کیا ہے اجارا
یوں بھی پھر جاتی ہیں نگاہیں یوں بھی بدل جاتے ہیں زمانے

اپنی اپنی سب کو پڑی ہے کاش سمجھ میں یہ عشق کے آئے
دوست سے بھی اُمید نہ رکھے اک دُنیا سے بیر جو ٹھانے

دُنیا سے کیا پوچھ رہا ہے سو انجان نہ ایک سُجان
دُنیا کو پوچھ اس کی نظر سے دُنیا کو دُنیا کیا جانے؟

اُس کی نظر پر حیراں حیراں مجبوری بھی آزادی بھی
وہی کہے جو سب کے دل میں سب کی سُنی اور اپنی مانے

دُنیا اپنے رنگ محل میں خواب خوشی کے دیکھ رہی تھی
جس میں خوشی نے آنکھیں کھولیں تھے وہ محبت کے غم خانے

حُسن و محبت آپ اپنی تو بین ہیں گر معصوم نہ ہوں
تھوڑی دیر کو بھولے بن لیں ہم بھی سیانے تم بھی سیانے

عشق ہے بے بس یہ تو ہے ظاہر دُنیا بھر میں غیب سے لیکن
کون لگا ہے آگ لگانے قہر اُٹھانے آفت ڈھانے؟

لوک لاج کے ہم بھی ہیں قائل بزمِ عام میں تیری نظر کو
یوں دُنیا ہے پیامِ محبت سب دیکھیں اور کوئی نہ جانے

سامنے کی چیزیں بھی فراق انسان کو چونکا دیتی ہیں
بزم میں جاگتا خواب یہ دیکھا ہیں چراغ ہیں پروانے

امن و اماں کی دُنیا میں بھی ایسے کوکب ملتے ہیں ٹھکانے
کئی بار تو عشق گیا ہے موت کے منھ میں جان بچانے
آنکھیں مل کر بھی نہیں ملتیں اپنے بھی ہیں یہاں بیگانے
کوئی تیری بزمِ ناز میں کس کو پوچھے کس کو جانے
ذرّہ ذرّہ گھل جائے گا اس دُنیا کا وقت کی رَو میں
تو نے سُنا ہے؟ لون کی پُتلی چلی تھی سندھ کی تھاہ لگانے
یہ آئینِ وفا بھی برحق یہ تسلیم و رضا بھی بجا
لطف و ستم کیا؟ حُسن بھی لیکن پیر پرائی کچھ تو جانے
ترکِ محبت بھی کرتا جا اور دردِ محبت بھی سہتا جا
ایک ہی مت رکھتے ہیں ناداں دُنیا بھر کے چتر سیانے
حُسن کی اوٹ میں جانے کب سے سوتی ہیں دُنیا کی تقدیریں
نرگسِ رعنا دیکھ کہ ہم بھی بیٹھے ہیں کس جادو کو جگانے
شعلۂ گُل پر چادرِ شبنم سرتا سر تصویرِ حیات
رو لینا ہے ہنستے ہنساتے ہنس لینا ہے غم کے بہانے
صبر و سکوں بھی کیف نہاں بھی سازِ طرب بھی اس کا کرم بھی
پھر بھی رنگ اُڑا جاتا ہے عشق کی باتیں عشق ہی جانے
یاد کسی کی کرتا بھی جا، دل سے کسی کو بھلاتا بھی جا
پیتا بھی جا بھرتا بھی جا ہوش اور غفلت کے پیمانے
ذرّہ ذرّہ تارا تارا قطرہ قطرہ دریا دریا
ہوش و خرد ہیں حیراں حیراں کیا کوئی جانے کیا کوئی مانے؟
بھولے بھٹکوں ہی کیوں اکثر منزل سے آتی ہیں صدائیں
گر جائے پاتال میں لیکن گلی گلی کی خاک نہ چھانے

ایک تغافل لاکھ توجہ ایک تجاہل لاکھ پتے
اہلِ محبت تجھ سے پہلے ہیں حال چھپانے بات بنانے

سوتی دنیا جاگ اٹھی ہے ذرّہ ذرّہ کانپ اٹھا ہے
بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی یہ عشق لگا ہے قیامت ڈھانے

مجبوری آزادی نکلی، رنج پرستی شادی نکلی
دنیا کی تقدیریں پلٹیں، عشق کی محنت لگی ٹھکانے

غفلت کیسی، کیا ہشیاری، بیداری کیا؟ خواب بھی کیسا؟
دونوں کا ہے ایک ہی عالم کیا دیوانے کیا فرزانے

پئے بغیر یہ جوش ہے ساقی پینے کا کب ہوش ہے ساقی
دورِ شراب کہاں کہ ابھی تو ٹوٹے جاتے ہیں پیمانے

مٹ مٹ کر یہ ابھرنا گویا تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل
تیری بڑی بات اے دنیا، تیری مہما کون بکھانے

پُر سکھوَن کے نر بہتیرے، لیکن بات کے آجانے پر
فید تو وہی ہے جس کو زمانہ سو سمجھائے ایک نہ مانے

حسن بھی تھا اپنی پرچھائیں شامِ غریباں دیکھ فراق
عشق وہی ہے اب بھی لیکن چھوٹ گئے اپنے بیگانے

ستاروں کی تقدیر یہیں جاگ رہی ہے — سوتے ہیں نہ افلاک زمیں جاگ رہی ہے
کروٹ سی شبِ ماہ میں لیتی ہے یہ گنگا — یا حُسن کی بل کھائی جبیں جاگ رہی ہے
ہیں خواب میں عشاق مگر یاد کسی کی — یا دل میں ہے یا دل کے قریں جاگ رہی ہے
اک عالمِ نیرنگ ہے دنیائے محبت — سوتی ہے کہیں اور کہیں جاگ رہی ہے

یہ رات اندھیری ہے مگر اے غمِ فردا　　سینوں میں ابھی شمعِ یقیں جاگ رہی ہے
سوتی ہے جہاں عشق کی تقدیر ازل سے　　وہ نرگسِ بیمار وہیں جاگ رہی ہے
یہ نکھری ہوئی رات فراقؔ آنکھ تو کھولو
سوتا ہوا سنسار زمیں جاگ رہی ہے

کسی سے چھوٹ کے شاد اور کسی سے مل کے غمیں　　فراقؔ تیری محبت کا کوئی ٹھیک نہیں
یونہی سا تھا کوئی جس نے مجھے مٹا ڈالا　　نہ کوئی نور کا پتلا نہ کوئی زہرہ جبیں
جو بھولتی بھی نہیں، یاد بھی نہیں آتیں　　تری نگاہ نے کیوں وہ کہانیاں نہ کہیں
لبِ نگار ہے یا نغمۂ بہار کی لَو　　سکوتِ ناز ہے یا کوئی مطربِ رنگیں
شروعِ زندگیٔ عشق کا وہ پہلا خواب　　تمھیں بھی بھول چکا ہے مجھے بھی یاد نہیں
ہزار شکر کہ مایوس کر دیا تو نے　　یہ اور بات کہ تجھ سے بڑی امیدیں تھیں
اگر بدل نہ دیا آدمی نے دُنیا کو　　تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں
ہنر تو خیر ہنر عیب سے بھی جلتے ہیں
فغاں کہ اہلِ زمانہ ہیں کس قدر کم ہیں

اس سکوتِ فضا میں کھو جائیں　　آسمانوں کے راز ہو جائیں
حال سب کا جُدا جُدا ہی سہی　　کس پہ ہنس جائیں کس پہ رہ جائیں
راہ میں آنے والی نسلوں کے　　خیر کانٹے تو ہم نہ بو جائیں
آؤ اس تنگنائے دُنیا کی　　وسعتِ بیکراں میں کھو جائیں
زندگی کیا ہے آج اسے اے دوستؔ!　　سوچ لیں اور اداس ہو جائیں

رات آئی فراق دوست نہیں
کس سے کہیے کہ آؤ سو جائیں

رنج و راحت، وصل و فرقت، ہوش و وحشت کیا نہیں
کون کہتا ہے کہ رہنے کی جگہ دُنیا نہیں

لے اُڑی تجھ کو نگاہِ شوق کیا جانے کہاں
تیری صورت پر بھی اب تیرا گماں ہوتا نہیں

اہلِ غم تم کو مبارک یہ فنا آمادگی
لیکن ایثارِ محبت جان دے دینا نہیں

حُسن سرتاپا تمنّا، عشق سرتاپا غرور
اس کا اندازہ نیاز و ناز سے ہوتا نہیں

یوں بھی آئی ہے قیامت اے خرام نازیا
مٹ کے بھی دُنیا محبت کی تہ و بالا نہیں

میں عدم اندر عدم ہوں میں جہاں اندر جہاں
ایک ہی دُنیا ہو میری، اے فراق ایسا نہیں

تہوں میں دل کے جہاں کوئی واردات ہوئی
حیاتِ تازہ سے لبریز کائنات ہوئی

تمہیں نے باعثِ غم بارہا کیا دریافت
کہا تو روٹھ گئے، یہ بھی کوئی بات ہوئی

حیات رازِ سکوں پا گئی اجل ٹھہری
اجل میں تھوڑی سی لرزش ہوئی حیات ہوئی

تھی ایک کاوشِ بے نام دل میں فطرت کے
سوا ہوئی تو وہی آدمی کی ذات ہوئی

بہت دنوں سے محبت کو یہ ہوا معلوم
جو تیرے ہجر میں گذری وہ رات رات ہوئی

فراق کو کبھی اتنا خموش دیکھا تھا
ضرور اے نگہِ ناز کوئی بات ہوئی

ماہ کامل کی نرم نرم شعاعیں
وہ ترے غم کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں

تہ بہ تہ دل پہ چھا رہی ہیں گھٹائیں
تیری یادوں کی چل رہی ہیں ہوائیں

شامِ فرقت بہت اندھیرا ہے
ساز اُٹھاؤ غزل کی شمع جلاؤ

اے دلِ زار یوں بھی ہوتا ہے
نہ ہو غم کوئی اور آنکھیں بھر آئیں

اس کی یادوں کو بھی جگا دینا
جب ہم آئیں ذرا پلک جھپکائیں

تا بہ کے اپنی زندگی کا غم
کیوں نہ دُنیا کی زندگی بن جائیں

کچھ ستاروں سے لوگ اُترے ہیں
آؤ جامِ جہاں نما چھلکائیں

ڈال دیں داغ بیل نغموں کی
ہم بھی اک شہرِ آرزو کو بسائیں

نہ یگانہ نہ حسرت و اصغر
اب غزل کس کو اے فراق سُنائیں

•

نیرنگِ حسنِ یار رے بس میں کیا نہیں
لطف و کرم تو مانعِ جور و جفا نہیں

جن کی صدائے درد سے نیندیں حرام تھیں
نالے اب اُن کے بند ہیں تو نے سُنا نہیں

نیرنگیِ اُمیدِ کرم اُن سے پوچھیے
جن کو جفائے یار کا بھی آسرا نہیں

میرے سکوتِ ناز پہ اتنا نہ ہو ملول
تجھ سے خدا نخواستہ مجھ کو گلا نہیں

تجھ سے حجاب کیا مگر اے ہمنشیں نہ پوچھ
اس دردِ ہجر کو جو شبِ غم اُٹھا نہیں

تھا حاصلِ پیام ترا اے نگاہِ یار
وہ رازِ اختلاط جو تو نے کہا نہیں

اک بات کہتے کہتے کبھی رُک گیا تھا حُسن
وہ ماجرا فراق مجھے بھولتا نہیں

چھڑ گئے سازِ عشق کے گانے — کھل گئے زندگی کے میخانے
آج تو کفرِ عشق چونک اُٹھا — آج تو بول اُٹھے ہیں دیوانے
کچھ گراں ہو چلا ہے بارِ نشاط — آج دُکھتے ہیں حُسن کے شانے
بعد مدت کے تیرے ہجر میں پھر — آج بیٹھا ہوں دل کو سمجھانے
حاصلِ حُسن و عشق بس ہے یہی — آدمی آدمی کو پہچانے
تو بھی آمادۂ سفر ہو فراق
قافلے اُس طرف سے لگے جانے

صباحتِ رُخِ رنگیں بہارِ صبحِ وطن — کھلا ہوا ہے تری مسکراہٹوں کا چمن
سرکتی جاتی ہیں ماتھے سے گیسوؤں کی لٹیں — طلوعِ ماہ مبیں ہے کہ چھٹ رہا ہے گہن
یہ نرم نرم ہوائیں، یہ چھاؤں تاروں کی — ہے آج دیکھنے کی چیز رات کا جوبن
یہ کاروانِ زمانہ چلے ہی جاتا ہے — نہ خوفِ شامِ غریباں نہ فکرِ صبحِ وطن
بہار لُٹتی تھی، مٹھی میں گُل گلستاں تھا — میں غنچے غنچے میں بھی کر رہا ہوں سیرِ چمن
نگاہیں پڑتی ہیں تجھ پر، خوشا یہ صبحِ بہار — کرن کی تیلیوں سے چھن رہا ہے حُسنِ چمن
جدھر نگاہ اُٹھی سیرِ شبنمستاں ہے
فراق حُسن جہاں پر ہے آنسوؤں کا کفن

دُنیا کو انقلاب کی یاد آ رہی ہے آج — تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے آج
جھپکا رہی ہے دیر سے آنکھیں ہوائے دہر — کون و مکاں کو نیند سی کچھ آ رہی ہے آج
ہر ہر شکستِ ساز میں ہے صد لحنِ سرمدی — یا زندگی کے گیت اجل گا رہی ہے آج

ابنائے دہر لیتے ہیں یوں سانس گرم و تیز — جینے میں جیسے دیر ہوئی جا رہی ہے آج
برہم سا کچھ مزاجِ عناصر ہے اِن دنوں — اور کچھ طبیعت اپنی بھی گھبرا رہی ہے آج
اک موجِ دود سینے میں لرزاں ہے اِس طرح — ناگن سی جیسے شیشے میں لہرا رہی ہے آج

بیتے جگوں کی چھاؤں ہے امروز پر فراقؔ
ہر چیز اک فسانہ ہوئی جا رہی ہے آج

رات آدھی سے زیادہ گئی تھی سارا عالم سوتا تھا
نام ترا لے لے کر کوئی درد کا مارا روتا تھا

چارہ گرو یہ تسکیں کیسی میں بھی ہوں اس دُنیا میں
اُن کے ایسا درد کب اُٹھا جن کو بچنا ہوتا تھا

کچھ کا کچھ کہہ جاتا تھا میں فرقت کی بیتابی میں
سُننے والے ہنس پڑتے تھے ہوش مجھے تب ہوتا تھا

تارے اکثر ڈوب چلے تھے رات کے رونے والوں کو
آنے لگی تھی نیند سی کچھ دُنیا میں سویرا ہوتا تھا

ترکِ محبت کرنے والو کون ایسا جگ جیت لیا
عشق سے پہلے کے دن سوچو کون بڑا سُکھ ہوتا تھا

دُنیا دُنیا غفلت طاری عالم عالم بے خبری
حسن کا جادو کون جگائے ایک زمانہ سوتا تھا

اُس کے آنسو کس نے دیکھے اُس کی آہیں کس نے سُنیں؟
چمن چمن تھا حُسن بھی لیکن دریا دریا روتا تھا

پچھلا پہر تھا ہجر کی شب کا جاگتا رب سوتا سنسار
تاروں کی چھاؤں میں کوئی فراقؔ سا جیسے موتی پروتا تھا

ہے ابھی جوہرِ ہستی کو نمایاں ہونا
ابھی فطرت کو ہے آئینۂ انساں ہونا

سر بسر جسم کے امکاں میں ہے جاں ہونا
رگِ ہستی کو نہ آیا ابھی لرزاں ہونا

سازِ بے سوز ہے اے عشق یہ افسردہ حیات
دل کے پردوں کو سکھا شعلہ بداماں ہونا

رازِ سربستہ ہے شیرازۂ دل کی ترکیب
بہ یک انداز سے یک جا و پریشاں ہونا

دلِ سوزاں شبِ غم پیکرِ بے خبری ہے
نہ شبستاں، نہ اسے شمعِ شبستاں ہونا

ہم تو درماں کو بھی درد بنا لیتے ہیں
یوں تو اے درد مبارک تجھے درماں ہونا

بات یہ ہے کہ میں ناشاد بھی ہوں شاد بھی ہوں
عقدۂ عشق کو دشوار نہ آساں ہونا

ذرہ اپنا بھی ہے خورشیدِ قیامت لیکن
مجھے منظور نہیں چاکِ گریباں ہونا

وہ سیہ کارِ محبت ہوں میں واعظ کہ مجھے
قبلۂ دیں تو کبھی کعبۂ ایماں ہونا

دیکھ آشفتگیٔ دہر نہ دیکھا ہو اگر
گیسوئے آہوئے رعنا کا پریشاں ہونا

کس طرح عشق کی مشکل کو کوئی سہل کرے
جس کے آساں کو بھی آیا نہیں آساں ہونا

نزع میں دادِ وفا مل گئی بیماروں کو
سر بسر حسن کا تا خیر پشیماں ہونا

ہم ترے حور و پری ہونے سے مسرور نہیں
ہمیں درکار ہے انسان کا انساں ہونا

اور عالم ہے مری وادیٔ وحشت کا فراق
اسے زنداں نہ بیاباں نہ گلستاں ہونا

جہاں غنچۂ دل کا فقط چٹکنا تھا
اسی کی بوئے پریشاں وجودِ دُنیا تھا

یہ کہہ کے کل کوئی بے اختیار روتا تھا
وہ اک نگاہ سہی کیوں کسی کو دیکھا تھا

طنابیں کوچۂ قاتل کی کھنچتی جاتی تھیں
شہیدِ تیغِ ادا میں بھی زور کتنا تھا

بس اک جھلک نظر آئی اُڑے کلیم کے ہوش
بس اک نگاہ ہوئی خاک طورِ سینا تھا

ہر اک کے ہاتھ فقط غفلتیں تھیں ہوش نما
کہ اپنے آپ سے بیگانہ وار جینا تھا

یہی ہوا کہ فریبِ امید و یاس مٹے
وہ پا گئے ترے ہاتھوں ہمیں جو پانا تھا

چمن میں غنچۂ گل کھلکھلا کے مرجھا ے
یہی وہ تھے جنھیں ہنس ہنس کے جان دینا تھا

نگاہ و مہر میں جس کی ہیں صد پیامِ فنا
اسی کا عالمِ ایجاد نازِ بیجا تھا

جہاں تو جلوہ نما تھا لرزتی تھی دنیا
ترے جمال سے کیسا جلال پیدا تھا

حیات و مرگ کے کچھ راز کھل گئے ہوں گے
فسانۂ شبِ غم ورنہ دوستو کیا تھا

شبِ عدم کا فسانہ گدازِ شمعِ حیات
سوائے کیفِ فنا میرا ماجرا کیا تھا

کچھ ایسی بات نہ تھی تیرا دور ہو جانا
یہ اور بات کہ رہ رہ کے درد اٹھتا تھا

نہ پوچھ سود و زیاں کاروبارِ الفت کے
وگرنہ یوں تو نہ پانا تھا کچھ نہ کھونا تھا

لگاوٹیں وہ ترے حسنِ بے نیاز کی آہ
میں تیری بزم سے جب نا امید اٹھا تھا

تجھے ہم اے دلِ درد آشنا کہاں ڈھونڈیں
ہم اپنے ہوش میں کب تھے کوئی جب اٹھا تھا

عدم کا راز صدائے شکستِ سازِ حیات
حجابِ زیست بھی کتنا حسین پردا تھا

یہ اضطراب و سکوں بھی تھے اک فریبِ حیات
کہ اپنے حال سے بیگانہ وار جینا تھا

کہاں یہ چوک ہوئی تیرے بیقراروں سے
زمانہ دوسری کروٹ بدلنے والا تھا

یہ کوئی یاد ہے یہ بھی ہے کوئی محویت
ترے خیال میں تجھ کو بھی بھول جانا تھا

کہاں کی چوٹ ابھر آئی تھی حسنِ تاباں میں
دمِ نظارہ وہ رخ درد سا چمکتا تھا

نہ پوچھ رمز و کنایاتِ چشمِ ساقی کے
بس ایک حشرِ خموش انجمن میں برپا تھا

چمن چمن تھی گلِ داغِ عشق سے ہستی
اسی کی نکہتِ برباد کل زمانہ تھا

وہ تھا مرا دلِ خوں گشتہ جس کے مٹنے سے
بہارِ باغِ جناں تھی وجودِ دنیا تھا

قسم ہے بادہ کشو چشمِ مستِ ساقی کی
بتاؤ ہاتھ سے کیا جامِ مے سنبھلتا تھا

وصال اس سے میں چاہوں کہاں یہ دل میرا
یہ رو رہا ہوں کہ کیوں میں نے اس کو دیکھا تھا

امید یاس بنی یاس پھر امید بنی
اس اک نظر میں فریبِ نگاہ کتنا تھا

یہ سوز و ساز نہاں تھا وہ سوز و سازِ عیاں
وصال و ہجر میں بس فرق تھا تو اتنا تھا

شکستِ سازِ چمن تھی بہارِ لالہ و گل — خزاں مچلتی تھی غنچہ جہاں چٹکتا تھا
ہر ایک سانس ہے تجدیدِ "یادِ ایامے" — گذر گیا وہ زمانہ جسے گذرنا تھا
نہ کوئی وعدہ نہ کوئی یقیں نہ کوئی اُمید — مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا

کسی کے صبر نے بے صبر کر دیا سب کو
فراقؔ نزع میں کروٹ کوئی بدلتا تھا

گردنِ شیشہ جو ساغر پہ جُھکی اے ساقی — کالی متوالی گھٹا جھوم اُٹھی اے ساقی
موجِ بادہ ہے کہ چمکی ہوئی قسمت کی لکیر — دورِ گردوں سے شکایت نہ رہی اے ساقی
کچھ اس انداز سے ساغر میں پڑا عکسِ قمر — آج صدیوں کی ہوئی پردہ دری اے ساقی
ان کی جیبوں میں ستارے ہیں بغل میں مہ و مہر — تیرے میخوار ہیں قسمت کے دھنی اے ساقی
نئی دُنیا میں طرح کیسی ترے میخواروں نے — رہ گئی گردشِ افلاک دھری اے ساقی
بوئے مے اُڑتے ہی نیند آگئی سیاروں کو — کس جگہ گردشِ ایام تھمی اے ساقی
چھیڑ جائے دلِ کونین نکالی وہ شراب — جس کی ہر بوند ہے ہیرے کی کنی اے ساقی
خاکِ آدم سے چھپکنے لگی چشمِ خورشید — معتقد تیری یہ دُنیا ہے جبھی اے ساقی
جو خدا بنتے ہیں انسان بناتا ہے اُنھیں — کام زندوں کو بہت سے ہیں ابھی اے ساقی
سرسری دفترِ پارینۂ کونین کو دیکھ — اندراج اس کا ہر اک ہے نظری اے ساقی
ہر ادا ماہ چکاں مہر فشاں زہرہ گداز — کیسے انداز ہیں اللہ غنی اے ساقی
از جبیں تا کفِ پا موجِ تبسم کی لویں — نکھری نکھری یہ تری گلبدنی اے ساقی
فرشِ میخانہ پہ جلتے چلے جاتے ہیں چراغ — دیدنی ہے تری آہستہ روی اے ساقی
سرِ میخانہ یہ انگڑائی تری رات گئے — دورِ افلاک کو نیند آنے لگی اے ساقی

ہلیں زنجیریں وہ آتشکدۂ مشرق کی — آئی وہ موج نسیمِ سحری اے ساقی
چمن پہ لہراتے تھے تاروں کے چمکتے پردے — اُن دریچوں سے ہوا آنے لگی اے ساقی
ــ آئی آوازِ اذاں رندوں نے پھر جام بھرے — لیکن اچھی نہیں یہ بد شگنی اے ساقی
خاک میں چوٹ دبی تھی یہ نہ جانے کب کی — رگِ پیمانہ لہو دینے لگی اے ساقی

آن چھیڑی جو فراقِ سخن آرا نے غزل
غفلتِ کون و مکاں جاگ اُٹھی اے ساقی

ماتھے پہ ترے صبحِ چمن کھیل رہی ہے — آنکھوں میں محبت کرن کھیل رہی ہے
یہ رات کے سنگیت کی لَے ہے کہ ہوا ہے — وہ زلفِ شکن در شکن کھیل رہی ہے
مژگاں سے چھلک جاتے ہیں ایمن کے فسانے — ہونٹوں پہ تبسّم کی کرن کھیل رہی ہے
پیراہنِ خوش وضع سے آتی ہے لپٹ سی — ملبوس میں خوشبوئے بدن کھیل رہی ہے
رقصاں ہیں شعاعیں سی جبیں کفِ پا تک — یا صبح سرِ باغ عدن کھیل رہی ہے
گم گشتگیِ خواب کا عالم ہے نظر میں — یا دل میں ترے یادِ وطن کھیل رہی ہے
آغازِ محبت میں ہے نگراں نگہِ شوق — بر روئے سحر پہلی کرن کھیل رہی ہے
اُٹھتی ہیں دمِ رم تری چنچل سی نگاہیں — یا شوخیِ آہوئے ختن کھیل رہی ہے
اس پیکرِ رنگیں میں نہ ہے شوخیِ پنہاں — بجلی تہِ دامانِ چمن کھیل رہی ہے
ان مدھ بھری آنکھوں میں چمک جاتی ہیں راتیں — یا مستیِ صہبائے کہن کھیل رہی ہے
اُٹھتا ہے دھواں سا یہ فضا میں کہ دلوں سے — تیری نگہِ صاعقہ زن کھیل رہی ہے
کیا طور کی چوٹی پہ ہے لرزاں خطِ ارزیں — بل کھائی جبیں پر جو شکن کھیل رہی ہے
ــ سنگم پہ نہانے میں یہ بل کھاتا ہوا جسم — اک موجِ سرِ گنگ و جمن کھیل رہی ہے
ــ رنگین حجابوں میں ہے یہ حُسن کی شوخی — یا ریشمی گھونگھٹ میں دُلہن کھیل رہی ہے

مہکی ہوئی جھلکیں ہیں بدن کی کہ فضا سے
بل کھاتی ہوئی بوئے چمن کھیل رہی ہے

دوشیزہ اداؤں میں شگوفوں کی بہاریں
گلزار سے غنچوں کی پھبن کھیل رہی ہے

یہ مہکی ہوئی چھاؤں نگاہوں کی دلوں پر
غنچوں سے ستاروں کی کرن کھیل رہی ہے

اے نرگسِ رعنا ترے مبہم سے اشارے
عاشق سے تری طرزِ سخن کھیل رہی ہے

لَو دیتا ہے کیا کیا یہ چراغِ تہِ داماں
ملبوس سے رنگینیٔ تن کھیل رہی ہے

لہراتے ہوئے جسم پر اک چھوٹ سی پڑنا
موجوں سے کوئی چندر کرن کھیل رہی ہے

جب دیکھئے تجھ کو ہے یہی قول نظر کا
چہرے پہ ترے پہلی کرن کھیل رہی ہے

یہ رنگِ سخن ہے کہ معطّر ہے سماعت
ہر لفظ میں خوشبوئے دہن کھیل رہی ہے

---

وحشت زدہ ہستی ایسے میں یک گونہ سکوں پا جاتی ہے
جنگل میں ہوائیں چلتے ہی دیوانے کو نیند آجاتی ہے

ویرانوں میں لگ جاتی ہے لیکن یہ راز نہیں کھُلتا
کیوں میری طبیعت پھولے پھلے گلزار میں اُکتا جاتی ہے

ہر چیز لہک سی اٹھتی ہے جیسے اک امرِ غیبی سے
ہر شے رہ رہ کے ان آنکھوں سے گویا نشہ سی پا جاتی ہے

ہستی ہی غم سے عبارت ہے غم کے اسباب نہ پوچھ اے دل
بے وجہ بھی دل بھر آتا ہے آنکھوں میں نمی آجاتی ہے

محویتِ فکرِ سخن میں مجھے اکثر ایسا محسوس ہوا
فطرت کے رُخ سے کوئی اُنگلی چادر سی سرکا جاتی ہے

گُل باری سے گُل باری ہے دامانِ نظر کا کیا کہنا
وہ آنکھ جہاں جُھک جاتی ہے کچھ پھول سے برسا جاتی ہے

جب درد بہت بڑھ جاتا ہے فطرت سے نہیں دیکھا جاتا
پیغامِ اَجل آجاتا ہے بیمار کو نیند آجاتی ہے

مدّت ہوئی ترکِ عشق کئے اب اور زندگی ہے لیکن
اک ہوک جگر میں اُٹھتی ہے اک یاد سی تڑپا جاتی ہے

اللہ رے لہک اللہ رے لچک بل کھائے پیکرِ رنگیں کو
کھاتی ہے پیچ و تاب صبا وہ طرزِ خرام آجاتی ہے

جیسے دم گھٹنے لگتا ہو سینے میں زمان و مکاں کا بھی
پوچھو نہ ہجومِ غمِ فرقت تنہائی گھبرا جاتی ہے

آئینہ بھی اب میری صورت اے دل پہچان نہیں سکتا
وہ آنکھ بھی مجھ کو دیکھ کے اب اکثر دھوکا کھا جاتی ہے

غزلیں کب کہتا ہوں یارو میں غم کو لوریاں دیتا ہوں
کچھ رات رہے سو جاتا ہوں جب غم کو نیند آجاتی ہے

گردوں سے ملائک دیکھتے ہیں وہ شانِ نزولِ خیالوں کی
جب رات کو شاعر کے دل پر اک خاموشی چھا جاتی ہے

اے دوست ادھر مدّت سے گو تجھ سے دور اُفتادہ ہوں
لیکن رہ رہ کے اب بھی ترے دامن کی ہوا آجاتی ہے

میں یہ تو نہیں کہتا کہ بشر دعوائے خدائی کر بیٹھے
پھر بھی غمِ عشق سے انساں میں کچھ شان سی آجاتی ہے

وہ دید و شنید فراق اب تو بس اک افسانہ ہے لیکن
نظروں کو جھلک مل جاتی ہے کانوں میں صدا آجاتی ہے

اے جانِ جہاں دن ڈوبتے ہی جو عالم پر چھا جاتی ہے
افسانہ ترا وہ خاموشی ہر رات کو دُہراتی ہے

جب شکرِ کرم کرنا چاہو اللہ ری تبسم کی شوخی
جب مائل شکوہ ہوتا ہوں وہ آنکھ قسم کھا جاتی ہے

دُنیا والے اسے عشق کہیں یا چاہیں تو کچھ اور کہیں
تن من میں کوئی بے نام ہوا اک آگ سی بھڑکا جاتی ہے

ترکِ مے نوشی کو یوں تو سچ پوچھو تو اک زمانہ ہوا
ان آنکھوں کی یاد اب بھی لے دل کچھ جام چھلکا جاتی ہے

اکثر احباب واعزّا سے جب نااُمید ہو جاتا ہوں
ایسے میں تجھ سے ملنے کی اک رات آڑے آ جاتی ہے

ہم حشر و قیامت کیا جانیں ہم کو تو ہے معلوم اتنا
اک دن گردش کرتے کرتے افلاک کو نیند آ جاتی ہے

کھنڈروں میں زمان و مکاں کے ہم پاتے ہیں محوِ خواب اُنھیں
جاگی ہوئی تہذیبوں کو بھی سنتے کہ نیند آ جاتی ہے

یا اس کو غمِ دوراں مانیں یا لوگ غمِ جاناں سمجھیں
غفلت میں ڈوبی دُنیا کو اک یاد سی تڑپا جاتی ہے

وہ عالمِ فکرِ شعر و سخن یعنی وہ سکوتِ مُترنّم
جس دم شاعر کے تخیّل پر نغموں کی گھٹا چھا جاتی ہے

یہ کیا کم ہے کہ محبت میں جلدی نہ سہی اک مدت میں
کچھ دل کو سکوں آ جاتا ہے کچھ غم کو سمجھ آ جاتی ہے

راتوں کو غزل کہتے کہتے جب مقطع پر آ جاتا ہوں
اشعار آنکھیں جھپکاتے ہیں افکار کو نیند آ جاتی ہے

جب بالکل بھولے رہتے ہیں سب عشق و محبت کے قصے
ان وقتوں میں اے دوست بتا کیوں یاد تری آجاتی ہے

تحقیق سے یہ معلوم ہوا شاید وہ تیری محبت تھی
جو دنیا میں رسوا آئی جو دنیا سے رسوا جاتی ہے

نہ ہم سے پوچھ حُسن و عشق کا رازِ نہاں کیا ہے
بہت نزدیک سے اس زندگی کو ہم نے دیکھا ہے

محبت کا فسانہ کیا محبت کی کہانی کیا
کسی کو ہم نے دیکھا ہے کسی کو ہم نے جانا ہے

یہ کب کی چوٹ دب کر رہ گئی ہے ذرّے ذرّے میں
زمیں کے سینۂ خستہ سے اب تک درد اٹھتا ہے

ہزاروں التجاؤں پر نگاہِ شرمگیں اٹھی
وہ فتنے جاگ اٹھے ہیں اب نہ ہو جائے وہ تھوڑا ہے

ہماری یہ بغاوت اگلے وقتوں والے کیا سمجھیں
ہماری اس بغاوت سے سلف کا نام زندا ہے

اگر ہے زندگی تو ماتمِ ماضی بھی کر لیں گے
جو مرتا ہے یہ دورِ زندگی مرجائے اچھا ہے

کبھی انگڑائیاں بھی لی ہیں خوابیدہ فضاؤں نے
زمیں کو کروٹیں لیتے ہوئے ہم نے بھی دیکھا ہے

کبھی اپنا بھی کوئی جان و ایمانِ محبت تھا
خیال ایسا کچھ آتا ہے گماں ایسا گذرتا ہے

اُمیدِ زندگی رہ جائے خوفِ زندگی ہو کر
یہی ہے زندگی تو جینے والو زندگی کیا ہے

بھری دُنیا میں دم گھٹتا ہے اُف رے دورِ تنہائی
سب اپنے ہیں مگر سچ ہے کسی کا کون ہوتا ہے

ابھی تو انقلابِ دہر کی ہے منزلِ اوّل
ابھی تو دیکھتے جاؤ زمانے کو ابھی کیا ہے

وہ آئے بھی گئے بھی اس کو مدّت ہو گئی لیکن
یہ کانوں میں ابھی تک ہمنشیں آوازِ پا کیا ہے

کسک ہو یا خلش ہو یا تپش ہو درد ہو کچھ ہو
فراقؔ آہٹ نہیں ملتی ہے دل کی ماجرا کیا ہے

بہ فیضِ عشق یہ راز آج آشکارا ہے | شہود و غیب و وجود و عدم ہمارا ہے
وہ موجِ نور ہوں یہ چاند جس کا ایک حباب | وہ آگ جس کا یہ خورشید ایک شرارا ہے
زماں مکاں تو ہیں گرداب و موج کے خم و پیچ | کہیں بھی قلزمِ ہستی ترا کنارا ہے
جو اتنی بات نہ سمجھے تو آہ کیا سمجھے | کہ حُسن و عشق تو اے دوست اک اشارا ہے
اجل تو مفت میں بدنام ہے زمانے میں | اب اُن سے پوچھ جنھیں زندگی نے مارا ہے
ستم تو خیر ستم ہے اُٹھے اُٹھے نہ اُٹھے | یہ سوچتا ہوں کرم بھی ترا گوارا ہے
نہ پوچھ معرکۂ حُسن و عشق کی روداد | دو عالم اُس کے ہیں میدان جس نے ہارا ہے
یہ سوز و سازِ محبت کی آنچ ہے جس نے | تپا تپا کے ترے حُسن کو نکھارا ہے
وہ اپنے دل کی صدا ہو کہ تیری آہٹ ہو | سکوتِ دشت و جبل نے مجھے پکارا ہے
کروں تو کیسے کروں دردِ عشق کا شکوہ | کہ زندگی کو اسی درد نے سنوارا ہے
بچے زمانے کی زد سے تو بس عوام بچے | کہ اب زمانے میں جمشید ہے نہ دارا ہے
ارے بہت ہی روادار ہے یہ مذہبِ عشق | کہو نہ کفر کی ایمان تک گوارا ہے
یہاں ہے شورِ تلاطم سلامتی کا پیام | کہ بحرِ عشق میں منجدھار ہی کنارا ہے

اب ایسے میں بھی کہیں نیک و بد کو دیکھتے ہیں
فراق جو بھی ہے جیسا بھی ہے تمھارا ہے

میں ہوں فقیرِ بے نوا سلطنتِ جہاں نہ دے | اس سے تو اپنے درد کی دولتِ بیکراں نہ دے
حُسن کے اعتدال سے نظمِ جہاں ہے برقرار | گردشِ چشمِ ناز کو گردشِ آسماں نہ دے
اے رگِ جاں سے قریب اس سے تو دوری ہی بھلا | ہجر نصیب عشق کو قربتِ بدگماں نہ دے
خطرہ ہے احمقوں سے بھی خدشہ ہے بے تہوں سے بھی | ایسوں کو اپنے عشق کی کیفیتِ نہاں نہ دے
ہم ہیں کہ شہرۂ زماں پھر بھی سکونِ دل کہاں | نام و نمود کیا کریں ہستیٔ بے نشاں نہ دے

یہ مری کشتیِ حیات یہ مرے دل کی دھڑکنیں   ساحلِ بحر کا سراغ جنبشِ بادباں نہ دے
زندگی دوروزہ سے کرتے ہیں وضع جنتیں   ہم کو بہت ہے یہ جہاں جنتِ جاوداں نہ دے
جس گراں بہا ہے یہ اس کو یہ پیچ کھائیں گے   اہلِ ہوس کو عشق کی دولتِ بیکراں نہ دے
غلغلہ ہائے رنگ و بو دمدمہ ہائے آرزو   اتنے پیام ناگہاں جلوۂ گلستاں نہ دے
آفتِ جاں ہیں ہمنشیں حسن کی نیم ادائیاں   دعوتِ وصل دے نگاہ کھل کے مگر زباں نہ دے
عشق خود اعتماد بھی کچھ نہ جہاں میں کر سکے   اذنِ امید اگر تری نرگسِ مہرباں نہ دے
یوں بھی گزار دیتے ہیں ہنستے ہنساتے زندگی   اہلِ نشاط ہیں یہ لوگ ان کو غمِ نہاں نہ دے
مانگ پناہ حسن کے فتنۂ بے پناہ سے   موت بھی دے نہ وہ نگاہ جاں کی بھی اماں نہ دے
شورِ طرب سے بے نیاز ہے یہ سکونِ خار و خس   بزمِ بہار باغ کو خلوتِ آشیاں نہ دے
تپتی ہوئی فضائے عشق آنکھوں کے پردے پھونک دے   ٹھنڈک اگر نگاہ کو پرتوِ مہوشاں نہ دے
دل کو تری تلاش ہے وادیِ کائنات میں   تجھ کو وہ دے کہاں صدا تجھ کو صدا کہاں نہ دے
قوموں کو جھوٹی زندگی دے کے یہ کس نے چھین لی   جان جسد کو دے مگر قابلِ امتحاں نہ دے
اپنا مزاج کیا کروں اپنی پسند کیا کروں   دشمنِ ہجو گو بھی دے دوست قصیدہ خواں نہ دے
شامِ ابد کے بجم و ماہ تیج میں سو گئے اگر   میرے سکوتِ یاس کو زحمتِ داستاں نہ دے
دن ہے نہ دن نہ رات رات کیا ہو اگر وہ حسن کو   عارضِ مہ چکاں نہ دے خندۂ خور فشاں نہ دے
کوئی تو حسن و عشق میں فرق رہے چمن کو تو   نرگسِ نیم باز دے دیدۂ خونچکاں نہ دے
ظرفِ پیالہ نوش کو دیکھ کے بادہ دیتے ہیں   غیر کو یہ مذاقِ عشق یہ غمِ شادماں نہ دے
سوچ لے اے نگاہِ لطف شدّتِ صدمۂ نشاط   اتنے پیامِ سرخوشی دے بھی تو ناگہاں نہ دے
ساری دو رنگیاں قبول عالمِ رنگ رنگ کی   فتنۂ دشمناں کو آہ شیوۂ دوستاں نہ دے
کون سی وادیوں میں آہ کھو گئیں ملتیں قدیم   کوئی صدا نہ دے جرس گرد بھی کارواں نہ دے
کیسے کٹے یہ ساقیا مے کدۂ جہاں کی رات   رندوں کو سوز و ساز اگر شعلۂ ارغواں نہ دے
جنتِ صوفیا نثار دہر کی مشتِ خاک پر   عارضِ ارضِ پاک کو دعوتِ لامکاں نہ دے

شعلۂ نورِ محض کو چھو نہ سکے گی تیرگی
دل کا کنول ہو وہ کنول بجھ کے بھی جو دھواں نہ دے

خالقِ حسن ہوشیار ایک جہاں نہ ہوشکار
اُسکی جبیں کے ہاتھ میں ابروؤں کی کماں نہ دے

جنّتِ وعدہ کے نثار موت ہے دورِ روزگار
مانگ رہا ہوں زندگی طفل تسلیاں نہ دے

خود سے نہ مل سکوں کبھی خود کو نہ پا سکوں کہیں
مجھ کو اگر مرا پتہ عشوۂ دلبراں نہ دے

تیرگیٔ فراقؔ کو شمعیں نہ کر سکیں گی گم
غم کی اندھیری رات کو اشکوں کی کہکشاں نہ دے

جو بات ہے حد سے بڑھ گئی ہے
واعظ کے بھی کتنی چڑھ گئی ہے

ہم تو یہ کہیں گے تیری شوخی
دبنے سے کچھ اور کڑھ گئی ہے

ہر شے بہ نسیم لمس نازک
برگِ گُلِ تر سے بڑھ گئی ہے

اب مُفت نہ دیں گے دل ہم اپنا
ہر چیز کی قدر بڑھ گئی ہے

جب جب وہ نظر اُٹھی مرے سر
لاکھوں الزام مڑھ گئی ہے

تجھ پر جو پڑی ہے اتفاقاً
ہر آنکھ درود پڑھ گئی ہے

سُنتے ہیں کہ پیچ و خم نکل کر
اس زلف کی رات بڑھ گئی ہے

جب جب آیا ہے نام میرا
اس کی تیوری سی چڑھ گئی ہے

جب مجھ سے ملی فراقؔ وہ آنکھ
ہر بار اک بات گڑھ گئی ہے

ہر ذرّہ پر اب کیفیتِ نیم شبی ہے
اے ساقیِ دوراں یہ گناہوں کی گھڑی ہے

معلوم ہے سیرابیٔ سرچشمۂ حیواں
بس تشنہ لبی، تشنہ لبی، تشنہ لبی ہے

ہے رنگ بھی دوشیزہ تو ہے بُو بھی کنواری
سرتا بقدم وہ کوئی ناچیدہ کلی ہے

یہ سوچ رہے ہیں کہ کہاں آ گئے ہم لوگ
اے دوست غریبوں کی غریب الوطنی ہے

آئی ہوئی انگڑائی کی تصویر فضا تھی
ساقی ترے میخانے میں جب صبح ہوئی ہے

وہ رنگ ہو یا بُو ہو کہ وہ بادِ صبا ہو
اے باغِ جہاں جو بھی یہاں ہے سفری ہے

اُس زلفِ سیہ نے مری ہر شام چُرا لی
زیرِ گُلِ عارض مری ہر صبح چھپی ہے

تاروں کو، فضاؤں کو، ہواؤں کو سُلا کر
اے رات کوئی آنکھ ابھی جاگ رہی ہے

جاؤ نہ تم اس گُم شدگی پر کہ ہمارے
ہر خواب سے اک عہد کی بنیاد پڑی ہے

ہم لوگ ترا ذکر ابھی کر ہی رہے تھے
اے کاکلِ شبرنگ تری عمر بڑی ہے

جاگے ہیں فراقؔ آج غمِ ہجر میں تا صبح
آہستہ سے آ جاؤ ابھی آنکھ لگی ہے

---

اُس زلف کی یاد جب آنے لگی
اک ناگن سی لہرانے لگی

جب ذکر مرا محفل میں چھڑا
کیوں آنکھ تری شرمانے لگی

کیا موجِ صبا تھی میری نظر
کیوں زُلف تری بل کھانے لگی

محفل تری ایک ایک ادا
کچھ ساغر سے چھلکانے لگی

کچھ نشّہ مجھے بہکانے لگا
کچھ تیری نظر بہکانے لگی

یارب یہ چل گئی کیسی ہوا
کیوں دل کی کلی مُرجھانے لگی

شامِ وعدہ کچھ رات گئے
تاروں کو تری یاد آنے لگی

سازوں نے آنکھیں جھپکائیں
نغموں کو مرے نیند آنے لگی

جب راہِ زندگی کاٹ چکے
ہر منزل کی یاد آنے لگی

کیا اُن زلفوں کو دیکھ لیا
کیوں موجِ صبا تھرّانے لگی

کیوں بیٹھے بٹھائے یاد تری ترسانے لگی تڑپانے لگی
تارے ٹوٹے یا آنکھ کوئی اشکوں کے گہر برسانے لگی
تہذیب اُڑی ہے دھواں بن کر صدیوں کی سعی ٹھکانے لگی
کوچہ کوچہ رفتہ رفتہ وہ چال قیامت ڈھانے لگی
کیا بات ہوئی، یہ آنکھ تری کیوں لاکھوں قسمیں کھانے لگی
اب میری نگاہِ شوق ترے رخساروں کے پھول کھلانے لگی
پھر رات گئے بزمِ انجم روداد تری دہرانے لگی
پھر یاد تری ہر سینے کے گلزاروں کو مہکانے لگی
بے گور و کفن جنگل میں یہ لاش دیوانے کی خاک اُڑانے لگی
وہ صبح کی دیوی زیرِ شفق گھونگھٹ سی ذرا سرکانے لگی
اُس وقت فراقؔ ہوئی یہ غزل
جب تاروں کو نیند آنے لگی

اے دوست تری راہوں کے قریں اس کو بھی بھٹکتے پایا ہے
وہ میری شبِ ہجراں جس کی آنکھوں میں اندھیرا چھایا ہے
بس یہ کہنے پر یاروں نے بے دیں مجھے ٹھہرایا ہے
سب عین حقیقت ہے لیکن یہ بھی سچ ہے سب مایا ہے
خیر و شر و ظلمت و نور کے ربط اے دوست سمجھ مجھ کافر سے
حق تو یہ ہے نورِ حق پر بھی شیطاں کے پروں کا سایا ہے
تو نے رگِ جاں سے قریں ہو کے کیوں شوخیٔ پنہاں سے مجھ کو
شہروں شہروں بھٹکایا ہے ملکوں ملکوں بھرمایا ہے

فطرت سوتی ہے کھڑکتا ہے پتّا بھی نہیں اس عالم میں
یہ رات اندھیری ایسے میں کس شوخ نے دردھڑکایا ہے

کل مجھ میں اور میرے دل میں تا دیر رہی سرگوشی سی
کچھ میں نے اُسے سمجھایا ہے کچھ اُس نے مجھے سمجھایا ہے

تنہائی کی راتوں نے اکثر مجھ کو ملوایا ہے مجھ سے
اُس وقت یہ سمجھا میں کیا ہوں جب ہجر میں جی گبرایا ہے

میرے اظہارِ تمنّا پر کیا تھا ارشاد زیرِ لبی
کچھ میں نے گذارش کی ہے ابھی کچھ آپ نے بھی فرمایا ہے

یوں زیرِ شفق پَو پھوٹی ہے انفاس سحر کے جُھرمٹ میں
جیسے کسی شاہدِ رعنا نے گھونگھٹ سا ذرا سرکایا ہے

زندگی میں خوشی نہ دور نہ پاس
وصل کی رات اور اتنی اُداس

دلِ اُمیدوار بات تو سُن
اُن کا ملنا نہیں قرینِ قیاس

سانس لینے میں درد ہوتا ہے
زندگی کی ہوا کب آئے راس

آج کی رات سازِ درد نہ چھیڑ[1]
کر مغنّی ہمارے غم کا پاس

ہر لیا ہے کسی نے سیتا کو
زندگی ہے کہ رام کا بن باس

خاطرِ عشق کیا شگفتہ ہو
آج میں بھی اُداس تم بھی اُداس

ڈھونڈتا ہے مشامِ شاعر کا
خندۂ گُل میں درد کی بوباس

بے خطر ہے ازل سے کوچۂ غم
تو گزر اس طرف سے بے اَسواس[2]

---

[1] اس مصرع کو یوں بھی پڑھ لیجئے۔ ع آج کی شب نہ چھیڑ سازِ طرب - فراق
[2] اصل لفظ 'وسواس' ہے۔ ہماری طرف 'اسواس' بولتے ہیں۔ فراق

خاکدانِ جہاں کو ہیچ نہ جان — ذرّہ ذرّہ ہے صاحبِ احساس
دو جہاں میں کہاں کہاں لے جائے — زندگی کو پیا ملن کی آس
یہ دھڑکتا ہوا دلِ کونین — کہہ رہا ہے تموّجِ انفاس
آئے سو دن قیامتیں ٹوٹیں — کتنی گہری ہے زندگی کی اساس
علم کچھ ثانوی حقائق اور — کائناتِ شعور چند قیاس
ہیں دو عالم کے رازداں یوں تو — اہلِ غم کے بجا نہیں ہیں حواس
آج ہے کچھ بجھی بجھی سی بہار — آج گلشن بھی ہے اُداس اُداس
رسمساتے ہوئے لبِ جاں بخش — دے اجازت کہ میں بجھا لوں پیاس
زندگی کے سنوارنے والو — کر دیا زندگی کا ستیاناس
دولتِ شاعری لٹائے گا — سوز و سازِ نہاں کا یہ افلاس
جانے کیا ڈر سما گیا دل میں — زندگی کو ہے زندگی سے ہراس
کس لیے کھائیں سرخوشی کے فریب — یہی کیا کم ہے ہو سکیں کچھ اُداس

یاد کر کچھ فراقؔ کے آنسو
آہ وہ یادگارِ شکر و سپاس

زندگی یادوں سے تیری بھیگ جاتی ہے پلک
ساتھ تو نے ہی دیا ہے بے کسی کی موت تک
سرحدِ ادراک گردِ راہ بن کر اُڑ گئی
وحشیوں سے پوچھیے، دل کی ہواؤں کی سنک
دل وطن سے دور کہتے ہو کہیں مارا گیا
ہاں مرے کانوں میں بھی یا رو پڑی تھی کچھ بھنک

گر بہارِ ہشت جنّت دیکھنا منظور ہو
دیکھ میرے دل میں رنگا رنگ جلوؤں کی جھمک

لوگ پاتے ہیں مرے اشعار میں کیا کیا مزے
کیوں نہ ہو تیرے سلونے پن کا ہے ان میں نمک

پختگی سے بڑھ کے کوئی شے دو عالم میں نہیں
اے غمِ جاناں خود اپنی آنچ میں کچھ اور پک

کیا فسردہ غنچۂ دل تو کھلائے گا کبھی
اے کہ با اک اک ادا سو سو بہاروں کی لہک

مُدّعی بندہ اَچھّی بات تو کہتا نہیں
کچھ جواباً عرض کر دے گا تو جائے گی چپک

خضر خود کھو جائیں تجھ کو ڈھونڈھنے نکلیں اگر
اے دلِ آوارہ تو ایسا بہک، اتنا بہک

پیکرِ سرشار میں موجِ مئے سرجوشِ حُسن
اُف وہ پیمانہ جو بے چھلکائے جاتا ہے چھلک

اب نگاہِ ناز کچھ مانوس مجھ سے ہو چلی
اک ذرا باقی ہے جو وہ بھی نکل جائے جھجھک

واہ ری شیخی زمیں پر پاؤں پڑتے ہی نہیں
شیخ جی کی چال دیکھو کیا مٹک ہے کیا ٹھمک

تجھ سے اے دل کہہ چکا میں کتنا نازک وقت ہے
یار کچھ کہہ کے دکھا، ایسے میں میرا مُنہ نہ تک

چال اس سروِ رواں کی دیکھنے کی چیز ہے
شاخِ گل میں بھی نظر آئے نہ شاید یہ لچک

دوستو اب تو نہیں دل میں مرے پہلا سا درد
گاہ گاہ اب بھی مگر محسوس ہوتی ہے ٹپک
کانپ کانپ اُٹھے مری آواز کے پردے **فراق** ۔
کس کے نغموں میں ہے ایسی تھرتھری ایسی کسک

بڑا کرم ہے یہ مجھ پر ابھی یہاں سے نہ جاؤ
بہت اُداس ہے یہ گھر ابھی یہاں سے نہ جاؤ

تم آ گئے تو شبِ غم کے بجھ سے گئے آنسو
یہاں نہ تھا کوئی دن بھر ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ابھی تو آئے ہو دیکھا نہیں ہے جی بھر کے
یہ آرزو ہے کہ اُٹھ کر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ہوئے ہو مجھ سے جُدا جب کوئی توقع سے
سنبھل گیا ہوں میں اکثر ابھی یہاں سے نہ جاؤ

دھواں دھواں سی یہ شامِ الم۔ فضاؤں کے
بُجھے بُجھے سے یہ تیور، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ہماری آنکھوں سے چُن لو کہ پھر کسی دامن
نہ مل سکیں گے یہ گوہر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

وہ آرزوئیں جو وابستہ تم سے ہیں ان کو
چلے ہو چھوڑ کے کس پر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

وفورِ غم سے جنھیں نیند آ گئی تھی کبھی
وہ یاد یں جاگ اُٹھیں سو کر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

بساؤ اور بساؤ مشامِ غم کو ابھی
یہ رنگ و بوئے گُلِ تر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

یہ معجزات کہاں دیکھنے میں آتے ہیں
نثارِ چشمِ فسوں گر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

رُکے رہو نگہِ نیم وا سے کچھ میں بھی
بنا لوں اپنا مقدر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

تمھارے پاس یہ اندازہ ہو رہا ہے مجھے
کہ میرا حال ہے بہتر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ابھی تو سوئے چراغوں نے آنکھ کھولی ہے
ابھی تو جاگتے ہیں گھر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ہر ایک حسرتِ دل چاہتی ہے یہ کہنا
کہ بیٹھو میرے برابر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

بہت دنوں کے پیامِ خلوصِ باطن ہیں
شکایتوں کے یہ دفتر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

یہ وقتِ شام یہ درماندگی۔ یہ سنّاٹا
یہ ظلمتوں کے سمندر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

رُکو رُکو کہ پڑی ہے ابھی تو رات تمام
بہت اُداس ہے منظر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

تمھاری یاد جب آئے گی بعدِ رُخصت کے
چلیں گے سینے میں نشتر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

پس غروب ہی اے دوست میری تنہائی
لگانے آئے گی بستر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

کہاں وہ شہرِ نگاراں کہاں یہ دارِ محن
اب اتنی دور سے آکر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

یہ دل چراغ جلے سے تمہیں جہاں بھی رہو
پکارتا ہے یہ کہہ کر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ابھی درختوں کے جھرمٹ پہ پڑنے والی ہے
کمندِ ماہِ منوّر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

نگاہِ ساقیِ شب سے جو ہاتھ آئے ہیں
کھنک رہے ہیں وہ ساغر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

یہ کیفِ شب یہ دھندلکے یہ مہکی مہکی ہوائیں
یہ سب ہیں تم پہ نچھاور، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ابھی تقاطرِ شبنم سے ظلمتِ شب کی
کچھ اور بھیگ لے چادر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ہماری رات چلی جائے گی تمھارے ساتھ
ہماری رات کو لے کر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

بہت دُکھے مری خاطر یہ سوچتا ہوں کہ اب
کہوں میں تم سے یہ کیونکر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

یہ تیرگی یہ غزل آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی
یہ ہے فراق سراسر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

ہر اک ہستی کچھ لمحوں کو اپنے غم میں کھو جاتی ہے
ہر روز تھکی ہاری دُنیا کچھ رات گئے سو جاتی ہے
کچھ رُک رُک کے کچھ ڈر ڈر کے جو عرضِ وفا کی جرأت کی
اتنا بھی نہ جی میں مانو برا انساں سے خطا ہو جاتی ہے
نمناک فضا کے آئینے میں ہر صبح کو یہ محسوس ہوا!
اک آنسوؤں کی چادر جیسے ہر منظر کو دھو جاتی ہے!

صدیاں گذریں جُگ بیت گئے رہِ عشق میں بڑھتے جاتے ہیں
کچھ اہلِ کارواں پر نہ کھُلا یہ راہ کہاں کو جاتی ہے
آواز آتی ہے سِسکنے کی سنّاٹے میں دھیمی دھیمی
راتوں کو سرِ بالیں میرے غم کی دیوی رو جاتی ہے
اشعار میں جو تم دیکھتے ہو کچھ کھلتی ہوئی نورس کلیاں
غزلوں کی زمیں میں آنکھ مری کچھ قطرۂ خوں بو جاتی ہے
دُنیا کے مسائل پر یا رو کچھ باتیں میں بھی کہتا ہوں
اس شورشِ عالم میں لیکن آواز مری کھو جاتی ہے
پلکیں بھاری، السائی نظر اُف رے نیند آنے کا عالم
آنکھوں کے کنول میں رات گئے اک چندر کرن سو جاتی ہے
اک حشر بپا ہو جاتا ہے، دل ہاتھوں اُچھلنے لگتے ہیں
محفل میں تری اک نیم نگہ کیا جانئے کیا ہو جاتی ہے
اللہ ری نیم نگاہِ کرم اللہ ری شوخئ پُرسشِ غم
کچھ درد تو کم ہو جاتا ہے تکلیف سِوا ہو جاتی ہے
اس وقت مجھے مل جاتی ہے تری نظروں سے دادِ سخن
بھیگی پلکوں کے سائے میں جب میری غزل سو جاتی ہے
یہ حشر قیامت کیا جانیں ہم کو تو ہے بس معلوم اتنا
اک دن آغوشِ ہستی میں رہتی دُنیا سو جاتی ہے
کیا چنگ و رُباب کے نغموں سے اِک کشتۂ غم کی یاد آئی
رہ رہ کے نگاہِ ناز تری سرِ بزمِ طرب کھو جاتی ہے
ان زلفوں کے سائے میں سکوں پا جاتی ہے میری طبع رواں
جیسے دمِ نیم شبی گنگا کروٹ لے کے سو جاتی ہے

کچھ چلتے پھرتے سائے سے زندانِ بلا سے نکلے ہیں
تیرے ہی قیدی ہیں صورت کچھ پہچانی تو جاتی ہے
تاریخِ جہاں کا ہر جلوہ اک رقصِ شرر اک برقِ نظر
جب شمعِ عمل بجھ جاتی ہے تقدیرِ ملل سو جاتی ہے
تہذیب و تمدن کے جو چمن ہر دَور میں کھلتے رہتے ہیں
شاعر کی فکر ضمیروں میں کچھ خوابوں کو بو جاتی ہے
وہ آنچ فراق کبھی یوں ہی ملتی ہے مجھ سے بہت بچ کر
لیکن یہ کھلتا کیونکر دنیا کو خبر ہو جاتی ہے

جب دھیان ترا آجاتا ہے اے رشکِ چمن رہتی دنیا
حیرت کدہ رنگ و بو میں کیا جانے کہاں کھو جاتی ہے
تجھ کو اپنی آنکھوں کی قسم آئینہ ذرا کم دیکھا کر
سنتے ہیں حسن کو ایسے میں خود اپنی نظر ہو جاتی ہے
افلاک اُسے لے کر جو چلیں دو گام میں سانس اُکھڑ جائے
بے تاب و تواں سانسِ آدم جو بارِ الم ڈھو جاتی ہے
تیرے غم میں رو تے روتے رخسارِ فضا پر تاروں کے
جب اشک خشک ہو جاتے ہیں دنیا میں سحر ہو جاتی ہے

یہ سرمئی فضاؤں کی کچھ کُنمناہٹیں — ملتی ہیں مجھ کو پچھلے پہر تیری آہٹیں
اس کائناتِ غم کی فسردہ فضاؤں میں — بکھرا گئے ہیں آ کے وہ کچھ مسکراہٹیں
اے جسمِ نازنینِ نگار نظر نواز — صبحِ شبِ وصال تری ملگجاہٹیں
پڑتی ہے آسمانِ محبت پہ چھوٹ سی — بل بے جبینِ ناز تری جگمگاہٹیں
چلتی ہے جب نسیمِ خیالِ خرامِ ناز — سنتا ہوں دامنوں کی ترے سرسراہٹیں
چشمِ سیہ تبسّمِ پنہاں لئے ہوئے — پَو پھوٹنے سے قبل اُفق کی اداہٹیں
جنبش میں جیسے شاخ ہو گلہائے نغز کی — اک پیکرِ جمیل کی یہ لہلہاہٹیں
جھونکوں کی نذر ہے چمنِ انتظارِ دوست — بادِ اُمید و بیم کی یہ سنسناہٹیں
ہو سامنا اگر تو خجل ہو نگاہِ برق — دیکھی ہیں عضو عضو میں وہ اچپلاہٹیں
کس دیس کو سدھار گئیں اے جمالِ یار — رنگیں لبوں پہ کھیل کے کچھ مسکراہٹیں
رُخسار ترے تازہ ہو باغِ عدن کی یاد — اور اس کی پہلی صبح کی وہ رسمساہٹیں
سازِ جمال کی یہ نواہائے سرمدی — جو بن تو وہ فرشتے سنیں گنگناہٹیں
آزردگیِ حسن بھی کس درجہ شوخ ہے — اشکوں میں تیرتی ہوئی کچھ مسکراہٹیں
ہونے لگا ہوں خود سے قریں اے شبِ الم — میں پا رہا ہوں ہجر میں کچھ اپنی آہٹیں

میری غزل کی جان سمجھنا اُنھیں فراقؔ
شمعِ خیالِ یار کی یہ تھرتھراہٹیں

•

بے ٹھکانے ہے دلِ غمگیں ٹھکانے کی کہو — شامِ ہجراں دوستو کچھ اُس کے آنے کی کہو
ہاں نہ پوچھو اک گرفتارِ قفس کی زندگی — ہم صفیرانِ چمن کچھ آشیانے کی کہو
اُڑ گیا ہے منزلِ دشوار میں غم کا سمند — گیسوئے پُر پیچ و خم کے تازیانے کی کہو
بات بنتی اور باتوں سے نظر آتی نہیں — اس نگاہِ ناز کے باتیں بنانے کی کہو

داستاں وہ تھی جسے دل بجھتے بجھتے کہہ گیا — شمعِ بزمِ زندگی کے جھلملانے کی کہو
کچھ دلِ مرحوم کی باتیں کرو اے اہلِ غم — جس سے ویرانے تھے آباد اُس دیوانے کی کہو
داستانِ زندگی بھی کس قدر دلچسپ ہے — جو ازل سے چھڑ گیا ہے اس فسانے کی کہو
یہ فسونِ نیم شب یہ خواب ساماں خامشی — سامری فن آنکھ کے جادو جگانے کی کہو
کوئی کیا کھائے گا یوں سچی قسم جھوٹی قسم — اس نگاہِ ناز کے سوگند کھانے کی کہو

شام ہی سے گوش بر آواز ہے بزمِ سخن
کچھ فراقؔ اپنی سناؤ کچھ زمانے کی کہو

نگاہوں میں وہ حل کئی مسائل حیات کے — وہ گیسوؤں میں پیچ و خم کئی معاملات کے
ہماری انگلیوں میں دھڑکنیں ہیں سازِ دہر کی — ہم اہلِ راز پا رکھی ہیں نبض کائنات کے
ہے آب و گل میں شعلہ زن بس ایک سازِ سرمدی — حجابِ دہر پردے ہیں ترنمِ حیات کے
یہ قشقۂ سرِ رخ رو کشِ چراغِ طور ہے — جبینِ کفر سے عیاں رموزِ الٰہیات کے
اساتذہ کے بس کے جو تھے سب مجھے سکھا دیے — سکوتِ سرمدی نے وہ نکاتِ شعریات کے
نظر جو صاف آرہے ہیں خانہ ہائے بے خطر — وہی بساطِ گنجفہ میں ہیں مقام مات کے
ہزار ہا اشارے پائیں گے تلاش شرط ہے — قدیم فکریات میں جدید فکریات کے
نجات کے لیے نہ انتظارِ مرگ و حشر کر — کہ قیدو بندِ زندگی میں راز ہیں نجات کے
یہ صف بہ صف مناظرِ زمانہ دیکھ غور سے — ہیں آئینہ در آئینہ سبق تجربات کے
جماہیاں سی لے رہے ہیں آسمان پر نجوم — سنا رہی ہے زندگی فسانے کٹتی رات کے
کہاں سے ہاتھ لائیے انھیں اٹھانے کے لیے — حجاب در حجاب جلوے ہیں تعینات کے
کتاب میں یہ درسیات ڈھونڈنا فضول ہے — ان انکھڑیوں سے سیکھ کچھ رموز کفریات کے
انھی میں اپنے خط و خال دیکھتی ہے زندگی — یہ آب و تاب شعر ہیں کہ آئینے حیات کے

تمام عمر عشق کا جو راز ڈھونڈتے رہے
یہ اہلِ رسم ہو رہے اسی تکلفات کے

قلم کی چند جنبشوں سے اور میں نے کیا کیا
یہی کہ کھل گئے ہیں کچھ رموز سو حیات کے

اُفق سے تا اُفق یہ کائنات محو خواب تھی
نہ پوچھ دے گئے ہیں کیا مجھے وہ لمحے رات کے

نماز شاعری ہے اور امامِ فن فراقؔ ہے
رکوع اور سجود زیر و بم ہیں صوتیات کے

---

وعدے کی رات مرحبا آمدِ یار مہرباں
زلفِ سیاہ شب فشاں، عارضِ نازمہ چکاں

برقِ جمال میں تری خفتہ سکون بے کراں
اور مرا دل تپاں آج بھی ہے تپاں تپاں

نام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اُداس اُداس
یاد سی آ کے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں

ھیڑ کے داستانِ غم اہلِ وطن کے درمیاں
ہم ابھی بیچ ہی میں تھے اور بدل گئی زباں

پنی غزل میں، ہم جسے کہتے رہے ہیں باربار
وہ تری داستاں کہاں وہ تو ہے زیبِ داستاں

لوئی نہ کوئی بات ہے اُس کے سکوتِ یاس میں
بھول گیا ہے سب گلے آج تو عشقِ بدگماں

ات کمال کر گئیں عالمِ کرب و درد میں
دل کو مرے سُلا گئیں تیری نظر کی لوریاں

رحدِ غیب تک تجھے صاف ملیں گے نقشِ پا
پوچھ نہ یہ پھرا ہوں میں تیرے لئے کہاں کہاں

ہتے ہیں میری موت پر اس کو بھی چھین ہی لیا
عشق کو مدتوں کے بعد ایک ملا تھا ترجماں

نگ جما کے اُٹھ گئی کتنے تمدنوں کی بزم
یاد نہیں زمین کو بھول چکا ہے آسماں

ارضیت کا سوز بھی دیکھ تو سوزِ عارضی
بیتے ہوئے جگوں سے پوچھ کس کو ثبات ہے یہاں

لوئی نہیں جو ساتھ دے تیری حریمِ راز تک
بکھرے ہوئے مہ و نجوم دیتے ہیں سب ترا نشاں

ں کو بھی دیکھئے وہی بزم میں ہے غزل سرا
چھڑ گئی داستانِ دل پھر بحدیثِ دیگراں

بت گئے ہیں لاکھ جگ سوئے وطن چلے ہوئے
پہنچی ہے آدمی کی ذات، چار قدم کشاں کشاں

ؤں سے فرقِ ناز تک برق تبسم نشاط
حسن چمن فروش کو دیکھ جہاں سے گلستاں

دادِ سخنوری ملی ابروئے ناز اُٹھ گئے
ہے وہی داستانِ دل حُسن بھی کہہ اُٹھے کہ ہاں

جیسے کھلا ہوا گلاب چاند کے پاس لہلہائے
رات وہ دستِ نازمیں جام نشاطِ ارغواں

رازِ وجود کچھ نہ پوچھ صبحِ ازل سے آج تک
کتنے یقین چل بسے کتنے گزر گئے گماں

نرگسِ ناز مرحبا زد میں ہے جس کی کائنات
چُٹکی میں ناوکِ نگاہ کھنچتی بھویں کماں کماں

تجھ سے یہی کہیں گی کیا گذری ہے مجھ پہ رات بھر
جو مری آستیں پہ ہیں تیرے غموں کی سُرخیاں

حُسن ازل کی جلوہ گاہ آئینۂ سکوتِ راز
دیکھ تو ہے عیاں عیاں پوچھ تو ہے نہاں نہاں

دور بہت زمین سے پہنچی ہے اک کرن کی چوٹ
نیم تبسم خفی ، رہ گئیں رِس کے بجلیاں

کتنے تصوّرات کے ، کتنے ہی واردات کے
لعل و گہر لُٹا گیا دل ہے کہ گنجِ شائیگاں

سینوں میں درد بھر دیا چھیڑ کے داستانِ حُسن
آج تو کام کر گئی عشق کی عمرِ رائیگاں

آہ فریبِ رنگ و بو اپنی شکست آپ ہے
بعد نظارۂ بہار بڑھ گئیں اور اُداسیاں

اے مری شامِ انتظار کون آ گیا لئے
زلفوں میں ایک شبِ دراز آنکھوں میں کچھ کہانیاں

مجھ کو فراقؔ یاد ہے پیکرِ رنگ و بوئے دوست
پاؤں سے تا جبینِ ناز مہر فشاں و مہ چکاں

ایک ایک یادِ عمر کا حاصل کہیں جسے
وہ خلوتِ خیال کہ محفل کہیں جسے

تابندگی فکر کے اس آئینہ میں دیکھ
اپنا جمال تیرا مقابل کہیں جسے

ملتی ہو تو خرید دو عالم کو بیچ کر
وہ کائنات دردِ نہاں دل کہیں جسے

ہم بحرِ عشق تیر تو جائیں مگر نہیں
ایسا کوئی کنارہ کہ ساحل کہیں جسے

لہرا رہی ہیں گردشِ خوں میں حقیقتیں
وہ کون زندگی ہے کہ باطل کہیں جسے

آتا ہے کون جانبِ گلزار دوش پر
وہ زلف حلقہ حلقہ سلاسل کہیں جسے

اکثر ملا ہے مجھ کو سرِ منزلِ حیات
تیرا خیال راہ میں حائل کہیں جسے

پہنائے دو جہاں میں کہاں ہے ترے سوا — اے دل کوئی مقام کہ منزل کہیں جسے
ہیں اہلِ حُسن زیبِ کمر دشنہ دو دم — اتنا نہیں ہے کوئی کہ قاتل کہیں جسے
لطفِ بیاں سکوت میں بھی، نطق تو وہ ہو — تیری نگاہِ ناز کا قائل کہیں جسے
اے سوزِ ساز غم وہ زر داغِ دل لٹائیں — ہاں اس عیارِ ناز کے قابل کہیں جسے
ہوں بے نیازِ غم مگر اس دل کو کیا کروں — سارے جہاں کے درد میں شامل کہیں جسے
واعظ نے علم کو بھی کھڑا سر کے بل کیا — ایسا پڑھا لکھا ہی کہ جاہل کہیں جسے
دھوکا نہ دے تجھے مری درماندگی کہیں — میں وہ شکستہ پا ہوں کہ منزل کہیں جسے
جذبِ جہاں کی رُو سے توجہ تو بس وہ ہو — خالِ رخِ صبیح پہ مائل کہیں جسے
وہ اک خیال کاش کہ لفظوں میں ڈھل سکے — سنجیدگی کی فکر کا حاصل کہیں جسے
گلزار میں ہزار زباں سے ہے نغمہ زن — میرا سکوت شورِ عنادل کہیں جسے
تحسینِ اہلِ فن کے لئے کر رہا ہوں پیش — آساں حدیثِ عشق کہ مشکل کہیں جسے
دیکھیں گے اس غزل میں دھڑکتا ہوا وہ دل — رعنائیِ خیال کا بسمل کہیں جسے

میری نوا ہے ماتمِ یک شہرِ آرزو
یعنی فراق اہلِ جہاں دل کہیں جسے

بزمِ ساقی سے اُٹھا ہے کوئی دن رات رہے — یا بدستِ دگرے دست بدستِ دگرے
ڈال کر سمتِ وطن ایک اُچٹتی سی نگاہ — ہم سوئے دشتِ جنوں لے کے ترا نام چلے
اکثر اس عالمِ بے نام کی یاد آتی ہے — جس سے مل جاتے ہیں دُنیائے محبت کے سرے
اُف حجاباتِ دو عالم کہ پہنچتے نہیں ہاتھ — پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے
کار و بارِ دلِ عشاق عجب دھندا ہے — جس قدر فائدہ ہو اتنے ہی گھاٹے میں رہے
کسی گونگے کا ہے سپنا تو سبھا بہروں کی — عشق وہ قصہ جسے کون کہے کون سُنے

اس شہادت گہِ مستی میں جو ڈر ڈر کے جئیں — زندگی دور رہی موت بھی پلٹے نہ پڑے
اس نئے دور محبت کے تقاضے ہیں کچھ اور — کیوں کوئی ہوش گہِ عشق میں دیوانے بنے
چشمِ حیراں نے طلسماتِ جہاں دیکھ لیا — آج کیا کیا تری نظروں نے دیئے ہیں دھوکے
داستاں عشق کی دُہرا گئی تاروں بھری رات — کتنی یادوں کے چراغ آج جلے اور بجھے
نہ ملی پر نہ ملی کفر کی منزل اے وائے — خود کو کرتے رہے گمراہ خدا کے بندے
یہی رندوں کی دعا ہے سرِ میخانہ ترا — ساقیا جام چلے کام چلے نام چلے
موجزن کوثر و تسنیم تری زلفوں میں — جنتیں مجھ کو ملی ہیں ترے قدموں کے تلے
دولتِ درد بڑی چیز ہے اے عشق پڑا — قرعۂ فال ترے نام خدا جس کو دے
غمِ تصویر بھی دیکھا ہے قدِ رعنا کو — کچھ وہ پلکوں میں نمی سرد نفس، بال کھلے
ارجن و رستم و چنگیز کی ہمت نہ پڑی — کام وہ عشق نے انجام دیئے زندہ رہے
مجھ سے بالشتیے بڑھ جائیں گے اللہ رے زعم — کس پہاڑ کو یہ سر کرنے چلے ہیں بونے
کون کہتا ہے ہر اک سے نہ ملے رات تری — نگہِ ناز مری سمت بھی گاہے گاہے
ہم تو یہ کہتے ہیں گو روتی ہے دنیا اُن کو — مر گئے جو ترے بیمار فراق اچھے رہے
عمر آوارگیٔ عشق میں جب ختم ہوئی — جا کے اس وقت کھلا ہم کہیں آئے نہ گئے
اُف وہ اک بات جسے کہہ نہ سکوں تیرے حضور — آہ وہ ایک قسم مجھ سے جو کھائے نہ بنے
دیکھنے کی ہے یہ مجبوری عشقِ نادم — کس طرح اپنے پسینے میں کوئی ڈوب مرے
اُس نے کی پرسشِ حالات تو منہ پھیر لیا — دلِ غمگیں کے یہ انداز خدا خیر کرے
آہ ان جلووں کے ہوتے ہوئے قائم ہیں حواس — ہم تری انجمنِ ناز کے قابل نہ رہے

دوست کی یاد میں رونے کے تم اوقاتِ فراق
مجھ سے جو پوچھتے ہو — رات گئے رات گئے

نالا ہے جو ہوں ہاں کر کے انہیں سمجھیں نہ یہ مَیں ناشکرا ہوں
احباب کا سمجھانا برحق خود اپنے غم کو سمجھتا ہوں

جو ہنسنے کھیلنے میں بھی مرے حسرت سے جھلک جاتی ہے ذرا
اس رنگا رنگ زندگی میں، میں کوئی کمی سی پاتا ہوں

اُفتادِ عشق کے ماروں سے اتنا بھی کہاں کرتا ہے کوئی
اس پُرسشِ غم کے صدقے جس حال میں بھی ہوں اچھا ہوں

تاثیر سے سوزِ نہاں کے خط و خال و مکتے جاتے ہیں
یہ راز آئینے سے پنہاں ہے میں پردۂ غم میں سنورتا ہوں

رہتی دُنیا کی ہر ایک جھلک کچھ مجھ سے اشارے کرتی ہے
خود مجھ پر بھی یہ نہیں کھلتا میں کن آنکھوں کا مارا ہوں

اک بار خدا بھی انہیں دیکھے تو درد سے وہ بھی چیخ اُٹھے
انسان کے جو ظلم انساں پہ ہیں میں دیکھ کے چُپ ہو رہتا ہوں

جو یہ تاریک شب ہستی اک لمحے کو روشن کر جائے
کہتا ہے سرشکِ غم مجھ سے میں وہ ٹوٹا ہوا تارا ہوں

اک نیم اشارہ نیم ادا میری بے خبری کی بھی طرف
اے نرگسِ رعنا کچھ تو بتا میں کس عالم میں رہتا ہوں

اے موجِ نسیم مجھی سے ہے پنکھڑیوں کی رگ رگ میں خلش
میں فصلِ بہاری کے دل میں کانٹا سا کھٹکتا رہتا ہوں

اے جانِ جہانِ ناز و نعم میں ہوں اک پیکرِ رنج و اَلَم
اک چشمِ کرم اک پُرسشِ غم، کن اُمیدوں سے آیا ہوں

لوگوں کی سمجھ میں آ نہ سکا کچھ تجھ کو بھی ہے تعجب سا
سُن میری اُداسی کا کارن اے ہمدم بہت اکیلا ہوں

اپنا ہو کہ فراقؔ کہ اوروں کا کچھ بات ہی ایسی آن پڑی
میں آج غزل کے پردے میں دکھ درد سنانے بیٹھا ہوں

راز کو راز ہی رکھا ہوتا     کیا کہنا گر ایسا ہوتا
حسن سے کب تک پردہ کرتے     عشق سے کب تک پردہ ہوتا
کم کم اٹھتیں تیری نگاہیں     اکثر خون تمنا ہوتا
کٹتے کٹتے کٹیں راتیں     ہوتے ہوتے سویرا ہوتا
رات کی رات کبھی میرا گھر     تیرا رین بسیرا ہوتا
عشق نے مجھ سے کی کی ورنہ     مجھ پر تیرا دھوکا ہوتا
دنیا دنیا، عالم عالم     ہوتا عشق اور تنہا ہوتا
ق دریا دریا، صحرا صحرا     روتا خاک اڑاتا ہوتا
آج تو دردِ ہجر بھی کم ہے     آج تو کوئی آیا ہوتا
آج تو سازِ خموشی ہے عالم     آج تو اس کو پکارا ہوتا
یہ نرجن بن یہ سناٹا     کوئی پتا کھڑکا ہوتا
میں ہوں دل ہے تنہائی ہے     تم بھی جو ہوتے اچھا ہوتا
میری رگِ جاں دکھ جاتی ہو     بال بھی تیرا بیکا ہوتا
تو گر اپنے ہاتھ سے دیتا     پیمانا پیمانا ہوتا
آنکھ اٹھا کر جان گنوا کے     حسن کا عالم دیکھا ہوتا
پردہ داریٔ غم بھی ہے شاکی     تو نے حال تو پوچھا ہوتا
ہم جو تجھے کچھ بھول بھی جاتے     دردِ محبت دونا ہوتا
کچھ تو محبت کر کے دکھاتی     کچھ تو زمانہ بدلا ہوتا

اس سے تو اے جاگنے والو      سویا ہوتا، کھویا ہوتا
عشق تو چپ ہے سازِ محبت      تیری نظر نے چھیڑا ہوتا
کوئی کبھی کچھ دل ہی دل میں      شرمایا پچھتایا ہوتا
منزل منزل دل بھٹکے گا      آج تمھیں نے روکا ہوتا

ہم بھی فراقؔ انسان تھے آخر
ترکِ محبت سے کیا ہوتا

•

دلوں کا سوز ترے روئے بے نقاب کی آنچ      تمام گرمیٔ محفل ترے شباب کی آنچ
ثوابِ خلدِ بریں کیا عذابِ دوزخ کیا      ترے خطاب کی ٹھنڈک ترے عتاب کی آنچ
حریمِ عشق کے پردوں سے لَو نکلتی ہے      یہ سوز و ساز ہے کچھ نغمۂ رباب کی آنچ
لہکتے سبزے میں ابرِ بہار کی مستی      دہکتے پھول میں چھلکی ہوئی شراب کی آنچ
یہ کیفِ حسن یہ برقِ نگاہ کیا کہنا      لگا دے آگ نہ اس دامنِ سحاب کی آنچ
چڑھا کے ساغرِ مے جگمگا اٹھے چہرے      سمٹ کے آ گئی سینوں میں آفتاب کی آنچ
پناہ مانگ رہی ہے ہری بھری دنیا      نہ پوچھ آہ دلِ خانماں خراب کی آنچ
یہ اگلے وقتوں کے ہیں خوش ہیں باغِ جنت میں      انھیں خبر ہی نہیں کیا ہے اس ثواب کی آنچ
یہ آ گیا ہے یہاں کون کافرِ معصوم      کہ ٹھنڈی پڑ گئی دوزخ کے بھی عذاب کی آنچ
جسے سمجھتے ہیں سب موجِ کوثر و تسنیم      وہ آئینہ بھی ہے تپتے ہوئے سراب کی آنچ
سحر کی تازہ دمی چڑھتی دھوپ کی گرمی      تری نگاہ کی ٹھنڈک ترے شباب کی آنچ
رکی رکی سی لبِ شوق پہ ہے عرضِ وصال      کہ پھونک دے نہ ترے زیرِ لب جواب کی آنچ
بڑھا ہے گرمیٔ محفل یہی ہے رونقِ بزم      نگاہِ ناز ترے ذوقِ انتخاب کی آنچ

یہ رات آگ لگا دے کہیں نہ دُنیا میں
یہ چاندنی یہ ہوائیں یہ ماہتاب کی آنچ

شعاعیں پھوٹ کے جیسے فضا میں گُم ہو جائیں
چھلکتے جام ہیں یہ چشمکِ حُباب کی آنچ

سوار ابلقِ ایام موسمِ گُل ہے
چمن کے شعلے ہیں یا حلقۂ رکاب کی آنچ

یہ مہر و ماہ بھی اُڑتے ہوئے شرارے ہیں
کہ عرش تک ہے محبت کے پیچ و تاب کی آنچ

سمیٹ رکھے ہیں روح القدس نے پر اپنے
پہنچ رہی ہے کہاں تک اس اضطراب کی آنچ

فراق وقت کے رُخ سے اُلٹ رہی ہے نقاب
زمیں سے تا بہ فلک ہے اس انقلاب کی آنچ

اب تو ہم ہیں اور بھری دُنیا کی ہیں تنہائیاں
"یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں"

جلوۂ لیلیٰ ہوائے دل یا جنونِ قیس ہو
حُسن بھی پرچھائیاں ہے عشق بھی پرچھائیاں

تو نے سمجھا ہی نہیں ہے حُسن کا رازِ نشاط
تو نے دیکھی ہی نہیں ہیں عشق کی رعنائیاں

سانس کو تازہ دل و جاں کو معطر کر گئیں
اُس نظر کی ٹھنڈی اور مہکی ہوئی پرچھائیاں

عشق کو سمجھا کوئی تو بس نگاہِ یار نے
شُہرتیں گو کم نہ تھیں گو کم نہ تھیں رُسوائیاں

اے ترے غم کے میں صدقے ڈوبتے جاتے ہیں دل
بڑھتی جاتی ہیں حیاتِ عشق کی گہرائیاں

حُسن کی کوئی جھلک رکھتی نہیں اپنا جواب
کوئی دیکھے عالمِ ایجاد کی یکتائیاں

پے بہ پے کس عالمِ حیرت کی دیتی ہیں خبر
گہری گہری نرگسِ رعنا کی یہ پرچھائیاں

اس پیامِ راز کو کیا حاجتِ لفظ و بیاں
تو نے دیکھی بھی سکوتِ ناز کی گویائیاں

سربسر شورِ بہاراں خوف دامِ رنگ و بو
حُسن کی پیدائیاں، رسوائیاں، گیرائیاں

بے نیازِ قرب و دوری، بے قرارِ جستجو
یہ سکونِ عشق اور یہ بادیہ پیمائیاں

چُپکے چُپکے اُٹھ رہا ہے مدبھرے سینوں میں درد
دھیمے دھیمے چل رہی ہیں عشق کی پُروائیاں

آہ ذرّے ذرّے میں یہ جوشِ پیہم یہ اُبھار
دیدنی ہیں شاہدِ دُنیا کی یہ برنائیاں

اب تو غم سے غم خوشی سے بھی خوشی ہوتی نہیں
کیا ہوئیں اے عشق وہ تیری نشاط آرائیاں

ایک مدت سے نشاطِ حسن بھی ہے منتظر
کوئی حد رکھتی ہیں تیرے غم کی بے پروائیاں

پوچھ مت کیفیتیں ان کی نہ پوچھ ان کا شمار
چلتی پھرتی ہیں مرے سینے میں جو پرچھائیاں

دیکھو جب عالم ہے حسنِ خمار آلود پر
پچھلے کو لیتی ہو جیسے کائنات انگڑائیاں

شوخیاں یہ کب حجابِ رنگ و بو میں تھیں فراقؔ
رفتہ رفتہ رنگ لائیں حسن کی رسوائیاں

*یاد نہ کر دلِ حزیں بھولی ہوئی کہانیاں
اٹھتی ہوئی جوانیاں حسن کی شادمانیاں

اف تری پرسشِ کرم اف تری مہربانیاں
بڑھتی ہی جا رہی ہیں دیکھ عشق کی بدگمانیاں

موج ٹھہر سکی کہیں سطح پہ ہو کہ تہ نشیں
عشق میں بے سکوں یونہی کٹتی ہیں زندگانیاں

رنگ بہار زندگی خون کے آنسوؤں میں ہے
عشق کی گلفشانیاں عشق کی شادمانیاں

یہ بھی کوئی جہان ہے یہ بھی کوئی نظام ہے
آہ وہ دل جہاں نہیں عشق کی حکمرانیاں

آج فضا کی خامشی کچھ اسے پھر سنا گئی
بھولی ہوئی تھیں عشق کو حسن کی خوش بیانیاں

اف یہ فضا اداس اداس آہ یہ موجِ دردِ شام
یاد سی آ کے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں

عشق کی ہر نشاط میں رنگ جراحتِ نہاں
نشترِ ناز حسن کی مٹ نہ سکیں نشانیاں

پوچھ نہ کس طرح اڑا رنگِ سکوتِ سرمدی
عشق کی بازپرس پر حسن کی بے زبانیاں

اس سے زیادہ اور کیا اب کوئی نامراد ہو
آج نظر سے گر چلیں عشق کی کامرانیاں

رازِ حیات کہہ گئے عشق کے کشتگانِ غم
درسِ حیات دے گئیں حسن کی شادمانیاں

میرے سکوتِ یاس نے رنگِ جہاں بدل دیا
آہ و فغاں سے کب ہوئیں عشق کی ترجمانیاں

دیکھ یہ رنگِ حسن و عشق بعد کو رنگ لائے کیا
کچھ تجھے بدگمانیاں کچھ مجھے بدگمانیاں

عشق کے اقتدار سے ملتی ہیں سب کی سرحدیں
اپنے حدود ہی میں ہیں بحر کی بیکرانیاں

اُمڈی گھٹائیں بجلیاں جیسے چمک کے رہ گئیں ۔۔۔ آج تو یاد آ گئیں حسن کی مہربانیاں
عکس سا پڑ کے رہ گیا جیسے تری نگاہ کا ۔۔۔ یاد سی آ کے رہ گئیں بھولی ہوئی کہانیاں
اور ہی رنگ ہے فراقؔ اب تو شعورِ عشق کا
اب نہ وہ خوش گمانیاں اب نہ وہ بدگمانیاں

نگاہِ ناز نے پردے اُٹھائے ہیں کیا کیا ۔۔۔ حجاب اہلِ محبت کو آئے ہیں کیا کیا
جہاں میں تھی بس اک افواہ تیرے جلووں کی ۔۔۔ چراغ دیر و حرم جھلملائے ہیں کیا کیا
دو چار برقِ تجلّی سے رہنے والوں نے ۔۔۔ فریب نرم نگاہی کے کھائے ہیں کیا کیا
دلوں پہ کرتے ہوئے آج آتی جاتی چوٹ ۔۔۔ تری نگاہ نے پہلو بچائے ہیں کیا کیا
نثار نرگسِ میگوں کہ آج پیمانے ۔۔۔ لبوں تک آئے ہوئے تھرتھرائے ہیں کیا کیا
وہ اک ذرا سی جھلک برقِ کم نگاہی کی ۔۔۔ جگر کے زخم نہاں مسکرائے ہیں کیا کیا
چراغِ طور جلے آئینہ در آئینہ ۔۔۔ حجاب برقِ ادا نے اُٹھائے ہیں کیا کیا
بقدرِ ذوقِ نظر دیدِ حسن کیا ہو مگر ۔۔۔ نگاہِ شوق میں جلوے سمائے ہیں کیا کیا
کہیں چراغ، کہیں گل، کہیں دلِ برباد ۔۔۔ خرامِ ناز نے فتنے اُٹھائے ہیں کیا کیا
تغافل اور بڑھا اس غزالِ رعنا کا ۔۔۔ فسونِ غم نے بھی جادو جگائے ہیں کیا کیا
ہزار فتنۂ بیدار خواب رنگیں میں ۔۔۔ چمن میں غنچہ و گل رنگ لائے ہیں کیا کیا
ترے خلوصِ نہاں کا تو آہ کیا کہنا ۔۔۔ سلوک اُچٹے بھی دل میں سمائے ہیں کیا کیا
نظر بچا کے ترے عشوہ ہائے پنہاں نے ۔۔۔ دلوں میں دردِ محبت اُٹھائے ہیں کیا کیا
پیامِ حسن، پیامِ جنوں، پیامِ فنا ۔۔۔ تری نگہ نے فسانے سنائے ہیں کیا کیا
تمام حسن کے جلوے تمام محرومی ۔۔۔ بھرم نگاہ نے اپنے گنوائے ہیں کیا کیا
فراقؔ راہِ وفا میں سبک روی تیری
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

سکوتِ شام مٹاؤ بہت اندھیرا ہے
سخن کی شمع جلاؤ بہت اندھیرا ہے

چمک اُٹھیں گی سیہ بختیاں زمانے کی
نوائے درد سناؤ بہت اندھیرا ہے

ہر اک چراغ سے ہر تیرگی نہیں مٹتی
چراغِ اشک جلاؤ بہت اندھیرا ہے

دیارِ غم میں دلِ بیقرار چھوٹ گیا
سنبھل کے ڈھونڈنے جاؤ بہت اندھیرا ہے

یہ رات وہ ہے کہ سوجھے جہاں نہ ہاتھ کو ہاتھ
خیالو دُور نہ جاؤ بہت اندھیرا ہے

وہ خود نہیں جو سرِ بزمِ غم تو آج اُن کے
تبسّموں کو بُلاؤ بہت اندھیرا ہے

لٹوں کو چہرے پہ ڈالے وہ سو رہا ہی کہیں
ضیائے رُخ کو چراؤ بہت اندھیرا ہے

پسِ گُناہ جو ٹھہرے تھے چشمِ آدم میں
ان آنسوؤں کو بہاؤ بہت اندھیرا ہے

یہ تیرگیٔ فضائے جہاں محبت سے
نصیب خفتہ جگاؤ بہت اندھیرا ہے

فرازِ دل کو صدا دو کوئی بہ طرزِ کلیم
چراغِ نور جلاؤ بہت اندھیرا ہے

دلوں کے سوزِ نہاں سے نئے اُفق کے قریں
اک آفتاب بناؤ بہت اندھیرا ہے

ہوائے نیم شبی ہو کہ چادرِ انجم
نقاب رخ سے اُٹھاؤ بہت اندھیرا ہے

بساطِ ارض و سما کے تو بجھ چکے ہیں کنول
چراغِ دل کے جلاؤ بہت اندھیرا ہے

غمِ فراق کی تنہائیوں کی آہٹ پر
کشاں کشاں چلے آؤ بہت اندھیرا ہے

شبِ سیاہ میں گم ہو گئی ہے راہِ حیات
قدم سنبھل کے اُٹھاؤ بہت اندھیرا ہے

بحث ہے ایسے میں بیداریٔ مہ و انجم
اُن انکھڑیوں کو جگاؤ بہت اندھیرا ہے

یہ غم کی رات تو کٹتی نظر نہیں آتی
اک اور رات بناؤ بہت اندھیرا ہے

گزشتہ عہد کی یادوں کو پھر کرو تازہ
بجھے چراغ جلاؤ بہت اندھیرا ہے

تھی ایک اچٹتی ہوئی نیند زندگی اُس کی
فراقؔ کو نہ جگاؤ بہت اندھیرا ہے

وہ سازِ لب کی شمع نوازی نہیں رہی
اب داستاں نمادہ خموشی نہیں رہی

تم کیا چھُٹے کہ چھُٹ گئے ہم اپنے آپ سے
اب اپنی زندگی بھی تو اپنی نہیں رہی

وہ شامِ انتظار کی بے تابیاں کہاں
شبہائے غم میں بھی وہ درازی نہیں رہی

اب عشق میں وہ شوقِ شہادت نہیں رہا
اب تیغ ناز میں بھی وہ تیزی نہیں رہی

اب تیری یاد سے بھی تو محروم ہو گئے
اب غم کی زندگی بھی ہماری نہیں رہی

ب عشق میں وہ ذوقِ نظارہ نہیں رہا
اب حُسن بھی وہ جلوہ نمائی نہیں رہی

مجھ میں بھی صبر و ضبط کا یارا نہیں رہا
احباب میں بھی تابِ تسلی نہیں رہی

بیگانہ وار دیکھتے مجھ کو گزر گئے
اب تو پھری نظر بھی ضروری نہیں رہی

آپس میں لوگ دشمن و دوست آج بھی تو ہیں
لیکن وہ اب دلوں کی صفائی نہیں رہی

صبحِ وطن میں کس لئے اب جی اُداس ہے
گو تیرگیٔ شامِ غریبی نہیں رہی

ہم زندہ ہیں ضرور مگر اس کو کیا کریں
اب زندگی شریک ہماری نہیں رہی

اے دوست تیرے جورِ مسلسل کے میں نثار
اب تک تھی جو کمی وہ کمی بھی نہیں رہی

تم سو طرح سے آج بھی ہو مہرباں مگر
مجھ پر وہ اب نگاہ تمھاری نہیں رہی

یکساں بسر ہوئی نہ کسی کی زمانہ میں
دُنیا ہے یہ ہمیشہ کسی کی نہیں رہی

اب عشقِ یار کے وہ عجائب نہیں رہے
اب حُسن کی وہ عشوہ طرازی نہیں رہی

کیا کیا رُکاوٹ پڑنے لگے تیری راہ میں
اے عمر تجھ میں بھی وہ روانی نہیں رہی

ہم جس کے منتظر ہیں وہ ہو بات ہی کچھ اور
اب تو تری نگاہ بھی تیری نہیں رہی

یوں تو وہ ایک خواب کی صورت گزر گئے
یوں تو کسی کی آنکھ بھی سوئی نہیں رہی

سب کچھ نثار دے جو بس اک نیم ناز پر
عشاق میں وہ ہمت عالی نہیں رہی

کرتے تھے جس پہ رشک زمانہ کے پختہ کار
اے دل وہ تیری خام خیالی نہیں رہی

آیا ہے جب سے گردشِ افلاک میں خلل
روئے فضا پہ بھی وہ بحالی نہیں رہی

کس وقت روزِ حشر ہوا فیصلہ مرا
دوزخ میں بھی جگہ کوئی خالی نہیں رہی

جب سے ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے ہم کو بھی زندگی میں کشش سی نہیں رہی

جس دم فراق بزمِ سخن سے میں اُٹھ گیا
تب سے غزل بھی گنجِ معانی نہیں رہی

اگر نہیں نہ سہی نامہ و پیام کی یاد مرے لئے بڑی دولت ہے تیرے نام کی یاد
چلی نسیم تو رفتار تیری یاد آئی جھکی جو شاخِ گُل آئی ترے سلام کی یاد
ہر اک غزل میں مری آرزو یہ ہوتی ہے فرازِ فکر سے آجائے تیرے بام کی یاد
وہ شام کیا تھی، کہاں تھی، خبر نہیں لیکن سیاہ آنکھ دلاتی ہے ایک شام کی یاد
تمام رات میں تڑکوں کا جیسے عالم ہو سکوتِ شب نے دلائی ترے کلام کی یاد
یہی دعائے دلی ہے بوقتِ فکرِ سخن ہر ایک شعر دلائے ترے پیام کی یاد
کبھی جو مجھ پر اُٹھی تھی نگاہِ مست تری تمام عمر کو کافی ہے ایک جام کی یاد
شروع ہو کے ہوئے ختم کتنے دورِ حیات نہ ابتدا کی خبر ہے نہ اختتام کی یاد
تمام داغِ جگر داغِ دل مٹے لیکن نہ مٹ سکی تری زلفِ سیاہ فام کی یاد
ہر ایک نقشِ قدم نے گلابیاں چھلکائیں دلا گئے گُل و غنچہ ترے خرام کی یاد
دو روزہ عمر میں یوں تو ہزار یادیں ہیں جو تیری یاد دلائے وہی ہے کام کی یاد
کبھی جو تو نے یہ پہلو مرا بسایا تھا بھلا سکا نہ یہ پہلو ترے قیام کی یاد
تھی چاندنی کوئی دیر اور پھر اندھیری رات ہوئی نہ محو مگر اک مہِ تمام کی یاد
بس ایک نام ہے جو گونجتا ہے ہر دل میں شجر حجر کو ہے دن رات تیرے نام کی یاد
جو تیری نیم نگہ مجھ پہ اُٹھ گئی تھی کبھی یہ زندگی ہے اُسی زخمِ ناتمام کی یاد
ہم اس کو چھوڑ چکے یا اسی طرف میں رواں ہمیں نہیں ہے کسی منزل و مقام کی یاد
پیامِ وحدتِ انساں نہ بھول جائیں کہیں انقلابِ جہاں ہو اس ادبِ عام کی یاد

اسیرِ گیسوئے پُر خم یہ دل ہے مدّت سے — تجھے بھی آئی کسی صیدِ زیرِ دام کی یاد
قدم قدم پہ دلِ رہ گذر دھڑکتا ہے — کہ راستے کو ہے تیرے ہر ایک گام کی یاد
نگاہِ ساقیِ دوراں مری طرف اُٹھ کر — دلا گئی کسی مے خانۂ دوام کی یاد
غمِ جہاں نے بالآخر مٹا دیا اس کو — مرے لئے ترے آداب و احترام کی یاد
غضب تو ہے کہ پھر بھی وہ یاد آ نہ سکا — حیات ہے کسی بھولے ہوئے پیام کی یاد
سیہ گھٹا میں جہاں برق بے اماں چمکی — دلا گئی ہے ترے تیغِ بے نیام کی یاد
سُبک روی ہے وہی نرم گامیاں ہیں وہی — دلائی فکرِ رسا نے ترے خرام کی یاد
دلِ غزال میں کھلتی جھجکتی ہے اک آنکھ — کہ دشت کو ہے اک آہوئے خوش خرام کی یاد
ذرا یونہی تجھے چاہے ہوئے زمانہ ہوا — نہ مٹ سکی مگر اس آرزوئے خام کی یاد

کبھی بھلائے بھی رہتے ہیں یادِ جاناں کو
فراقؔ پُر خطر ہے یہ صبح و شام کی یاد

حیاتِ نو سی جو پاتے ہیں لوگ اے ساقی — یہ کون درد اُٹھاتے ہیں لوگ اے ساقی
ترے غلام کی اب شہرتیں ہیں دُنیا میں — قریب و دور سے آتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ دورِ جام، یہ غم خانۂ جہاں، یہ رات — کہاں چراغ جلاتے ہیں لوگ اے ساقی
ہے ایک شعلۂ بے نام اور پردۂ دل — کہاں یہ آنچ دباتے ہیں لوگ اے ساقی
دلوں میں بند کیا ہے وہ بحرِ بے ساحل — کہ ڈوبتے چلے جاتے ہیں لوگ اے ساقی
سنا تو ہے کہ ترے میکدے میں رسمِ کہن — ابھی نبھاتے جاتے ہیں لوگ اے ساقی
دلوں میں آگ ہے اور صبح کا دھندلکا ہے — شراب خانے سے جاتے ہیں لوگ اے ساقی

قدم ہیں پڑتے کہیں اور کہیں نگاہِ فراقؔ
اُسے کہاں لئے جاتے ہیں لوگ اے ساقی

قہر نے تیرا یا تری رحمت — عشق محبت، اُلفت، چاہت
چھوڑ یہ بحثِ مجاز و حقیقت — پہلے محبت سیکھ محبت
تیری صورت میری طبیعت — یہ بھی کہانی وہ بھی حکایت
دُنیا کی بدلی جو حالت — حُسن بھی بھولا ناز و نزاکت
اک مدت سے ہے اب تو یہ حالت — ہوش نہ غفلت رنج نہ راحت
سیدھی قسمت ٹیڑھی قسمت — سب کا علاج ہے دردِ محبت
ایک دیس کے نام ہیں دونوں — دوزخ کہئے اُسے یا جنت
حُسن بچھا بس دیکھ کے تجھ کو — اے دل مضطر غیرت غیرت
عشق عذاب ضرور ہے لیکن — اس سے بچنے کی کوئی صورت
عشق کا دل بھی بھر آتا ہے — پھر بھی ہوں شاداں اُف ری طبیعت
دیکھیں رہے یہ رنگ بھی کب تک — گھٹتی محبت، بڑھتی مروت
ایک ہی وقت میں خوش بھی غمیں بھی — یہ بھی ہے اک شانِ محبت
آج تمھیں دل کو سمجھاؤ — میری تو پڑتی نہیں ہمت
ایک عشق اور اتنے دشمن — ایک مصیبت لاکھ مصیبت
کیا کہنا تجھ کو گر ملتی — تیری صورت میری طبیعت
رہگذرِ عشاق رہی ہے — دوزخ دوزخ جنت جنت
حُسن ہی ہے یا کچھ اور لے دل — جانِ عشق ایمانِ محبت
سوچ رہا ہوں زمانہ گذرا — کھائے ہوئے فریبِ محبت
عشق ابھی سے تنہا تنہا — ہجر کی بھی آئی نہیں نوبت

کچھ تو نے بھی سُنا، کہتے ہیں
اور ہے اب تو فراق کی حالت

جانے کیا بات ہے کس چیز کی یاد آتی ہے — شام کو روز طبیعت مری گھبراتی ہے
صاف سن لو مرے اشعار کے زیر و بم میں — دلِ گیتی کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
تجھ سے ملنے کی ابھی تک تو خدا کا ہے شکر — کوئی صورت کوئی تدبیر نکل آتی ہے
یاد ان زلفوں کی آتی ہے رہِ غربت میں — بے جگہ آج مجھے رات ہوئی جاتی ہے
بے پناہ ابروِ خمدار کی تلوار کا وار — زندگی دیکھیے اب بچ کے کہاں جاتی ہے
گیسوؤں کی کوئی لٹ ہے کہ فضائے دل میں — ایک پرچھائیں سی رہ رہ کے مچل جاتی ہے
اس حیا کا تیری اے جانِ حیا کیا کہنا — کہ تری یاد بھی آتے ہوئے شرماتی ہے
ہو بھلا بے خودیٔ غم کا کہ اب تو مجھ کو — مدتوں بعد کہیں میری خبر آتی ہے
تری رعنائیٔ قامت یاد کہ دم سیرِ چمن — شاخِ گل باغ میں رہ رہ کے لچک جاتی ہے
کچھ نہ کچھ وقت بھی کٹ جاتا ہے رو لینے سے — اور کچھ تو طبیعت بھی سنبھل جاتی ہے
کوئی دکھتا ہوا دل ہے کہ غزل ہے میری — اپنا دکھ درد کہانی سی کہے جاتی ہے
صبح آئینہ دکھاتی ہے فضا کو جس وقت — صاف اس میں تری تصویر سی کھنچ جاتی ہے
شادمانی میں بھی آ جاتے ہیں غم کے وقفے — دل میں صدیوں کی دبی چوٹ ابھر آتی ہے
سربسر راز ہوئی جاتی ہے ہستی اپنی — زندگی دور کی آواز ہوئی جاتی ہے
عشق میں کون تھی وہ بات مجھے یاد نہیں — زندگی آج جسے سوچ کے پچھتاتی ہے
ہمت اے اہلِ وطن یاد رہے قوموں کی — دیکھتے دیکھتے تقدیر پلٹ جاتی ہے
زندگی عشق کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے فراق — موت ہی موت ہر اک سمت نظر آتی ہے

ٹھہری ٹھہری سی فضا دھڑکی ہل جاتی ہے — یا کسی دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
عمرِ انساں کی عبارت ہے فراموشی سے — زندگی اپنے ہر اک نقش کو دھندلاتی ہے

عمرِ رفتہ مری گو بھول چکا ہوں تجھ کو — آج تک تیری محبت کی قسم کھاتی ہے
یاد اس زلف گرہ گیر کی یوں ہے دل میں — ایک ناگن ہے کہ شیشے میں جو بل کھاتی ہے
ہو کے آزردہ ہم الزام کوئی دیتے ہیں جب — نگہِ ناز تری صاف نکل جاتی ہے
کس قدر صدق و صفاکیش غزل ہے میری — ایک دنیا کو جو آئینہ دکھا جاتی ہے
تجھ سے پکڑی نہ گئی موجِ شمیمِ گیسو — دلِ ناداں کہیں مٹھی میں ہوا آتی ہے
زندگی کی شبِ تاریک کے ہر گوشے میں — میری آواز کوئی شمع جلا جاتی ہے
جب نظر پڑتی ہے اشعار پہ اپنے میری — میرے دل میں تری تصویر اتر آتی ہے
یہ ترقی کے سب آثار تو برحق لیکن — زندگی زندگی سے دور ہوئی جاتی ہے
تیری بل کھائی ہوئی زلف ہے، غم ہے، کیا ہے — ایک پرچھائیں فضاؤں میں جو لہراتی ہے
حسن کے رمز و کنایات کا عالم ہے یہ — ہر جھلک اک نگہِ ناز ہوئی جاتی ہے
کب سنی تھی تری پائل کی وہ جھنکار، اب تک — تیرگی رات کی رہ رہ کے کھنک جاتی ہے
شاعری میری کبھی تو نے بھی سوچا کہ نہیں — کن بہانوں سے ترے درد کو بہلاتی ہے
اور کچھ بھی نہ کرے میری غزل، لیکن ہاں — زندگی تجھ کو وہ کچھ خواب دکھا جاتی ہے
کم سے کم میں نے کوئی بات تو ایسی نہ کہی — دل کے شکووں پہ نہ جاؤ کہ وہ جذباتی ہے
ہر شبِ ہجر میں اتنا تو کہوں گا تجھ سے — مجھے تجھ سے ہی کسی شخص کی یاد آتی ہے

پہلوئے دوست میں آزردہ نہیں رہتے فراقؔ
راتیں تو آئیں گی، یہ رات کہاں آتی ہے

جن کی زندگی دامن تک ہے، بے چارے فرزانے ہیں
خاک اڑاتے پھرتے ہیں جو دیوانے، دیوانے ہیں

وحدتِ انساں اپنے کو شاعر سے منوا لیتی ہے
کیا انجانے کیا بیگانے، سب جانے پہچانے ہیں

مجھ کو شاعر کہنے والو، میں کیا میری غزلیں کیا
میں نے تو بس سرکارِ عشق میں کچھ پرچے گزارنے ہیں

بھولے بھالے محبوبوں سے داؤں پیچ کچھ چل نہ سکا
ہم یہ سمجھتے رہے ابھی تک ہم بھی کتنے سیانے ہیں

ہوش و خرد کیا، جوشِ جنوں کیا، الٹی گنگا بہتی ہے
کیا فرزانے، کیسے سیانے، یارو! سب دیوانے ہیں

جل بجھنے کی بھی توفیق کہاں عشاق کی قسمت میں
اک ان دیکھی شمعِ بزم کے دل والے پروانے ہیں

شاعر سے ہمدردی سیکھو، دنیا کے غم خانے ہیں
جتنے غم ہیں دنیا بھر میں اس کے مانے جانے ہیں

شہرِ نگاراں، شہرِ نگاراں، کون بتائے کیسا ہے
پوچھتے ہو کیا ہم سے یارو! ہم بھی تو بیگانے ہیں

بس وہ انھی سے نفرت کو خوابوں کے لباس پہناتا ہے
شاعر کے پلے کیا ہے گیتوں کے تانے بانے ہیں

کتنے بیگانے ہوتے ہیں یہ جانے پہچانے لوگ
جانے ہوئے بھی بقول ہمارے انجانے بیگانے ہیں

آج سے پہلے کب تھے وطن میں بے وطنی کے یہ الجھن
لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے گھر بھی غربت خانے ہیں

کچھ نہیں کھلتا کس کی زد میں یہ ہستیٔ گریزاں ہے
ہم جو اتنے بچے پھرتے ہیں کن تیروں کے نشانے ہیں

اس گم کردۂ دیدہ و دل کو کل تک کتنے جانتے تھے
اب تو فراقِؔ بے خود کے عالم عالم افسانے ہیں

آنے دو وقت، ہو گی بہارِ چمن کی بات — اہلِ وطن ابھی نہ اٹھائیں وطن کی بات
ہر بار اک ادائے تغافل نما کے ساتھ — اس آنکھ نے کہی کسی عہدِ کہن کی بات
راتوں کی خامشی میں، بہ ہر عشوۂ نجوم — سنتا ہوں میں تری نگہِ کم سخن کی بات
افسانہ گو کو یاد نہیں ختمِ داستاں — چھیڑی ہے اس نے زلفِ شکن در شکن کی بات
ہے کہ خرام ناز کی تصویرِ کائنات — یاد آگئی ہے ایک غزالِ ختن کی بات
محسوس ہو رہی ہیں دلوں میں گھلاوٹیں — مجنوں کی ہے یہ بات نہ ہے کوہکن کی بات
میری غزل نوائے معانیٔ زندگی — عیش و طرب کی بات نہ رنج و محن کی بات
ہے انگڑیوں کی شام میں دنیا کی داستاں — موتیوں کی صبح نو میں ہے بلغ عدن کی بات
آجائے کاش میری نوائے حیات میں — تیرے خرامِ ناز کے آہستہ پن کی بات
اب زندگیٔ عشق میں وہ تازگی کہاں — بوئے بریدہ ہے کسی گل پیرہن کی بات
جانبازیوں کے اور طریقے ہزار ہیں — کیوں بار بار چھیڑیے دار و رسن کی بات
ہم تو ہر امتیاز مٹانے کو آئے ہیں — مدت ہوئی کہ بھول چکے ما و من کی بات
دیکھا ہر ایک شاخ پہ غنچوں کو سرنگوں — جب آگئی چمن میں ترے بانکپن کی بات
ہر اک کے پاس حسنِ زبان و بیاں سہی — لیکن کہاں سے لائے کوئی ایسے فن کی بات
تارے ہیں آبدیدہ، دلِ آسماں گداز — پہنچی ہے دور تک مرے شعر و سخن کی بات
ممکن ہے دردِ شامِ غریباں بہل سکے — چھیڑی ہے دل نے دوریٔ اہلِ وطن کی بات
میں نے سنی ہے سیرِ گلستاں کے درمیاں — ہر گل کی خامشی میں ہزاروں چمن کی بات
اے اہلِ ہند تم نے سنی یا نہیں سنی — ہر مشتِ خاکِ ہند میں دردِ وطن کی بات

وہ دیکھو اس کے پاس کھنچے آ رہے ہیں لوگ
ہر بات ہے فراقؔ کی اک انجمن کی بات

زندگی عالمِ کیف و کم ہے ‏ ‏ تیری آنکھوں پہ کیا کیا بھرم ہے
عشق کی ذات واردات لے دل ‏ ‏ حسن کے اک بہانے سے کم ہے
کھا گئی یہ کسی جھوٹ کی چوٹ ‏ ‏ زندگی ہے کہ تیسری قسم ہے
اے نگاہِ کرم میری جانب ‏ ‏ کم کم اب دیکھنا بھی تو کم ہے
موت کیا؟ تیرا منہ پھیر لینا ‏ ‏ زندگی کیا؟ ترا دم قدم ہے
سربسر وجد میں ہیں نُہ افلاک ‏ ‏ نغمۂ عشق ہے سازِ غم ہے
شعر کیا وہ کہ گرمی تو اتنی ‏ ‏ روشنی کو جو پوچھو تو کم ہے
میکشو جام ہاتھوں میں لے لو ‏ ‏ آخری دور ہے رات کم ہے
وہ صحیفہ ہے دل کا کہ جس میں ‏ ‏ کیفیت ہر صدی کی رقم ہے
اٹھ گیا آہ عشقِ سیہ بخت ‏ ‏ پرچمِ آفتاب آج خم ہے
آہ کیا زاویے بن رہے ہیں ‏ ‏ دیدنی گیسوئے خم بہ خم ہے
نام ہی اس کا ہے وارِ امکاں ‏ ‏ جو نہ ہو جائے دنیا میں کم ہے
غم کی مہلت نہ فرصت خوشی کی ‏ ‏ صرف ذکرِ نشاط و الم ہے
بحر و بر پر دیئے جل اُٹھے ہیں ‏ ‏ زندگی کس کا نقشِ قدم ہے
ہم سے پوچھو کہ ہم جانتے ہیں ‏ ‏ حاصلِ دانشِ علم، غم ہے
آج کس کو میں خط لکھ رہا ہوں ‏ ‏ ہاتھ میں آنسوؤں کا قلم ہے

جیسے دھڑکے فراقؔ اس کا سینہ
میرے نغموں میں وہ زیر و بم ہے

ٹھان لی اس نے منہ چھپانے کی — بچ گئی آبرو زمانے کی
آ گئی رات تیرے جانے کی — اب نہیں صبح مسکرانے کی
گیسوئے یار سے جو ہو کے گئیں — یہ ہوائیں نہیں اب آنے کی
پھوٹتی پو بھی پا سکی نہ ادا — زیرِ لب تیرے مسکرانے کی
حسن آیا نہیں شباب پہ اور — آنکھ پڑنے لگی زمانے کی
تیرے وعدے کا ہے یقین لیکن — تجھ کو عادت ہے بھول جانے کی
مری تغیرِ حال کی رُوداد — یہ کہانی نہیں سنانے کی
سمٹ آئی ہے اس کی آنکھوں میں — ساری مستی شراب خانے کی
کہتے ہو داستان آدم کیا — یہ تو تمہید ہے فسانے کی
دل بھی سینوں میں ٹھہرے ٹھہرے ہیں — کچھ خبر بھی ہے اس کے آنے کی
ہائے شعلہ نوائیاں میری — جل گئی شاخ آشیانے کی
آ گئی رات تیرے جانے کی — اب نہیں صبح مسکرانے کی
آ کہ اہلِ جہاں کی موت ہے تو — تو ہی ہے زندگی زمانے کی
کیا ہے آلامِ روزگار اے دوست — اک ادا تیرے آزمانے کی
اف یہ احساسِ بیکسی شبِ غم — بات الگ ہے ترے نہ آنے کی
کیا کیا اس نے مجھ سے مت پوچھ — میں نے کی جس سے بارہا نیکی
جو مرے دوستوں نے مجھ سے کیا — اک حکایت ہے بھول جانے کی
اُن لبوں نے بتائی ہے ترکیب — حرف کو داستان بنانے کی
کیوں ترے حسن نے قسم کھائی — اب کے بالکل نہ یاد آنے کی
پھر تو دنیا کو بھول بیٹھا ہوں — دیر تھی کوئی یاد آنے کی
جاتے جاتے ہر ایک لمحۂ عمر — کہہ گیا داستاں زمانے کی
جس کو قرنوں کی داستاں کہیے — وہ شروعات ہے فسانے کی

چوٹ کھا کھا کے غنچۂ گل کو ہوئی توفیق مسکرانے کی
دیکھ لی تیری دوستی اے دوست دوستی دیکھ لی زمانے کی
یاد ایام رنج و غم میں بھی تھی ادا ترے یاد آنے کی
تو نے سیکھی ہے یہ کہاں سے ادا ناز سے منہ چھپا کے جانے کی
تری موہوم دوستی کے لیے دشمنی مول لی زمانے کی
سعی امن و اماں بجا لیکن کم نہیں شورشیں زمانے کی

اے فراقؔ اب مشاعرہ ہے شروع
دیر تھی آپ ہی کے آنے کی

زندگی ہے تیرے جانے کی قسم تو نے کھائی ہے نہ آنے کی قسم
تو مرے دردِ نہاں کی سوگند ہیں ترے آنکھ چرانے کی قسم
بیٹھے بیٹھے تجھے کیا یاد آیا کھا گیا تجھ کو بھلانے کی قسم
سچ تو یہ ہے بڑے آرام سے ہوں تیرے ہر لحظہ ستانے کی قسم
میری ہر سانس ہے اب اک سوگند تیرے سوگند نہ کھانے کی قسم
اڑ گیا رنگ گلستانوں کا اس ترے رنگ جمانے کی قسم
انتظارِ غمِ دوراں کے بقول زندگی ہے ترے آنے کی قسم
بھول جانے کی مجھے تو سوگند ہیں تجھے یاد نہ آنے کی قسم
تو بھی اے دوست تھا کس عالم میں کھا گیا دل نہ دکھانے کی قسم
خوابِ دیدار دکھا روز، تجھے اک نیا خواب دکھانے کی قسم
تیرا ہر راز ہے اب طشت ازبام تیرے ہر راز چھپانے کی قسم
اب ہر اک یاد مجھے بھول گئی تیرے اس یاد دلانے کی قسم

آپ کا وعدہ نہیں بھول سکا    آپ کو یاد نہ آنے کی قسم
پی کے بے ہوش ہوا آج فراقؔ
نہ کبھی ہوش میں آنے کی قسم

کم کہاں گل سے خار ہے اے دوست    خانہ زادِ بہار ہے اے دوست
مردِ آگاہ ہوں مگر نہ کھلا    تجھ سے کیوں مجھ کو پیار ہے اے دوست
بس اسی کی، دیا تھا تو نے جو غم    زندگی یادگار ہے اے دوست
جو پلائی تھی تو نے ۔ یہ ہستی    اسی مے کا خمار ہے اے دوست
عرش سے ہے بلند یوں تو بشر    ایک مشتِ غبار ہے اے دوست
دیکھیں جس رخ سے بھی، ہر اک رخ میں    شانِ روئے نگار ہے اے دوست
میرے غم سے حجاب کیوں ہے تجھے    یہ بھی اپنا ہی یار ہے اے دوست
جو کھٹکتا ہے میرے سینے میں    کوئی گل ہے کہ خار ہے اے دوست
کارفرما ہے جو زمانے میں    جبر یا اختیار ہے اے دوست
اب نہیں زندگی میں کوئی کمی    بس ترا انتظار ہے اے دوست
عشق ہے بے نیازِ سود و زیاں    یہ عجب کاروبار ہے اے دوست
پہلے ہی کب سکون تھا دل کو    اب بہت بیقرار ہے اے دوست
دل جو کل تک چراغِ محفل تھا    اک چراغِ مزار ہے اے دوست
کیوں سمجھتے ہیں اس کو دشمن حال    غم تو یاروں کا یار ہے اے دوست
درد بھی کم ہے تم بھی ہو لیکن    دل بہت بیقرار ہے اے دوست
تمتمائی ہوئی جبینِ بشر    مطلعِ روزگار ہے اے دوست
یہ الگ بات اسے نہ تو برتے    تجھ کو سب اختیار ہے اے دوست

تیرے وعدے پہ جس قدر شک ہے　　اتنا ہی اعتبار ہے اے دوست
ازل تا ابد ہر اک عالم　　عالم انتظار ہے اے دوست
تجھ سے تیری شکایتیں کر کے　　دل بہت شرمسار ہے اے دوست
کبھی آیا تو ہوگا ذکرِ فراق
وہ بھی خاکسار ہے اے دوست

یہ جو قول و قرار ہے، کیا ہے　　شک ہے یا اعتبار ہے، کیا ہے
عشق کی یادگار ہے، کیا ہے　　ایک ٹوٹا مزار ہے، کیا ہے
کس کو سمجھے کوئی نمودِ بہار　　برگ ہے، گل ہے، خار ہے، کیا ہے
کچھ جو اٹھتا ہے دل میں رہ رہ کر　　ابر ہے یا غبار ہے، کیا ہے
کیف میں ڈوبی نرگسِ جادو　　مست ہے، ہوشیار ہے، کیا ہے
نیچی نظروں میں کچھ تبسم سا　　شوخ ہے، شرمسار ہے، کیا ہے
زیرِ لب اک جھلک تبسم کی　　برق ہے یا شرار ہے، کیا ہے
کوئی دل کا مقام سمجھاؤ　　گھر ہے یا رہگذار ہے، کیا ہے
پھول ہے یا چراغ ہے کوئی　　یہ جو روئے نگار ہے، کیا ہے
عشق مجبور، مالکِ تقدیر　　جبر ہے اختیار ہے، کیا ہے
بادۂ زندگی سے عالم کو　　نشہ ہے یا خمار ہے، کیا ہے
آب و آتش سے یہ خمیرِ چمن　　ہے خزاں یا بہار ہے، کیا ہے
تر و سوزاں ہیں جس سے یہ پلکیں　　اشک ہے یا شرار ہے، کیا ہے
جس سے سینہ ہے خار خار اپنا　　اک گل نوبہار ہے، کیا ہے
زندگی کا رکا رکا وقفہ　　بس ترا انتظار ہے، کیا ہے

یہ زمان و مکاں کی صد چاکی  دامنِ تار تار ہے، کیا ہے
پچھلے کو یہ فضا کی محویت  کوئی شب زندہ دار ہے، کیا ہے
گردشِ مہر و ماہ دورِ حیات  ایک رقصِ شرار ہے، کیا ہے
زندگی جس اک زمانہ ہوا  آج تک بیقرار ہے، کیا ہے
نہ کھلا یہ کہ سامنا تیرا  دید ہے، انتظار ہے، کیا ہے
جس کو کہتے ہیں لوگ شعرِ فراقؔ
تیری کا شعار ہے، کیا ہے

لبِ رنگیں کی یاد آتی تھی  اک کلی مسکرائے جاتی تھی
زندگی ایک گیت گاتی تھی  موت بھی جھوم جھوم جاتی تھی
کھل کھل اٹھتا تھا، تیری یاد سے دل  آنکھ بھی بھیگ بھیگ جاتی تھی
اف ترے غم کی منزلیں جن میں  تیرگی راستہ دکھاتی تھی
وہ فسوں سازیٔ لبِ اعجاز  خامشی داستاں سناتی تھی
درمیاں سے مرے ترے اکثر  ایک پرچھائیں آتی جاتی تھی
اس کے پیکر میں جب بھی کی ہے نظر  صبح گلزار رسماتی تھی
ہوتے جاتے تھے اس طرح اشعار  وہ نظر جیسے اٹھتی جاتی تھی
وہ بھی دن تھے جو گاتے بہتے تھے  اور ہر رات گنگناتی تھی
بنتے جاتے تھے تارے رخ کے عرق  رات زلفوں میں ڈھلتی جاتی تھی
جس طرف سے کوئی گزرتا تھا  دور تک راہ لہلہاتی تھی
سربسر اپنے آپ کو ہر بزم  میری تنہائیوں سے پاتی تھی
لیتی جاتی تھی سے۔۔۔ نے غزل  تیری تصویر کھینچتی جاتی تھی

ہائے اس کا تبسم پیکر — زندگی جس میں مسکراتی تھی
تیرے آنے میں دیر ہونے سے — رات بیتاب ہوتی جاتی تھی
مجھے وہ بات بھولتی ہی نہ تھی — جو تجھے یوں بھول جاتی تھی
برگِ گل تھا رخِ عرق آلود — تو جو شبنم کی تھرتھراتی تھی
سارے عالم میں جب اندھیرا تھا — عشق کی شمع جھلملاتی تھی
جلتے جاتے تھے آسماں کے چراغ — انجمن شب کی سجتی جاتی تھی
جیسے ہو جائیں دو جہاں معدوم — کیا مجھے تیری یاد آتی تھی

گنگناتی تھی رات شعرِ فراق
زندگی جھوم جھوم جاتی تھی

اشک میں وہ تری کہاں ہے میاں — غم میں وہ تازگی کہاں ہے میاں
آدمی آدمی کہاں ہے میاں — زندگی زندگی کہاں ہے میاں
لوگ جس زندگی کو کرتے ہیں یاد — آج وہ زندگی کہاں ہے میاں
اب گنہ بھی تو خاک اڑانا ہے — اب وہ تر دامنی کہاں ہے میاں
کوچہ یار جس کو کہتے تھے — اب وہ کو، وہ گلی کہاں ہے میاں
اب سے پہلے جو تھی حسینوں میں — آج وہ دلبری کہاں ہے میاں
سب وہ اک شخص کی بدولت تھے — اب وہ غم وہ خوشی کہاں ہے میاں
دوستی کو بھی رشک تھا جس پر — اس کی وہ دوستی کہاں ہے میاں
وہ کمی جس میں اک کشش سی تھی — وہ کشش وہ کمی کہاں ہے میاں
سنگ سے جو تراشی تھی پھول — آج وہ شاعری کہاں ہے میاں

جس میں ہم اس کو دیکھ لیتے تھے — آج وہ روشنی کہاں ہے میاں
وعدہ شام تھا اب آئے ہو — وہ گھڑی رات بھی کہاں ہے میاں
ذکر و ذکرِ زندگی کر ابھی — زندگی زندگی کہاں ہے میاں .
پہلے اک درد دل میں رہتا تھا — اب تو وہ درد بھی کہاں ہے میاں
دورِ بیگانگی میں کیا پوچھیں — کر یگانہ دشی کہاں ہے میاں
کھویا کھویا ضرور ہوں لیکن — اس قدر بے خودی کہاں ہے میاں
زندگی کو بھی ناز تھا جس پر — وہ غمِ زندگی کہاں ہے میاں

وہ تو رخصت ہوئی فراق کے ساتھ
اب وہ افسردگی کہاں ہے میاں

.

کبھی جو دل سے سنے تو مری فغاں صیاد — تو گھری میں ہو تجھے سیرِ گلستاں صیاد
یہ زمزمے ہیں کہ لعل و گہر کی بارش ہے — غمِ چمن بھی ہے اک گنجِ شائیگاں صیاد
تھے برگِ گل کہ تھیں میرے ہی دل کی پنکھڑیاں — بکھر گئے تھے طلسماتِ بوستاں صیاد
گلوں کی جلوہ گری سے چمن چراغاں تھا — بہارِ جوشِ قدح تھی کہ گلستاں صیاد
بیان جس میں تیرے جورِ بے اماں کے نہیں — وہ داستانِ چمن بھی سنا دے ہاں صیاد
میں تیرے دام میں کچھ تو سمجھ کے آیا ہوں — ترا نظارہ بھی ہے دیدِ گلستاں صیاد
یہ بات سوچ کے میں ہو گیا ہوں اور اداس — غمِ قفس بھی ہے اک رنجِ رائیگاں صیاد
قفس کو اس کی خبر کیا تمھیں بھی کیا معلوم — تمھیں زمیں تھے تمھیں آج آسماں صیاد
چمن سے بچھڑے ہوؤں کا جو یہ نہیں ماتم — تو کیوں ہے شامِ گلستاں دھواں دھواں صیاد
تھی زندگیِ قفس موت وہ تو یہ کہیے — کہ آج بھی ہے رگِ گل قریبِ جاں صیاد
جو ایک بات تھی دل کی وہ دل کی دل میں رہی — خزاں زداں ہے گلستاں خزاں زداں صیاد

جو پونچھے اشک مرے دامنِ تبسّم سے — رہیں گی یاد تری غمگساریاں صیّاد
رہا ہوں میں بھی کبھی شاہدِ بہارِ چمن — گواہ ہے یہ مری چشمِ خوں چکاں صیّاد
بندھی ہوئی یہ ہوا گل کھلائے گی کیا کیا — ہوا یہ نالۂ غم جو ذرا جواں صیّاد
یہ میری نرم نوائی تجھے نہ دے دھوکا — دلوں کو چیر گئی صوتِ ناتواں صیّاد
غمِ جہاں غمِ جاناں میں کیا نہیں شامل — یہ رنجِ لالہ و گل ہے غمِ جہاں صیّاد

مرے نواؤں کی روحِ رواں نوائے فراقؔ
سرے سے ہے غزلستاں مری فغاں صیّاد

وہ تو سازوں میں کوئی ساز نہیں — غم ہے جس دل کو سازِ باز نہیں
زندگی تو ہے رازِ البتہ — موت لے دوست کوئی راز نہیں
یاد آئے نہ گاہ گاہ تری — تجھ سے اتنا میں بے نیاز نہیں
جو نہ ہو روکشِ طلوعِ سحر — وہ تو تیری جبینِ ناز نہیں
عشق ہی ہے وہ ناگزیر خطا — جس خطا کا کوئی جواز نہیں
بات الگ ہے فسوں طرازی کی — وہ نگاہیں فسانہ ساز نہیں
ہے مرا اور شیوۂ تسلیم — میں جھکاتا سرِ نیاز نہیں
میری روداد رنج سے لبی — ہجر کی بھی شبِ دراز نہیں
ہیں سبھی بزمِ داستاں میں مگر — تیری چشمِ فسانہ ساز نہیں
کارِ دنیا کے تمام نہ کرو — زندگی اس قدر دراز نہیں
خود بخود جس پہ سر نہ جھک جائے — وہ ترا آستانِ ناز نہیں
منزلِ عشق میں وہاں ہوں جہاں — رنج و راحت میں امتیاز نہیں
خلوتِ ناز وہ مقام جہاں — سانس لینے کے ہم مجاز نہیں

عہد بھی ہیں تو کس حسیں سے ہم — وہی جانِ بہانہ ساز نہیں
دل ہی مائل نہیں ہے ورنہ مجھے — مے و نغمہ سے احتراز نہیں
جن پہ تھا لفظِ دوستی کو ناز — اب وہ دل سوز و دلنواز نہیں
غم میں بھی اپنی ذات پہ ہمزاد — یہ نہیں ہے کہ مجھ کو ناز نہیں
لائے ہیں کب مجھے سرِ محشر — اب جہنم کا در بھی باز نہیں

اہلِ دنیا فراقؔ کو سن لو
کوئی ایسا سخن طراز نہیں

کبھی میری طرف بھی آئیے گا — کبھی مجھ کو بھی منہ دکھائیے گا
ختم ہے ربطِ مختصر لیکن — آپ ہر وقت یاد آئیے گا
تابکے ذکر و فکر کی کاوش — کبھی دیدار بھی دکھائیے گا
آپ جاتے تو ہیں گلے مل کے — یاد لیکن بہت نہ آئیے گا
عہد و پیماں بجا دمِ رخصت — چار ہی دن میں بھول جائیے گا
میرے دل کو کرے گا کون آباد — سب کی نظروں میں گر سمائیے گا
پھر سراغ آپ کا نہ پائیں گے — حضرتِ دل وہاں نہ جائیے گا
آپ اور غیر سے مری تعریف — یہ کسی اور کو سنائیے گا
خیر وعدہ تو کیجئے لیکن — دمِ وعدہ قسم نہ کھائیے گا
راہ میں دل پڑے سلگتے ہیں — آپ دامن ذرا بچائیے گا
ان دنوں بے خبر سا رہتا ہوں — آپ آ کر چلے نہ جائیے گا
گھیر رکھا ہے غم نے گھر میرا — آپ کسی راستے سے آئیے گا
یہی کہہ دیجئے گا بس "ہم ہیں کہ" — آپ میں گر ہمیں نہ پائیے گا

آپ کس کس پہ مہرباں ہوں گے — آپ کتنوں کے ناز اٹھائیے گا
آپ مردم شناس ہیں بخدا — میرے اس حال پر نہ جائیے گا
سچی قسموں کی آپ کو سوگند — ایک جھوٹی قسم بھی کھائیے گا
اف یہ آزردگی خدا کی پناہ — روٹھنے میں بھی مسکرائیے گا
جس سے ملیے گا پھر جدا ہو کر — آپ جیتا اسے نہ پائیے گا
عشق بے ہوش چونک اٹھے گا — ماجرا دوست کا سنائیے گا
یہ کرم، یہ سپردگی بر حق — آپ مشکل سے ہاتھ آئیے گا
کیا کریں گے حجابِ مرگ و حیات — آپ جب درمیاں سے آئیے گا
مرے غم خانے میں جب آئیں آپ — مژدۂ وصل بن کے آئیے گا

وہ جو عفو خطا کرے بھی فراقؔ
کیا زمانے کو منہ دکھائیے گا

اخذ اک اک نفس ممات سے ہے — میرا جینا تعجبات سے ہے
ہم محبت سمجھتے ہیں جس کو — نہ ستم سے نہ التفات سے ہے
لاکھ حالات ساز گار سہی — جو ہے امید تیری ذات سے ہے
اب زمانے میں کیا رہا لے دل — میرا مطلب تری وفات سے ہے
دل کا آنا ہو یا کہ جانا ہو — مدعا اک واردات سے ہے
تو نہ خطرہ بنے گا میرے لیے — اتنی امید تیری ذات سے ہے
شاعری بس اسی کا ہے اظہار — ربطِ پنہاں جو کائنات سے ہے
آدمی خود شناس ہو جائے — یہ بھی اک عشق کے نکات سے ہے
آدمی ایک دن خدا ہو جائے — یہ بھی اے عشق ممکنات سے ہے

مجھ سے ہم چاہتے ہیں اور ہی کچھ — مہربانی تکلفات سے ہے
آدمیت میں تو، وہ کورا ہے — شیخ اہلِ الٰہیات سے ہے
یہ بھی کوئی حیات ہے یارو — واسطہ دور کا حیات سے ہے
جس کو کہتے ہیں لوگ کیفِ نشاط — وہ بھی اک غم ہی کے تجربات سے ہے
نو بہ نو عالمِ نشاط ہے عشق — غم بھی اس کے لوازمات سے ہے
مجھ میں یوں تو ہزار باتیں ہیں — میرا مطلب بس ایک بات سے ہے
جس کو کہتے ہیں سب بقا و دوام — وہ بھی دو روز کی حیات سے ہے
تو مرے اضطراب پر مت جا — بے قراری مری ثبات سے ہے
جن کو ہے صرف فکریات کی فکر — ان کو کیا ربط فکریات سے ہے
مرگِ عاشق جسے بتاتے ہیں — وہ بھی دنیا کے واقعات سے ہے
ہستیِ عشق اک گناہِ عظیم — ہر خطا میری واجبات سے ہے
حضرتِ عشق سب یہ ہنگامہ — آپ کی ذات باصفات سے ہے
میں سراپا قصور ہوں اے دوست — ہر خطا میری واجبات سے ہے
کاش دنیا سے ہو تجھے وہ لگاؤ — جو لگن تجھ کو دینیات سے ہے
زندگی میری ایک وقفۂ غیب — کوئی مطلب نہ دن نہ رات سے ہے
انگبیں شیخ کو مبارک ہو — بادۂ ناب تلخیات سے ہے

کچھ خبر ہے فراق کا جینا
دورِ حاضر کے سانحات سے ہے

کام اس کا ستم کر چکا ہے — اب شکایت سے ہونا ہی کیا ہے
وہم ہر قرب وہ ہر فاصلہ ہے — پاس ہی ہے نہ کوئی جدا ہے

سب کی آنکھوں کا دھوکا ہوا ہے — زندگی اک نظر کی خطا ہے
یہ بھی ہے زندگی کوئی یارب — زندگی زندگی کا گلا ہے
زلف ہوتی چلی ہے پریشاں — دل بکھرتا چلا جا رہا ہے
شب کو انگڑائیاں آ رہی ہیں — دوریِ دوست تو ختم سا ہے
دن ہو یا رات، تنہائیوں میں — دل کو جیسے کوئی کھینچتا ہے
دل سرِ حاشیہ انجمن سے — کیوں اٹھاؤ پڑا ہے پڑا ہے
کیا سے کیا ہو گیا حسن ۱۰ — ہم گدایانِ در کی دعا ہے
ہو چلی زندگی جب سے بد راہ — بارِ ہستی گراں ہو چلا ہے
کون ادھر سے گذر کر ہماری — زندگی ساتھ لیتا گیا ہے
سب لچک ہی لچک، لوچ ہی لوچ ہے — سر سے پا تک وہ موجِ صبا ہے
اچپلاہٹ لپک بجلیوں کی — مسکراہٹ لویں پھوٹتا ہے
تب یہ سنجیدگی ہاتھ آئی — مدتوں عشق روتا رہا ہے
زندگی کا سکوں دیکھ، جیسے — روتے روتے کوئی سو گیا ہے
شبنم آلود گل کی طرح جسم — آپ ہی عکس آپ آئینہ ہے

اس سے شکوہ نہ کوئی شکایت
اے فراقؔ اس کو تم سے گلا ہے

جھلملاتے دیئے تیرہ داماں — اس بدن کا تبسم پنہاں
اس پہ دنیا کے میکدے قرباں — انکھڑیوں کا تری خمارستاں
گنگناتا ہوا خرامِ جہاں — گونج گونج اٹھتی ہے رگِ جاں
اُن نگاہوں نے کچھ کہا بھی نہیں — بات پہنچی بھی مگر کہاں سے کہاں

ڈھونڈیے اور اصطلاح کوئی — نہ نمایاں ہی ہے نہ وہ پنہاں
زندگی کی ہے اور ہی آواز — نغمۂ سرخوشی نہ شورِ فغاں
کون عالم ہے کیف سے خالی — بزمِ ماتم میں بھی ہے ایک سماں
ان نوا ہائے راز کی جھنکار — جیسے کھل جائے خامشی کی زباں
تا قیامت ترا پتہ نہ لگا — ڈھونڈتے ہی رہے زمان و مکاں
جب ملے اس سے رہ گزر میں کہیں — ہو گئے کچھ اشارۂ پنہاں
رو کشِ حسنِ شبنمستاں ہے — یہ پسینے کی تیری کاہکشاں
سانس، موجِ نسیمِ صبحِ چمن — جسم، سرتا قدم بہارستاں
پھیل جاتا ہے مثلِ سایۂ شام — تیری زلفوں کی خوشبوؤں کا دھواں
بے قراری سی بے قراری ہے — دل ہے پہلو میں یا ہے برقِ تپاں
میرے خوابِ گراں بھی بیداری — میری بیداریاں بھی خوابِ گراں
کاش اس کا بھی کوئی مرہم ہو — ہم بھی رکھتے ہیں ایک زخمِ نہاں
زندگی کو ہیں اور بھی کچھ کام — کچھ تو فرصت دے اے غمِ دوراں
ہر غزل میری اک شہرِ نگار — ہر رباعی مری جہاں ستاں

سن رہا ہوں فراقؔ کے اشعار
یہ زباں تو ہے زندگی کی زباں

غزل کے ساز اٹھاؤ بہت اداس ہے رات — نوائے میرؔ سناؤ بہت اداس ہے رات
نوائے درد میں اک زندگی تو ہوتی ہے — نوائے درد سناؤ بہت اداس ہے رات
اداسیوں کے جو ہمراز و ہم نفس تھے کبھی — انہیں نہ دل سے بھلاؤ بہت اداس ہے رات
جو ہو سکے تو ادھر کی بھی راہ بھول پڑو — صنم کدے کی ہواؤ بہت اداس ہے رات

کہیں نہ تم سے تو پھر اور جا کے کس سے کہیں | سیاہ زلف کے سایو بہت اُداس ہے رات
تمہیں قسم ہے قسم نیم وا نگاہوں کی | مژہ نہ اور جھکاؤ بہت اُداس ہے رات
پڑا ہے سایۂ غم جب حیاتِ انساں پر | وہ داستاں بھی سُناؤ بہت اُداس ہے رات
ابھی تو ذکرِ سحر دوستو ہے دُور کی بات | ابھی تو دیکھتے جاؤ بہت اُداس ہے رات
سُنا ہے پہلے بھی ایسے میں بُجھ گئے ہیں چراغ | دلوں کی خیر مناؤ بہت اُداس ہے رات
دئے رہو یونہی کچھ اور دیر ہاتھ میں ہاتھ | ابھی نہ پاس سے جاؤ بہت اُداس ہے رات
کوئی شمار بھی رکھتی ہیں ظلمتوں کی تہیں | بتاؤ غم کی گھٹاؤ بہت اُداس ہے رات
کوئی کہو یہ خیالوں سے اور خوابوں سے | دلوں سے دُور نہ جاؤ بہت اُداس ہے رات
کرو جو غور تو ردّ و قبول یکساں ہیں | دلوں سے نکلی دُعاؤ بہت اُداس ہے رات
یگانگی ہو کہ بیگانگی ہو سب دھوکا | سُنو سب اپنو پرایو بہت اُداس ہے رات
سمیٹ لو کہ بڑے کام کی ہے دولتِ غم | اسے یونہی نہ گنواؤ بہت اُداس ہے رات
بسے ہوئے ہیں کسی کے جو لمسِ رنگیں سے | وہ بسترے نہ لگاؤ بہت اُداس ہے رات
اسی کھنڈر میں کہیں کچھ دئے ہیں ٹوٹے ہوئے | انھیں سے کام چلاؤ بہت اُداس ہے رات
تمدّنوں کے وہ دن رات ہو گئی جن کی | کچھ ان کے حال بتاؤ بہت اداس ہے رات
لئے ہوئے ہے جو بیتے غموں کے افسانے | وہ زندگی ہی بُلاؤ بہت اُداس ہے رات
بھرم نشاط و طرب کے نہ اور بھی کھل جائیں | سبو و ایاغ بڑھاؤ بہت اُداس ہے رات
کبھی تمھارے یہاں بھی ہوئی ہے رات ایسی | مقدروں کے خداؤ بہت اُداس ہے رات

دو آتشہ نہ بنا دے اُسے نوائے فراقؔ
یہ سازِ غم نہ سُناؤ بہت اُداس ہے رات

ساغرِ صبح چکاں لاؤ کہ کچھ رات کٹے
نورِ سیّال کو چھلکاؤ کہ کچھ رات کٹے

فتنۂ جلوۂ رُخ گاؤ کہ کچھ رات کٹے
شعلۂ عشق کو بھڑکاؤ کہ کچھ رات کٹے

یہ لٹک اور یہ ٹھہراؤ فضا کا یہ سکوت
شب کے اے گیسوؤ بل کھاؤ کہ کچھ رات کٹے

بھولے بسرے ہوئے غمہائے حیاتِ رفتہ
تم بھی ایسے میں چلے آؤ کہ کچھ رات کٹے

چار سُو چرخ پہ چھٹکے ہوئے تاروں کی شعاعو!
رگِ ظلمات کو اُکساؤ کہ کچھ رات کٹے

ایک مدت سے فضاؤں میں ہیں شعلے لپکے
سازِ شبنم ہی کو کھنکاؤ کہ کچھ رات کٹے

اوڑھنی اس کی ہوائیں ہیں کہ تاروں بھری رات
کسی گھونگھٹ ہی کو سرکاؤ کہ کچھ رات کٹے

آج ہم میں نہیں وہ جانِ حیا کس سے کہیں
صبح کے رنگ میں شرماؤ کہ کچھ رات کٹے

تم جُدا ہو گئے تو ہو جائے گی یہ رات پہاڑ
رات کی رات ٹھہر جاؤ کہ کچھ رات کٹے

اے کسی صحبتِ دوشینہ کی یادوں کے نقوش
درد بن بن کے اُبلے جاؤ کہ کچھ رات کٹے

ڈبڈبائے ہوئے ہیں دیدۂ انجم کب سے
مسکراتے ہوئے آ جاؤ کہ کچھ رات کٹے

آنچ سے جن کی فلک پر دلِ انجم ہیں گداز
غم کے وہ ساز اُٹھا لاؤ کہ کچھ رات کٹے

دورِ ساغر کو بنائے چلو دورِ افلاک
غمِ آفاق کو بہلاؤ کہ کچھ رات کٹے

جیسے تاروں کی چمک بہتی ہوئی گنگا میں
اہلِ غم کو یونہی یاد آؤ کہ کچھ رات کٹے

اس زمانے میں کہاں ہے کوئی رودادِ نشاط
غم کے افسانے کہے جاؤ کہ کچھ رات کٹے

اس کی پلکوں سے جو رہ رہ کے چھلک جاتے تھے
انھیں افسانوں کو دُہراؤ کہ کچھ رات کٹے

یادِ ایام کی پُروائیو دھیمے دھیمے
میرؔ کی کوئی غزل گاؤ کہ کچھ رات کٹے

دوں کن الفاظ میں اس شعلۂ مخدوم کی داد
عزم دو تیشوں کو چمکاؤ کہ کچھ رات کٹے

آ کے محفل میں فراقؔ آج نہیں نغمہ سرا
جا کے اُس کو بھی بلا لاؤ کہ کچھ رات کٹے

فرقت کی غمگیں راتوں کو یاد میں تیری رو لیں ہیں
تاروں کو جب نیند آئے ہے ہم بھی گھڑی بھر سو لیں ہیں

ساقی بھلا کہاں قسمت میں اب وہ چھلکتے پیمانے
ہم یادوں کے جام چوم کے سوکھے ہونٹ بھگو لیں ہیں

فطرت کی وہ آنکھ مچولی دید کے قابل ہووے ہے
عالم راز میں کلیاں آنکھیں بند کریں ہیں کھولیں ہیں

بے قصور منصور کو ناحق دار و رسن پر کھینچو ہو
لوگو کوئی اور نہیں یہ پردے سے ہم بولیں ہیں

لاکھ لاکھ ہم ضبط کریں ہیں دل ہے کہ اُمڈا آوے ہے
ہمدم آنکھیں بھر آئیں ہیں نام بھی اس کا جو لیں ہیں

پتہ پتہ بوٹا بوٹا وجد کرے ہے گلشن میں
جب مشرق میں شفق پھولے ہے نرم ہوائیں ڈولیں ہیں

کون کرے ہے باتیں مجھ سے تنہائی کے پردے میں
ایسے میں کس کی آوازیں کانوں میں رس گھولیں ہیں

جچی تُلی میزانِ نظر ہے کیا مجال جو فرق پڑے
آنکھوں آنکھوں میں وہ دلوں کو رتی رتی تولیں ہیں

حُسن کے ہاتھوں جب کہیں جاکر کوئی سُرخ رو ہووے ہے
اہلِ وفا پہلے اپنا منہ اپنے لہو سے دھولیں ہیں

اب اکثر بیمار رہیں ہیں کہیں نہیں نکلیں ہیں فراقؔ
حال چال لینے ان کے گھر کبھو کبھو ہم ہو لیں ہیں

نورس غنچے پنکھڑیوں کی نازک گرہیں کھولیں ہیں
یا اُڑ جانے کو رنگ و بو گلشن میں پر تولیں ہیں

تارے آنکھیں جھپکاویں ہیں ذرّہ ذرّہ سوئے ہے
تم بھی سنو ہو یارو شب میں سنّاٹے کچھ بولیں ہیں

ہم ہوں یا قسمت ہو ہماری دونوں کو ایک ہی کام ملا
قسمت ہم کو رو لیوے ہے ہم قسمت کو رولیں ہیں

جو مجھ کو بدنام کریں ہیں کاش وے اتنا سوچ سکیں
میرا پردا کھولیں ہیں یا اپنا پردا کھولیں ہیں

یہ قیمت بھی ادا کریں ہیں ہم بہ درستی ہوش و حواس
تیرا سودا کرنے والے دیوانہ بھی ہولیں ہیں

تیرے غم کا پاس ادب ہے کچھ دُنیا کا خیال بھی ہے
سب سے چھپا کے درد کے مارے چُپکے چُپکے رولیں ہیں

فطرت کا قائم ہے توازن عالمِ حُسن و عشق میں بھی
اس کو اتنا ہی پاویں ہیں خود کو جتنا کھولیں ہیں

آب و تابِ اشعار نہ پوچھو تم بھی آنکھیں رکھو ہو
یہ جگ مگ بیتوں کی دمک ہے یا ہم موتی رولیں ہیں

ایسے میں تو یاد آئے ہے انجمنِ مے میں رندوں کو
رات گئے گردوں پہ فرشتے بابِ گنہ جب کھولیں ہیں

صدقے فراقؔ اعجازِ سخن کے کیسے اُڑا لی یہ آواز
اِن غزلوں کے پردوں میں تو میرؔ کی غزلیں بولیں ہیں

اب اکثر چپ چپ سے رہیں ہیں یونہی کبھو لب کھولیں ہیں
پہلے فراق کو دیکھا ہوتا اب تو بہت کم بولیں ہیں

دن میں ہم کو دیکھنے والو اپنے اپنے ہیں اوقات
جاؤ نہ تم ان خشک آنکھوں پر ہم راتوں کو رو لیں ہیں

فطرت میری عشق و محبت قسمت میری تنہائی
کہنے کی نوبت ہی نہ آئی ہم بھی کسو کے ہو لیں ہیں

خنک سیہ مہکے ہوئے سائے پھیل جائیں ہیں جل تھل پر
کن جتنوں سے میری غزلیں رات کا جوڑا کھولیں ہیں

باغ میں وہ خواب آور عالم موجِ صبا کے اشاروں پر
ڈالی ڈالی نورس پتے سہج سہج جب ڈولیں ہیں

اُف وہ لبوں پر موجِ تبسم جیسے کروٹیں لیں کوندے
ہائے وہ عالم جنبشِ مژگاں جب فتنے پر تولیں ہیں

نقش و نگارِ غزل میں جو تم یہ شادابی پاؤ ہو
ہم اشکوں میں کائنات کے نوکِ قلم کو ڈبو لیں ہیں

ان راتوں کو حریم ناز کا اک عالم ہوئے ندیم
خلوت میں وہ نرم انگلیاں بندِ قبا جب کھولیں ہیں

غم کا فسانہ سننے والو آخرِ شب آرام کرو
کل یہ کہانی پھر چھیڑیں گے ہم بھی ذرا اب سو لیں ہیں

ہم لوگ اب تو اجنبی سے ہیں کچھ تو بتاؤ حال فراق
اب تو تمہیں کو پیار کریں ہیں اب تو تمہیں سے بولیں ہیں

ہم سے فراقؔ اکثر چھپ چھپ کر پہروں پہروں روؤ ہو
وہ بھی کوئی ہمیں جیسا ہے کیا تم اس میں دیکھو ہو

جن کو اتنا یاد کرو ہو چلتے پھرتے سائے تھے
ان کو مٹے تو مدت گزری نام و نشاں کیا پوچھو ہو

جانے بھی دو نام کسی کا آ گیا باتوں باتوں میں
ایسی بھی کیا چپ لگ جانا کچھ تو کہو کیا سوچو ہو

پہروں پہروں تک یہ دنیا بھولا سپنا بن جائے ہے
میں تو سراسر کھو جاؤں ہوں یاد اتنا کیوں آؤ ہو

کیا غمِ دوراں کی پرچھائیں تم پر بھی پڑ جائے ہے
کیا یاد آ جائے ہے یکایک کیوں اداس ہو جاؤ ہو

جھوٹی شکایت بھی جو کروں ہو پلک دیپ جل جائیں ہیں
تم کو چھیڑے بھی کیا تم تو ہنسی ہنسی میں رودو ہو

غم سے غیرِ عشق اٹھا ہے حسن کو دیویں کیا الزام
اس کے کرم پر اتنی اداسی دل والو کیا چاہو ہو

ایک شخص کے مر جانے سے کیا ہو جائے ہے لیکن
ہم جیسے کم ہوئیں ہیں پیدا پچھتاؤ گے دیکھو ہو

اتنی وحشت اتنی وحشت صدقے اچھی آنکھوں کے
تم نہ ہرن ہو میں نہ شکاری دور اتنا کیوں بھاگو ہو

میرے نغمے کس کے لئے ہیں خود مجھ کو معلوم نہیں
کبھی نہ پوچھو یہ شاعر سے تم کس کا گن گاؤ ہو

پلکیں بند السائی زلفیں نرم سیج پر بکھری ہوئی
ہونٹوں پر اک موجِ تبسم سوؤ ہو یا جاگو ہو

اتنے تپاک سے مجھ سے ملو ہو پھر بھی یہ غیریت کیوں
تم جیسے یاد آؤ ہو برابر میں ہوں وہی تم بھولو ہو

کبھی بنا دو ہو سپنے کو جلوؤں سے رشکِ گلزار
کبھی رنگِ رُخ بن کر تم یاد آتے ہی اُڑ جاؤ ہو

گاہ ترس جائیں ہیں آنکھیں رسبھری روپ کے درشن کو
گاہ نیند بن کے راتوں کو نین پٹوں میں آؤ ہو

اس دُنیا ہی میں ہے سُنیں ہیں اک دُنیائے محبت بھی
ہم بھی اسی جانب جاویں ہیں بولو تم بھی آؤ ہو

بہت دنوں میں یاد کیا ہے بات بنائیں کیا اُن سے
جیون ساتھی دیکھ پوچھیں ہیں کس کو ہیں تم سوچو ہو

چُپ چُپ سی ہے فضائے محبت کچھ نہ کہے ہے خلوتِ راز
نرم اشاروں سے آنکھوں کے بات کہاں پہونچاؤ ہو

ابھی اسی کا انتظار تھا۔ اور کتنا اے اہلِ وفا
چشمِ کرم جب اُٹھنے لگی ہے تو اب تم شرماؤ ہو

غم کے ساز سے چنچل انگلیاں کھیل رہی ہیں رات گئے
جن کا سکوت ابد ہے وے پردے کیوں چھیڑو ہو

کچھ تو بتاؤ رنگ روپ بھی تم اس کا اے اہلِ نظر
تم تو اس کو جب دیکھو ہو دیکھتے ہی رہ جاؤ ہو

اکثر گہری سوچ میں ان کو کھویا کھویا پاویں ہیں
اب ہے فراق کا کچھ روز دن سے جو عالم کیا پوچھو ہو

دارالسلطنتوں کو بنایا دولت مند انسانوں نے
نغموں کا اک شہر بسایا میرے دل کے ترانوں نے

عشق کے تکئے میں آئے ہیں باادب اہلِ دولت و جاہ
اس مٹی کو سلام کیا ہے بڑے بڑے ایوانوں نے

آج وہی دل گلیوں گلیوں مارا مارا پھرتا ہے
وہ دل جس کا طواف کیا ہے کعبوں نے بتخانوں نے

یاروں کی خوش فہمی کہئے یا غیروں کی غلط فہمی
اے غمِ دل تجھ کو کب سمجھا اپنوں نے بیگانوں نے

ہر سینے میں کہیں نہ کہیں کوئی تہ خانۂ غم بھی ہے
مجھ کو اس کا پتہ دیا ہے ہر دل کے تہ خانوں نے

ان کی مثالیں علوم کی تجربہ گاہوں میں بھی نہیں ملتیں
مجھ کو دکھائے ہیں جو عجائب دل کے عجائب خانوں نے

جن کو حجابِ اکبر کہئے جن تک ہاتھ نہ پہونچے تھے
وہ پردے بھی چاک کئے کیا غضب کیا دیوانوں نے

جن راہوں سے گزرتے ہوئے جبریل کے بھی پر جلتے تھے
وہاں بھی جھنڈے گاڑ دیئے انسانوں نے انسانوں نے

لختِ جگر کے لعل و جواہر تجھ پہ نچھاور کر ڈالا
کچھ سر و ساماں کر ہی لئے ہم جیسے بے سامانوں نے

اس قصرِ تہذیب و تمدن کی روداد سنو مجھ سے
کچھ حقیقتوں نے بھی بنایا کچھ رنگیں افسانوں نے

کیا جواز میں پیش کروں اس جرم کی کیسے صفائی دوں
کیوں رُلوایا اک دنیا کو یا رب میرے ترانوں نے

بیگانے بھی ان کو سُنیں تو مشکل ہی سے یقین کریں
جو جو مجھ پہ ستم ڈھائے ہیں کچھ جانوں پہچانوں نے

اوروں کی آنکھوں کو ملی ہے کب وہ دولتِ نظّارہ
شاہدِ ہستی کو دیکھا تو دیکھا ہم حیرانوں نے

آہ یہ غم کے کوہِ گراں یہ دُنیا کے بیکس انساں
پھول کی طرح اٹھایا جس کو ان کے ناتواں شانوں نے

عالم، فاضل، جانکار اس باب میں کچھ بھی کر نہ سکے
دیا ہے مجھ کو پتہ وہاں کا اے دل کچھ انجانوں نے

کرشن سے تا سقراط کوئی کس کس کا نام گِنائے گا
کیا کیا قیدی دیکھے اے دُنیا تیرے زندانوں نے

کچھ غمِ دوراں کچھ غمِ جاناں کچھ غمِ انساں کچھ غمِ عشق
ایک مہابھارت لکھ ڈالی یعنی چند انسانوں نے

دشتِ جنوں کے خاک نشینو کچھ تو بتاؤ ہم کو بھی
تم تو وہیں کے ہو بیٹھے، کیا تم سے کہا ویرانوں نے

خلد کی آنکھوں نے بھی جن کو ساری عمر نہ دیکھا تھا
نغموں کے وہ پھول کھلائے اِن دُکھ بھرے ترانوں نے

نا گھر میرا نا گھر تیرا چڑیا رَین بسیرا رے
یادِ رفتگاں کی تصویریں کھینچی ہیں کاشانوں نے

کتنے دنوں سے دنیا ہے محرومِ نظر، محرومِ خبر
مڑ کے بھی تو کچھ نہ بتایا تیرے سُراغ رسانوں نے

ذکرِ اکابر کرنے والو! کچھ اس پر بھی غور کیا
کتنا اس دُنیا کو سنوارا معمولی انسانوں نے

وہم و یقیں ایمان و تشکک اقرار و انکار و سکوت
کیا کیا مجھ کو سکھایا ہے چنچل آنکھوں کے بہانوں نے
لاعلمی ناواقفیت ناتجربہ کاری معصومی
سوچو تو کیا نہ دیا داناؤں کو نادانوں نے
کرشن و محمدؐ و عیسیٰؑ نے کس ظلمت میں آنکھیں کھولیں
کیسے کیسے چراغ جلائے دُنیا کے غم خانوں نے
شعر و شاعری بڑی پُرانی چیزیں ہیں لیکن مجھ کو
اپنی طرف بُلایا تھا اس فن کے نئے امکانوں نے
مہر و مہ و انجم نے ابھی تک جس نہ کھولا تھا ساقی
کھولے ہیں وہ رازِ فلک کچھ نور چکاں پیمانوں نے
دور بہ دور اب آ پہونچا ہے اب وقت صبوحی موجِ نسیم
ہوں ہے ادانِ سحر ساقی لی انگڑائی میخانوں نے
اے دھرتی کے اینیو تم اس فراق کی قدر کرو
نغمۂ خلد بنایا تم کو آج اسی کے ترانوں نے

ایسی بیخودی یارو کب تک آپے میں بھی آؤ گے
یا میرے نغمے سن سن کر تم رونے ہی جاؤ گے
ترکِ محبت کے دھوکے میں خود کو تم سمجھاؤ گے
کب تک یارو سچے دل سے جھوٹی قسمیں کھاؤ گے
جانے کب سے سُنا رہا ہوں مہر و مہ و انجم سے کہو
میری کہانی لمبی ہے سنئے سُنتے سو جاؤ گے

سینے سے لگا کر رکھا تھا اے رنگا رنگ گلو تم کو
یہ مجھ کو معلوم نہ تھا تم داغِ جگر بن جاؤ گے

جب سے گئے ہو رہتی دُنیا ہے اک بھولی بسری یاد
میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا تم اتنا یاد آؤ گے

میری بند آنکھوں پہ نہ جاؤ جب چاہو تم دیکھ آؤ
جاگتوں کو سوتا پاؤ گے مجھ کو جاگتا پاؤ گے

بیکس انسانوں پہ مظالم دولت و ثروت کی خاطر
ایسا کرکے خاکم بدہن کیا یارو خدا ہو جاؤ گے

شورِ جہاں سے رخصت لے کر سُن لو میرے نغموں کو
خاموشی کے دل کی دھڑکنیں ان میں کچھ سُن پاؤ گے

وقفِ ماتم ہونے والو یہ بھی کبھی سوچا ہے کہ جب
تم اپنے ہی کام نہ آئے پھر کس کے کام آؤ گے

افسانہ گویانِ جہاں سے کہہ دو تم اس غمِ دُنیا کا
افسانہ کہتے کہتے خود افسانہ بن جاؤ گے

راہِ زندگی میں کوئی آخر تک ساتھ نہیں دیتا
دل کا ساتھ اس راہ گذر میں چھوڑتے ہو پچھتاؤ گے

دُور سے جس دن میری غزل کی تان پڑے گی کانوں میں
ہنستی آنکھوں میں بھی اُس دن تم آنسو بھر لاؤ گے

کیوں چھیڑ چھیڑ کے پوچھتے ہو روداد مری اُفتاد مری
میں کہہ کہہ کے پچھتاؤں گا تم سُن سُن کے پچھتاؤ گے

دُنیا دُنیا عالم عالم جس دن کے افسانے ہیں
اسے گئے تو مدت گذری کہاں اسے اب پاؤ گے

اس غم خانے سے جب گزروگے جس کو مرا گھر کہتے تھے
صحرا صحرا وحشت ہوگی دریا دریا ڈوب جاؤ گے

حُسنِ خطابت کے ہیں صدقے نکتہ سنجیوں کے قرباں
سب کچھ یوں تو بتاتے ہو مجھ کو اک بات بتاؤ گے

(ق)
شرحِ زندگی کرنے والو تم کو چُپ لگ جائے گی
میرے سوال پہ کچھ دل ہی دل سُوچ سُوچ رہ جاؤ گے

اے عرشِ بریں کے فرشتو تم دُنیا میں آنے کا نام نہ لو
دُنیا میں بہت دُکھ دیکھو گے دُنیا میں بہت دُکھ پاؤ گے

آج الہٰ آباد ہے سونا شاعر کے اُٹھ جانے سے
صدیوں صدیوں ڈھونڈو گے لیکن کہاں فراقؔ کو پاؤ گے

ظاہر ہو ہو کے فراقؔ تم آنکھ اوجھل ہو جاتے ہو
یا پردوں میں فکرِ سخن کے من کی جوت جگاتے ہو

کچھ اپنی منزل تم بتاؤ کوئی سُراغ تو دو اپنا
روز اے بادِ نسیم کے جھونکو کہو کس دُنیا سے آتے ہو

تم کو اب ہم کیسے منائیں کیسے اپنی صفائی دیں
پوچھتے ہیں رنجش کا سبب تم سے تو قسم کھا جاتے ہو

اے دُنیا والو یہ کہو کب سے یہ سلسلہ جاری ہے
آدم کی اُلجھائی ہوئی گُتھی اب تک سُلجھاتے ہو

اب تو کسی کی یاد بھی دل میں آئی نہیں اک مدّت سے
اے میری آنکھوں کے پیالو کیوں تم بھر بھر آتے ہو

میری ہی آواز میں جیسے مجھ سے کوئی کہہ جاتا ہے
پہلے میری بات نہ مانی اب بیٹھے پچھتاتے ہو

یہی ادا تو جانے مجھ سے کیا کیا کچھ کہہ جاتی ہے
تم کو کچھ کہنا ہے لیکن کہتے کہتے رُک جاتے ہو

ہائے وداعِ یار کا عالم وائے عشق کی مجبوری
بس اتنا ہی کہا دمِ رخصت اُن سے اچھا جاتے ہو!

مجھ کو محبت کی تکلیفیں یہ تو نہیں معلوم نہ ہوں
ترکِ محبت کر کے بھی یارو کون بڑا سُکھ پاتے ہو

میں بھی تمھاری بات کا مطلب دن بھر سوچا کرتا ہوں
پچھلی رات اے ڈوبتے تارو مجھ سے کیا کہہ جاتے ہو

جانے کتنے خوابِ محبت درمیان آ جاتے ہیں
تم میرے آغوش میں آکر اور دور ہو جاتے ہو

ہاں کیسی وہ سرزمیں ہے ہاں کیسی وہ دُنیا ہے
اے ماہ و انجم کے اشارو مجھ کو کہاں بلاتے ہو

تاریکی تو مٹ جاتی ہے پھر کیوں پوچھتے ہو مجھ سے
غم کے چراغ جلاتے ہو کہ خوشی کے چراغ جلاتے ہو

اہلِ زمیں یا اہلِ فلک ہوں دونوں کو نیند آ جاتی ہے
جاگ جاگ کے تم بھی تو اے شمس و قمر سو جاتے ہو

کام اور بات میں بڑا فرق ہے کاش اسے سمجھیں شاعر
تم ایک اپنے سکوتِ ناز سے کیا کیا کام بناتے ہو

وہ محتسب ہوں اے اہلِ قدس جو عقدہ کشائے دو عالم ہے
چاند ستاروں کی زنجیریں کیوں پہناتے ہو

رہتی دُنیا کے باشندو! محو بیاں ہو صدیوں سے
کون کہانی کہتے کہتے یارو تم سو جاتے ہو
کیا دیوانگی ہے اے پھولو! کس لئے کپڑے پھاڑے ہیں
کس پر باغ بیاباں میں تم ہنس ہنس کر رہ جاتے ہو
تا بہ حشر میخانۂ شب میں جو خالی ہی نہیں ہوتے
تم کو مرحبا اے مہ و انجم کیسے جام چھلکاتے ہو
اس کی باتیں سنتے ہوئے تو مجھ کو ایک زمانہ ہوا
آج اے اس کے خطاب و کلام اتنا کیوں تم یاد آتے ہو
اس کے چاہنے والو کیوں تم کو چُپ سی لگ جاتی ہے
کیا کہنا ہے اس سے جیسے کہتے کہتے رُک جاتے ہو
اے کچھ خونِ جگر کے قطرو کیا ہے تمھاری بساط مگر
بن جاتے ہو اک دریا اشعار میں جب ڈھل جاتے ہو
کون وہ عاشق کامل ہے، ہاں کون ہے وہ یکتا معشوق
اپنی غزلوں میں فراقؔ تم کس کا حال سُناتے ہو

کاہکشاں سے آگے اپنے نغموں کو لے جاتے ہو
کہاں فراقؔ ہمیں بھی بتاؤ تم یہ شہر بساتے ہو
میری باتیں اُتر گئی ہیں مہر و ماہ کے سینوں میں
میری باتوں کو سُن کر تم چیں بہ جبیں ہو جاتے ہو
مجھ سے زمانہ کہتا ہے کہ تمھاری شعلہ نوائی سے
آگ دلوں میں لگ جاتی ہے تم کیسے بچ جاتے ہو

کیف و اثر میں ڈوبی غزلیں میں جس وقت سناتا ہوں
جاگ اٹھتی ہے روح تمھاری تم لیکن سو جاتے ہو

جیتے جی تو بات نہ پوچھی اب جب وہ دُنیا میں نہیں
عُرسِ دلِ مرحوم میں یارو جوق جوق تم آتے ہو

مہر و مہ و انجم کی رسائی دور دور تک وہاں نہیں
تم اے خوابو اور خیالو کس دُنیا سے آتے ہو

چرخِ تمدن کے سیّارو کیا دو گے تم میرا ساتھ
صدیوں جاگ جاگ کے آخر تم بھی تو سو جاتے ہو

رونا تو ہے سمجھنے ہی کا ناسمجھی کی شکایت کیوں
سب کچھ سمجھے بیٹھا ہوں میں تم کس کو سمجھاتے ہو

کس دل سے آئینہ دیکھوں اپنے لئے بھی اجنبی ہوں
اب تو تم اے عکسو مجھ سے بھی آنکھ چُراتے ہو

میرے گھر کی قسمت ہی میں نہیں جب اسکے نقشِ قدم
کس کے لئے اے میرے عزیزو در و دیوار سجاتے ہو

کیا بات ایسی ہے تم میں اے میرے درد بھرے نغمو
تم جو ہزاروں آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ جاتے ہو

سُن کے مری روداد دوستو اپنی بیتی بھی تو کہو
سُنتے ہو جب میری کہانی سُنتے ہی رہ جاتے ہو

یوں تو تم کچھ بھی نہیں بدلے ملتے ہو جیسے ملتے تھے
تم ہو وہی لیکن کیوں دل کو کچھ سے کچھ کر جاتے ہو

اپنے دردوں سے پوچھا ہے میں نے اکثر حیرت سے
دل ہی میں کیوں تم جاگ کے دل ہی میں سو جاتے ہو

یارو جو دل دور وطن سے گمنامی میں دفن ہوا
آج تم اس کی زیارت کرنے کہاں کہاں سے آتے ہو
اور ہی کوئی بات اُٹھاؤ آج تم اے میرے اشعار
بھولے بسرے ہوئے غموں کی کیوں تم یاد دلاتے ہو
یارو میری کیا حالت ہے آخر کچھ میں بھی تو سُنوں
مجھ سے کیوں پردہ کرتے ہو کس لئے مجھے چھپاتے ہو
اے دل والو ممکن ہو تو کہو کیوں ایسا ہوتا ہے
اکثر بے کچھ یاد آئے تم نم دیدہ ہو جاتے ہو
اے غم والو دُنیا سے اے نامراد جانے والو
تم پہ سلام و درود کہ تم کچھ دنیا کو دے جاتے ہو
میں بھی تمھاری طرح ہوں بھائی اے تنہا جینے والو
کیسے وقت کاٹ لیتے ہو کیسے جی بہلاتے ہو
دیکھو صاف نظر آتے ہیں اس کے نغموں کے مینار
ہم تو فراق نگر جاتے ہیں بولو تم بھی آتے ہو

میں نے انھی کانوں سے سُنا ہے اس کی چوکھٹ گاتی ہے
جہاں قدم پڑتے ہیں اس کے دھرتی لو دے جاتی ہے
ایک نگاہِ شوق کا عالم ہوتا ہے اُس کا جلوہ
کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا ہے جب وہ آنکھ شرماتی ہے
کیسی ہے یہ میری زندگی یارب تو ہی بتا اس کو
جس پہ کبھی رونا آتا ہے کبھی ہنسی بھی آتی ہے

یوں تو خوب سمجھتی ہے ہر ایک چال ہر ایک فریب
کوئی مصلحت ہے کہ محبت جان کے دھوکا کھاتی ہے

جس کو خوشی کہتی آئی ہے دنیا باغِ عالم میں
اک نازک سی کلی ہے جو کھلتے ہی مرجھا جاتی ہے

میرے چپ رہنے کو دنیا ایک داستان کر بیٹھی
دنیا سے کہو خاموش رہے کیوں دنیا منہ کھلواتی ہے

عشق کی پھوٹی قسمت کی ہے اور بات یا رب لیکن
میں نے سنا ہے دل سے نکلی آہ کام کر جاتی ہے

بیٹھے بٹھائے میری محبت جس کارن بدنام ہوئی
کوئی بات نہیں وہ لیکن کہتے ہیں تو آتی ہے

جو دنیا نے نہیں دیکھے تھے جن کو خیال چھو نہ سکے
ان آنکھوں کو دل کی آنکھ بھی کیا کیا خواب دکھاتی ہے

دل کی بساط ہی کیا ہے یارو پھر بھی بات ہے کہنے کی
دل کی راہ اک گام ہے لیکن دور دور تک جاتی ہے

ناگن سی لہراتی ہے جو ان تاریک فضاؤں میں
یاد ہے شب گوں زلفوں کی یا رات کی لٹ بل کھاتی ہے

کہنے کو تو سب کچھ کہئے لیکن اس کو کیا کہئے
سب کچھ اس سے کہنے پر بھی کوئی بات رہ جاتی ہے

عقل و ہوش ادراک و تدبر غور و فکر سب ہے لیکن
ناسمجھی کو کیا کہئے ہر بات سمجھ میں آتی ہے!

صحرائے ظلماتِ جہاں میں میری فکر راہ نما
میرے لہو کے چراغ جلا کر سب کو راہ دکھاتی ہے

اوروں کی آواز چلی جاتی ہے یہاں بالا بالا
میری شاعری ہے جو دلوں کی دُکھتی رگ چھُو جاتی ہے

ابر بہاراں کہیئے اُسے یا اُمڈے ہوئے آنسو کہیئے
ہر اک دل کے آسمان پر کوئی گھٹا منڈلاتی ہے

اُس کے رُخِ رنگیں میں کہاں سے ایسی نرم دمک آئی
پہلی صبح جہاں تھی میری یاد جہاں تک جاتی ہے

ہر ہستی کہتی ہے تجھ کو میں نے نہیں برباد کیا
رہی تری یہ نرگس رعنا وہ بھی قسم سی کھاتی ہے

آتی جاتی رہتی ہیں شامیں سب کی زندگی میں لیکن
جو نہ طلوعِ سحر دیکھے کیا ایسی شام بھی آتی ہے

بڑے بڑے سادنتوں کو دیکھا ہے ڈالتے تیغ و سپر
عشق کے صدمے جو سہہ لے وہ ہم ایسوں کی چھاتی ہے

یہ بہلاوا اے شبِ ہجراں شاید ہی آج آئے کام
سُنتے آئے ہیں دُنیا میں ہر ایک رات کٹ جاتی ہے

ان نغموں سے جگاتا ہوں سوتی دُنیا کو جنھیں سُن کر
دن کو غشی سی آ جاتی ہے رات آنکھ جھپکاتی ہے

کہاں پہونچ ہے اوروں کی ان باتوں تک ان بھیدوں تک
میری طبع رسا ہے جو یارو ایسی غزل کہلاتی ہے

سامنے کی باتیں ہیں لیکن دور دور تک جاتی ہیں
تیری فکر اے شاعر دوراں ان کو کہاں سے لاتی ہے

اس کی آہٹ پا جاتا ہوں وہ لاکھ دبے پاؤں آئے
جیسے سینے میں راز آئے چاپ اُن قدموں کی آتی ہے

میں وہاں چراغاں کرتا ہوں ظلمت کدۂ ہستی میں جہاں
تدبیر کے بجھ جاتے ہیں کنول تقدیر کو نیند آجاتی ہے

دنیا دنیا عالم عالم تیرے حُسن کے جلوے ہیں
اس کو خبر کہیئے کہ نظر جو اذنِ کُفر دے جاتی ہے

یارب اس رہتی دُنیا میں جس کو روز دیکھتا ہوں
اک جاتی ہوئی دُنیا مجھ کو روز نظر آجاتی ہے

مجھ کو کبھی سرگوشی میں اے موجِ نسیم بتا جاتی
روز کہاں سے تو آتی ہے روز کہاں تو جاتی ہے

جس کو سکوتِ سرمدی کہیئے جس کو جہانِ دگر کہیئے
یہ خاموشی اس دُنیا کی کچھ روداد سُناتی ہے

اور لوگ بھی بول رہے ہیں لیکن بات نہیں بنتی
گو وہ آنکھ خاموش ہے لیکن کیا کیا بات بناتی ہے

جن راتوں کو اے غمِ ہجراں مجھ کو نیند نہیں آتی
میری قسمت ان راتوں میں کس کروٹ سو جاتی ہے

انجانوں سے اجنبیوں سے غیروں سے بیگانوں سے
مجھ کو فراقؔ ہر اک جانب سے بوئے محبت آتی ہے

جب آنکھیں جھپکاتے ہیں تارے جب دُنیا سو جاتی ہے
اُن راتوں کے سناٹوں میں مجھ کو تری یاد آتی ہے

یوں تو سُنائی نہیں دیتی ہے یوں وہ تیر و سناں بھی نہیں
کس کی آہ فضاؤں کا یوں سینہ چیرتی جاتی ہے

دل کی دُنیا ہے یہ یا بستی ہے تیری یادوں کی
رات گئے تک جاگ جاگ کے رات رہے تک سو جاتی ہے

اے شبِ غم کے جاگنے والو تم کو تو خود ہے معلوم
جاتے جاتے غم جاتا ہے آتے آتے نیند آتی ہے

رنگِ گُل اور بوئے گُل دونوں بس دو دن کے ہیں مہماں
یہ کس بل بھی دو روزہ ہے، کیوں موجِ صبا اٹھلاتی ہے

رہتی دُنیا میں رہ رہ کے اُٹھتے ہیں کیا کیا ہنگامے
میری آنکھ وہ نیند کی ماتی جاگتے ہی سو جاتی ہے

فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک کتنے نازک رشتے ہیں
ہو جاتے ہیں اُداس انجم جب کوئی کلی کُمھلاتی ہے

کہنے والو کہنے کی یوں تو لاکھوں باتیں ہیں لیکن
جس کو غزل کہئے بس وہ تو ایک بات دُہراتی ہے

نقشِ قدم سے دور دور تک لالہ و گُل کھِل اُٹھتے ہیں
کشتِ خرام کے دور دور تک راہ لہلہا جاتی ہے

مجھ سے پوچھو کیا ہے لوگو اس کی ٹھہری ٹھہری نگاہ
ایک چھُری جو چلتی نہیں اور دل میں اُترتی جاتی ہے

مہر و مہ و انجم کی سانسیں رُک جاتی ہیں سینوں میں
میری غزل ظلماتِ جہاں میں جس دم دئے جلاتی ہے

کون وہ نرگسِ جادو ہے جو سوئی ہوئی قرنوں سے
کون آنکھ ہے جس کو دُنیا صبحِ ازل سے جگاتی ہے

وہ جُنبشِ دامنِ ناز نہیں وہ موجِ صبا بھی نہیں لیکن
جس دم محفل میں وہ آتا ہے شمع جھلملا جاتی ہے

کون بتائے کیوں وہ رہی ہے آئینہ شانہ سے بیزار
شاہد ہستی میری غزل جس کی زلفیں سلجھاتی ہے

دکھ درد کی ماری دنیا کو مری آواز کے سائے ہیں
یک گونہ سکوں مل جاتا ہے کچھ دیر نیند آجاتی ہے

دور دور تک لاکھ پکارو اس کا سراغ نہیں ملتا
جو تہذیب رسوم کہن کی وادیوں میں کھو جاتی ہے

ہے اک ناتمام افسانہ ہر اک کی رودادِ حیات
ہر ہستی میں تادمِ آخر کوئی کمی رہ جاتی ہے

ہر بار مجھے اُکساتا ہے دل رازِ محبت کہنے کو
وہ تیری نظر ہے جو مجھ کو ہر بار قسم دے جاتی ہے

چشم منتظر کی تعجیلیں آمدِ یار کی تاخیریں
پل بھر کی بھی دہر میں ہمدم بڑی دیر ہو جاتی ہے

ایک شبِ ہستی میں آئے طائفے کتنے قرنوں کے
اتنی چھوٹی رات میں دنیا کیا کیا سوانگ رچاتی ہے

پتہ پتہ بوٹا بوٹا تب آتا ہے رنگ پہ جب
اپنے آنسوؤں کے شبنم گلزار کا منہ دھو جاتی ہے

سدا سہاگن اسی کی محبت سدا سہاگ اُسی کا روپ
بعد کی نظروں میں بھی جس کی پہلی نظر یاد آتی ہے

ایک مرد کامل نے کہا کل ذکرِ نفاق و عداوت پر
منشِ دوستی یہ بھی ہے فن کتنوں کو دشمنی آتی ہے

آج اسے دیدۂ عبرت جن کو دفن ہوئے صدیاں گزریں
خاک ان سوزِ نہاں والوں کی اب بھی دھواں دے جاتی ہے

سب کے درمیاں ہوں میں لیکن کیسے بتاؤں کیا ہوں میں
پاس کی ہر آواز بھی اب تو بڑی دور سے آتی ہے

دن ڈوبے آجاتے ہیں کہاں کہاں سے لوگ اے دوست
تیری راہ میں بیٹھے بیٹھے مجھ کو رات ہو جاتی ہے

میں نے اس کو نہیں دیکھا ہے کیسے بتاؤں کیسے کہوں
کس کے رُخ سے میری غزل یارب گھونگھٹ سرکاتی ہے

اس میخانۂ عشق میں تم نے ناحق زحمت کی اے خضر
جہاں زندگی جامِ ہلاہل پی کے امر ہو جاتی ہے

اس منزل سے گزرنا ہے اے قافلۂ تاریخِ جہاں
تدبیر کے بُجھ جاتے ہیں دیے تقدیر کو نیند آجاتی ہے

ہاں اس بزمِ سماع میں اکثر وجد کیا ہے میں نے بھی
سازِ سکوت جہاں بجتے ہیں جہاں خامشی گاتی ہے

پھوٹتی ہے پَو بطنِ اُفق سے یا ہے فسونِ کُن فیکوں
اربوں سال پرانی دُنیا روز نئی ہو جاتی ہے

گلشنِ ہستی میں یہ کیسا جشنِ بہاراں ہے یارو
ایک کلی تب کھلتی ہے جب لاکھ کلی مُرجھا جاتی ہے

اس دُنیا ہی میں گزری ہیں ایسی ہستیاں بھی جن کی
بے عملی بھی اہلِ جہاں کو درسِ عمل دے جاتی ہے

وہ الہامی لمحے بھی آتے ہیں حیاتِ شاعر میں
خلوتِ دل بھی جن لمحوں میں غارِ حرا بن جاتی ہے

صبحِ ازل آواز میں میری گھُلی ہوئی ہے اے دُنیا
وقتِ غزل خوانی وہ مجھ کو نور میں نہلا جاتی ہے

چھیڑ چھیڑ کے پوچھ رہی ہے دُنیا وجہِ غمگینی
اور محبّت ہے کہ ترا مُنہ دیکھ دیکھ رہ جاتی ہے

الوداع اے جنم ساتھیو! الفراق اے ہمدردو!!
اک اَن سُنی پکار دیر سے مجھ کو کہیں بُلاتی ہے

اب تم سے رخصت ہوتا ہوں آؤ سنبھالو سازِ غزل
نئے ترانے چھیڑو میرے نغموں کو نیند آتی ہے

دُنیا دُنیا عالم عالم جس کے آج افسانے ہیں
اس فراق کی رام کہانی کس کی سمجھ میں آتی ہے

---

# قلم بندی

اس دیارِ بیکسی میں زندگی کی بو نہ باس
خامشی کہتی نہیں کچھ کیا یقیں ہو کیا قیاس
کوئی آگے ہے نہ پیچھے دور ہو کوئی نہ پاس
پھول خشک افسردہ سبزہ شمع چپ بالیں اُداس
دل بھر آیا عالمِ گورِ غریباں دیکھ کر

تسنیم

مجھے سمجھتے ہیں سب یوں تو تیرا دیوانہ
نصیب سب کو نہیں ہمتیں یہ مردانہ
وہ اک نگاہ تھی اپنی جگہ اک افسانہ
مجھی کو ناز سے دیکھا جلا جو پروانہ
تم ایک بزم میں مردم شناس بیٹھے ہو

تعشق

ڈوب چلا تھا آفتاب کوئی نہ دور تھا نہ پاس
ٹھہری ہوئی ہوائیں کچھ کرتی ہوں جیسے التماس
گہرے سکوتِ وقت میں میں ہی تھا ایک غم شناس
شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

فراق

پھر وہی گردشِ فلک پھر وہی کاوشِ حیات
پھر وہی داستانِ غم پھر وہی زندگی کی رات
پھر وہی یادِ رفتگاں پھر وہی حسرتوں کی بات
پھر ہیں وہی اداسیاں پھر وہی سونی کائنات
اہلِ طرب کی محفلیں رنگ جما کے رہ گئیں

فراق

ظرفِ بادہ میں یہ ٹیس اور کسک تھی کیسی
دلِ ساغر میں کس انداز کی یہ دھڑکن تھی
آب و گل کی بھی سرشت آہ دکھی تھی کتنی
خاک میں چوٹ دبی تھی یہ نہ جانے کب کی
رنگِ پیمانہ لہو دینے لگی اے ساقی

فراق

قاتل نے مزاج میں جو آیا وہی کیا
سوچا نہیں ذرا بھی کچھ اپنا بھی فرض تھا
ہاں ہاں قصوروار ہیں ہم مان تو لیا
بے خود بوقتِ ذبح تپیدن گناہِ ما
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہِ کیست

غالب



روش روش ہے یہاں کی مرقع من و تو
یہاں ہر ایک کا مزاج اور اور ہی خو بو
رگوں میں سب کی رواں ہے مغائرت کا لہو
نہال سرکش و گل بے وفا و لالہ دو رو
دریں چمن بہ چہ اُمید آشیاں بندیم

نامعلوم

اب اس دلِ حزیں میں خوشیاں نہ مستیاں ہیں
اب میری زندگی میں بس غم پرستیاں ہیں
یادوں میں بسنے والی یادوں کی بستیاں ہیں
وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

میر

ہم اسیرانِ ستم سے یوں تو قسمت ہے خفا
کچھ کھلا سا ہے ابھی تک جیسے درِ اُمید کا
آ ہی جاتی ہے کبھی آزادیوں کی بھی ہوا
کچھ قفس کی تیلیوں سے چھن رہا ہے نور سا
کچھ فضا کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو

فراق

تا سحر یہ انجمن ہوگی نہ تم ہوگے نہ ہم
تا سحر ہر داستاں کا کھل ہی جائے گا بھرم
رائیگاں کیوں کیجئے اس کو غنیمت ہے یہ دم
نکہتِ زلفِ پریشاں داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو

فراق

کم بخت تجھے موت بھی آتی نہیں ہیہات
ہمسایوں کی نیند اُڑ گئی ہے یہ بھی کوئی بات
نالوں نے ترے صورِ قیامت کو بھی دی مات
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
ہونے کو سحر آتی ہے ظالم کہیں مر بھی

سودا

مجھ کو اے جوشِ جنوں بس یہی آتا ہے خیال
فرق بالوں میں یہ کس وجہ سے ہیں بال نو بال
مجھ پہ اس خوبیٔ تقدیر کا کھلتا نہیں حال
ایک وہ بال ہیں جو ہیں سرِ گردن کو وبال
ایک وہ بال ہیں جو تا بہ کمر جاتے ہیں

عبرت

گردشِ شمس و قمر سے تا بہ حدِّ کائنات
از دلیلِ این و آں تا بحثِ ذات و صفات
از حدودِ نیک و بد تا کفریات و دینیات
جنبشِ برگ و شجر سے تا بہ طوفانِ حیات
ایک ہی پیغامبر تھا ایک ہی پیغام تھا

چودھری جگت موہن لال رواں

میری آنکھیں دیکھ کر یہ رنگ حیراں ہوگئیں
کتنی شمعیں بزمِ گلشن میں فروزاں ہوگئیں
کچھ تو مٹی میں ملیں کچھ پھر درخشاں ہوگئیں
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں

غالب

اس زمانے کے مشاہیر میں ہے ان کا شمار
کون ہے ان کی نجابت سے کرے جو انکار
ہتھ لپا کی کے نہ ان کی کہیں ہو جائیں ششکار
اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

حالی

نہ پوچھ مجھ سے مرا طرز و شیوۂ گفتار
سمجھ میں آ نہیں سکتے کسی کے یہ زنہار
الگ ہیں سارے زمانے سے یہ طریق و شعار
منم کہ طوفِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار
منم کہ پیشِ بتاں نعرہ ہائے ہو زدہ ام

اقبال

کہا تھا میں نے کہ ہے آج کس خیال میں تو
چلی ہے تو سوئے صحرا کہ جانبِ لبِ جو
بتا بتا کہ چلی جا رہی ہے تو کس سو
گئی تھی کہہ کے کہ لاتی ہوں زلفِ یار کی بو
پھری تو بادِ صبا کا دماغ بھی نہ ملا

جلال

نہ گُل اب شاخِ گُل پر ہیں نہ اب بُلبل نشیمن میں
وہ خم اب زُلفِ سنبل میں نہ اب وہ تابِ سوسن میں
ہمارا بھی گزارا تھا کبھی گلشن کے دامن میں
بہاریں ہم کو بھولیں یاد اتنا ہے کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

حسرت ، استاد جرات

گُل کے پردے ہی میں محفوظ تھی کچھ گُل کی شمیم
لے اُڑی چشم زدن میں اسے اک موجِ نسیم
نگہِ ناز کی مجھ پر یہ توجہ تسلیم
پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

غالب

اسیروں کو وطن کی فکر ہے شام و سحر ہمدم
یہاں سے بھی سوئے گلزار ہے اپنی نظر ہمدم
حقیقت مجھ سے کہنے میں بہانے تو نہ کر ہمدم
قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

غالب

دُنیا میں بھی یہ حرف و حکایت ہے ازل سے
کردار ہی ہر ایک کی قسمت ہے ازل سے
اے دوست یہی شیوۂ فطرت ہے ازل سے
توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

غالب

یہاں تو بس عمل ہی ہے خوش کامی و خوشنودی
نہیں کرتے ہیں جو قسمت میں ہے ایسوں کی ناکامی
جو جو کے سامنے کی چیز بھی ان کو نہیں ملتی

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی نہیں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شاد عظیم آبادی

نہ خبر کو اس میں ہے دخل کچھ نہ چلا سکی ہے پتہ نظر
کہ رہے ہیں پردۂ غیب میں یہ رموزِ عشق کے سربسر
نہ پہنچ سکا ہے یہاں بشر نہ قدسیوں کا یہاں گزر

کبھی ہو سکا تو بتاؤں گا تجھے رازِ عالمِ خیر و شر
کہ میں رہ چکا ہوں ازل ہی سے گہے ایزد و گہے اہرمن

فراق

نگاہوں کو نظر آتا ہے کیا کیا قدِ دلبر میں
وہ کیا کیا دیکھتی ہیں آب و گل کے ایک پیکر میں
کہ فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کیا کیا قلبِ مضطر میں

تمہیں سچ سچ بتاؤ کون تھا شیریں کے پیکر میں
کہ مشتِ خاک کی حسرت میں کوئی کوہکن کیوں ہو

آسی غازی پوری

پنہاں تھی ہر ایک نظر سے یارو وہ شے اور ہی تھی
آنکھوں کو بھی کیا نظر آئے دل ہی اگر کر جائے کمی
جس کو کسی نے بھی نہیں دیکھا دیکھنے کی تھی چیز وہی

تارا ٹوٹتے سب نے دیکھا پر یہ نہ دیکھا ایک نے بھی
کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا کس کا سہارا لوٹ لیا

آرزو لکھنوی

اس محفلِ حیات میں رونق بھی تھی کبھی
آیا وہ انقلاب ہوا ہی بدل گئی
اپنی فسردگیِ نہاں سے بجھی بجھی
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

غالب

نسیمِ مصلے کو بھی اس طرح جلنا نہیں آیا
خرامِ کوثر و تسنیم میں انداز کب وہ تھا
ہر اک کا اس سے آگے دعویٰ رفتار ہے بیجا
ولی اس گو ہر کان نمک کا واد کب کہنا
مرے گھر اس طرح آوے ہے جوں سینے میں راز آوے

ولی دکنی

یہ کس کے دل میں لے جذبِ نہانی کس کی یاد آئی
فضائیں تھرتھرا اٹھی ہیں بول اٹھی ہے تنہائی
ستاروں نے وفورِ کیفیت سے آنکھ جھپکائی
یہ کس نے آخرش داستانِ شوق دہرائی
زمیں نے کروٹیں بدلیں فلک لیتا ہے انگڑائی

نامعلوم

رہا جو یہ کشت و خوں کا منظر رہے گی دنیا بھی رنگ لا کر
جو ہوتے ہیں وار یہ برابر وہ پہلوے وقت میں ہیں نشتر
زمانہ خود انتقام لے گا مٹیں گے اہلِ ستم سراسر
قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

امیر مینائی

زندگی ختم ہوئی شہر خموشاں کو چلو
جو امانت تھی زمیں کی وہ زمیں کو سونپو
عمر بھر ہجر میں جاگے تھے اب آرام کرو
ناقری قبر پہ عبرت کے لئے لکھوا دو
طول کھینچا ہے یہاں تک شبِ تنہائی نے

پروفیسر مہدی حسن ناقری

ہے کیا نظر فریب خیالات کا جمال
شاعر کی طرح دیکھو خیالوں کے خط و خال
خواب و خیال دونوں ہیں کیا ہجر کیا وصال
ہے آدمی بذاتِ خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

غالب

تھی آغازِ محبت میں اُمید سرخوشی کیا کیا
دلِ پُر شوق نے واللہ کیا کیا خواب دیکھا تھا
یہ سوچا ہے کہ بالکل چھوڑ دوں اب آسرا تیرا
وفا کیسی کہاں کا وصل جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگِ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

غالب

گلستاں ہی میں ہم جیتے گلستاں ہی میں ہم مرتے
گلستاں ہی کے ہم ہوتے گلستاں ہی کا دم بھرتے
چمن میں رہ کے دورِ آسماں سے ہم نہیں ڈرتے
یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

مرزا مظہر جان جاناں

اس طرف جاتے ہوئے کچھ بھی نہ لاؤ دل میں قیاس
تھام لیں دامنِ ناز اب یہ کہاں ہوش و حواس
مدتیں خاک ہوئے ہو گئیں کیا خوف و ہراس
خاک حسرت زدوں سے تو گزرتے وسواس
ان ستم کشتوں سے اظہارِ تمنا کیا ہو
میتر

اپنے سر مول لی تھی تم نے یہ مصیبت کیسی
ہو گئی بیٹھے بٹھائے یہ محبت کیسی
آہ یہ کیسی لگاوٹ تھی یہ چاہت کیسی
زلف میں پھنس کے فسوں اب کے یہ وحشت کیسی
سانپ جب کاٹ چکا سیکھنے منتر بیٹھے
فسوں عظیم آبادی

یوں کوئی جان سے گزرتا ہے
آہ ایسا بھی کوئی کرتا ہے
دل میں نشتر سا اک اترتا ہے
میتر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے
میتر

کتنے الزام اپنے سر لائی
زندگی زندگی سے شرمائی
تھی جو اک شخص سے شناسائی
ہو گئی شہر شہر رسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی
میتر

اس کی دُنیا میں ہے کوئی بھی نظیر
رشک کرتے ہیں سب امیر و فقیر
اس کو کہتے ہیں خوبیٔ تقدیر

مرگِ مجنوں پہ عقل گُم ہے میرؔ
کیا دِوانے نے موت پائی ہے

میرؔ

آنکھ والا ہے تو باطن پر بھی لازم ہے نظر
کبھی گُدڑی میں بھی مل جاتے ہیں لعل و گوہر
تجھے معلوم بھی ہے کیا ہے تہِ خاکستر

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دراں گرد سوارے باشد

اوحدیؔ

ہر ایک ذرّے میں پنہاں ہیں بے شمار جہاں
ہر ایک قطرے میں مواج بحرِ بے پایاں
ہر ایک برگ میں لاکھوں ہی گلشنِ رضواں

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

اقبالؔ

ہزار مرتبہ پیدا یہی سوال ہوا
اُسے چھڑانے کا اکثر مجھے خیال ہوا
ہر ایک بار مجھے کس قدر ملال ہوا

گرو ہوا تو اسے چھوٹنا محال ہوا
دلِ غریب مرا مفلسوں کا مال ہوا

آتشؔ

یہ تذکرہ خاطرِ ناشاد ہے سودا
یہ گردشِ دوراں بھی اک افتاد ہے سودا
دورِ مے سرجوش سے فریاد ہے سودا
کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

سودا

اس کا کہیں قیام نہ کوئی مقام ہے
اس کی کہیں سحر ہے کہیں اس کی شام ہے
آوارہ گردیوں سے فقط اس کو کام ہے
لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

غالب

کیسے کٹیں الٰہی یہ رات اور یہ دن
کیونکر رہیں گے اُس بن کیونکر جئیں گے اُس بن
اس زندگی کا یارب شاید ہو کوئی ضامن
ہم طرزِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
پہلو میں جیسے کوئی دل کو مسلا کرے ہے

میر

آپ ایسا نہ کہیں کون جئے گا کل تک
بات ہم مان تو لیں کون جئے گا کل تک
کچھ ہماری بھی سنیں کون جئے گا کل تک
کل کا وعدہ نہ کریں کون جئے گا کل تک
آپ طولِ شبِ ہجراں کو نہیں جانتے کیا

مضطر کاکوروی

شبِ آخر حیاتِ صحبتِ عشرت نما بدلی
ستارے جھلملائے شاہدِ شب کی ادا بدلی
نظامِ چرخ بدلا بزمِ ہستی کی فضا بدلی
زمانے کی ہوا بدلی نگاہِ آشنا بدلی
اُٹھے محفل سے سب بیگانۂ شمعِ سحر ہو کر

یاس یگانہ چنگیزی

لی تاروں نے بار بار جھپکی
لیکن مری نیند نے کمی کی
دل میں اک ہوک سی اُٹھا کی
جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی
اے ، حبسو کی شب گواہ رہنا

مصحفی

پھرتا ہوں تیرے لئے گرچہ کو بکو
اُٹھتی نہیں نگاہ مری یوں تو سو بسو
واقف ہے سربسر مری معصومیوں سے تو
ہوں گرچہ بے گنہ پہ مجھے تیرے روبرو
سر کو جھکائے مثلِ گنہگار دیکھنا

قائم چاندپوری

تا درِ یار کوئی خرّم و مسرور گیا
جذبۂ شوق سے ہو کر کوئی مجبور گیا
اور کوئی بستۂ سررشتۂ دستور گیا
بے دماغی سے نہ اس تک دلِ رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھی دور گیا

اصغر گونڈوی

نہ پوچھ میرے دلِ زار کا تھا کیا عالم
ورائے لفظ و بیاں ہے یہ وارداتِ الم
نہ اب وہ آہ و فغاں ہے نہ گریۂ پیہم
جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
چھلک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
اصغر گونڈوی

کس طرح کروں برداشت جلوۂ چمن تنہا
روئے یاسمن تنہا، بوئے نسترن تنہا
شادی و محن تنہا، غربت و وطن تنہا
من کہ بر نمی تابم دردِ زیستن تنہا
صبحدم چساں بینم شمعِ انجمن تنہا
یاس یگانہ چنگیزی

میری قوتِ پرواز میرے واسطے ہے ننگ
سیرِ باغِ رنگا رنگ میرے واسطے بے رنگ
اڑ کے نغمہ چھیڑوں میں اک صدائے بے آہنگ
صد رفیق و صد ہمدم پر شکستہ و دل تنگ
داورا نمی زیبد بال و پر بمن تنہا
یاس یگانہ چنگیزی

رنگ رنگ گلشن میں خوب و زشت نیک و بد
برگ برگ گلشن کا دل فریب ہے بے حد
جلوہ جلوہ گلشن را شعلہ زار می سازد
ہر گلے و ہر خارے فتنہ ہا بر انگیزد
الحذر دلِ حیراں صد بہار و من تنہا
یاس یگانہ چنگیزی

مجھ کو دیکھتا ہے کر نگاہ اوروں پر
میرا کیا ٹھکا نا ہے کر نگاہ اوروں پر
ہم جان رکھا ہے کر نگاہ اوروں پر

ناخدا زمن بگذر سوئے دیگراں بنگر
کارِ من بہ دریا در دست دیازدن تنہا

یاس یگانہ چنگیزی

سرحدِ دہر ہے ناپختگیوں کی سرحد
دل ہمارا ہے اک آتش کدۂ سوزِ ابد
ہر فتیلے سے جلا دے جو چراغِ سرمد

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود
بادہ چوں خام بود پختہ کند شیشۂ ما

عرفی

نہیں کھلتا یہ دنیا داستانِ راز کس کی ہے
ازل سے تا ابد گونجی ہوئی آواز کس کی ہے
محیطِ شش جہت یہ بزمِ سوز و ساز کس کی ہے

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز کس کی ہے
ہزاروں اٹھ گئے پھر بھی وہی رونق ہے محفل کی

اسیر استادِ امیر مینائی

جو کل رات اہلِ دل میں ہم نے اپنا ماجرا چھیڑا
سراپا گوش تھی محفل وہ محویت کا عالم تھا
ہماری داستاں کو ختم ہونا ہی نہیں آیا

ز شرحِ قصۂ ما خواب رفت از چشمِ خاصاں را
شبِ آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ برخیزد

عرفی

تمام گلشنِ ہستی ہے ایک محفلِ غم
روش روش پہ بچھی ہے یہاں صفِ ماتم
غم اپنا اپنا ہر اک کو ہے اپنا اپنا الم
جلالؔ باغِ جہاں میں وہ عندلیب ہیں ہم
چمن کو داغ ملے ہم کو داغ ہی نہ ملا

جلالؔ

ذرا سی بات پہ ہو جاتی ہے مژہ پُرنم
ذرا سی بھول سے اُترے دلوں میں نشترِ غم
خفیف اشارے بھی بن بن گئے ہیں تیغِ ستم
خیال خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

انیسؔ

تھی سیرِ شش جہاتِ زمانہ بھی سیر کیا
اپنا سفر بھی صورتِ پرکار ہی رہا
اپنی جگہ تھے پھرتے رہے گرچہ جابجا
مثلِ نگاہ گھر سے نہ باہر قدم رکھا
پھر آئے ہر طرف پہ جہاں کے نہاں رہے

بیدارؔ، شاگرد خواجہ میر دردؔ

سخن سے بہرہ نہیں ہے جسے وہ کیا جانے
نہ سمجھے بات جو وہ اعتراض کی کیا ٹھانے
رموزِ قلب کو معنی شناس پہچانے
بیاوریدگرایں جا بود سخن دانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

غالبؔ

واقعہ گفتی سخن دارم درآں
قطرہ قطرہ ہست بحرِ بیکراں
ذرہ ذرہ ہست ایک کوہِ گراں
خوشتر آں باشد کہ سترِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مولانا روم

ہم نے دیکھی ہے کئی اہلِ مناجات کی رات
ہم کو معلوم ہے ہر مردِ خوش اوقات کی رات
سیکڑوں کعبۂ دیں قبلۂ حاجات کی رات
ہم گدایانِ درِ پیرِ خرابات کی رات
ہے شبِ قدر سے دعوٰئے مساوات کی رات

آسی غازیپوری

وہ ہوا بھری کہ بدل گئی وہ خیال و خواب کی زندگی
وہ عجیب گردشِ چرخ تھی جو خراب دونوں کو کر گئی
نہ اُدھر وہ تمکنتیں رہیں نہ اِدھر وہ شانِ خودی رہی
نہ رہا حیات کی منزلوں میں وہ فرقِ ناز و نیاز بھی
کہ جہاں ہے عشق برہنہ پا وہیں حسن خاک بسر بھی ہے

فراق

ہر دلِ پُر داغ گلزارِ من است
ماہِ کنعاں جنس بازارِ من است
زلفِ لیلیٰ دشتِ تاتارِ من است
عشقِ مجنوں نیست ایں کارِ من است
حُسنِ لیلیٰ عکسِ رخسارِ من است

مولانا روم

ساقیا کس میں ظرف ہے کتنا
بات یہ ہے کہ دے جسے بھی خدا
ہے مقدر بھی کھیل ہمت کا

قطرے قطرے کا ہے نصیب جدا
کوئی گوہر کوئی شراب ہوا

مائل

ساقی کی نظر میں ایک ہیں سب تفریق اسکا ایماں نہیں
اپنے ہوں یا ہوں بیگانے ترجیحوں کا امکان نہیں
ہم میخوارو میں امتیاز اس کے شایانِ شان نہیں

لے جام لبالب بھر دینا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
یہ ساغر پہنچے دوست تلک یا ہاتھ لگا لے دشمن کا

نظیر اکبرآبادی

رکھتا ہوں اپنی جیب میں میخانے کی کلید
مجھ کو تو خاد ساز ہے ساقی کی خود کشید
رہتی ہے خواب میں بھی اسی ماہ رُو کی دید

ہر شب شبِ برات ہے ہر روز روزِ عید
سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے

جلوے پہ جلوے ماہِ منوّر کے بزم میں
میخوار تھے شریک برابر کے بزم میں
خاص اہتمام بادہ کشی کر کے بزم میں

ساقی نے سب کو جام دئے بھر کے بزم میں
ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

نظیر اکبرآبادی

بہت کچھ جانتے ہیں ہم تو تیری سرپرستی کو
نچھاور کر دیا قدموں پہ تیرے نقدِ ہستی کو
مگر کیا سمجھے ذہنوں کی بلندی اور پستی کو
ذرا آہستہ لے کر کاروانِ ہوش و مستی کو
کہ سطحِ ذہنِ انساں سخت ناہموار ہے ساقی

جوشؔ ملیح آبادی

مانتا ہی نہیں تھا قلبِ حزیں
پُرسکوں یوں تو تھی فضائے غمیں
لبِ دریا کوئی مکاں نہ مکیں
بانسری بج رہی تھی دور کہیں
رات کس درجہ یاد آئے ہو تم

ایک گمنام خاتون

وہ تبسم وہ ادائے حُسن کی رعنائیاں
آئینہ در آئینہ پڑتی ہوئی پرچھائیاں
وہ شریکِ انجمن گل چہروں کی برنائیاں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

غالبؔ

لوگوں نے کتنے ہی افسانے کئے رفت و گزشت
ہو فقیروں کی صدائے سرِ ویرانۂ دشت
مدتوں ذکر رہا ہے جو گرا بام سے طشت
خرقہ پوشاں ہمگی مست گزشتند و گزشت
قصۂ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

حافظؔ

میں نگاہِ شوق ہوں دیکھو کہ میں نے کیا کیا
روئے رنگیں میرے ہاتھوں اور رنگیں ہو چلا
اک کھلا گل چہرہ دیکھو اور بھی کچھ کھل اُٹھا
عارضِ نازک پر ان کے رنگ سا کچھ آ گیا
ان گلوں کو چھیڑ کر میں نے گلستاں کر دیا

اصغر گونڈوی

حقیقت آنکھ اوجھل اور جھگڑا کفر و ایماں کا
اسی کے واسطے جس کو کسی نے بھی نہیں دیکھا
سمجھ کر بات اصلی ٹھیک ہی شاعر نے فرمایا
حجابِ نازِ بیجا یاسؔ جس دن بیچ میں آیا
اسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہمن میں

یاسؔ یگانہ چنگیزی

کہتا تھا روز اپنا دکھڑا
ناممکن ہو گیا تھا سونا
کل تک اس کا تھا یہ رویّہ
پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصّہ
بس آج کی رات بھی سو چکے ہم

میر حسن

خطرہ پسند طبع کو طوفاں کا خوف کیا
یکساں ہے جس کو پار اُترنا و ڈوبنا[لہ]
میں زیرِ بارِ منتِ اغیار کب ہوا
احسان ناخدا کے اُٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

ذوقؔ

لہ یہاں عطف کو جائز رکھا ہے۔ فراق

گزر جاتے ہیں آکے دن اور رات
شب و روز گردش میں ہے کائنات
چمن میں اُٹھائی تھی کل ایک بات
کہا میں نے کتنا ہے گُل کو ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

میر

چمن میں آگیا تھا میں کہاں سے
یہاں اب تک رہا امن و اماں سے
چمن والے ہیں اب تو یہ گماں سے
کچھ ان بن ہو چلی ہے باغباں سے
مجھے نکلا ہی سمجھو گلستاں سے

میر محمد آرش دہلوی

اتنے سے واقعے کا کوئی دیکھ لے اثر
پڑ جائے جیسے اوس ہر اک برگ و بار پر
دیکھو کہ اب وہ باغ ہی آتا نہیں نظر
کہنے کی مشتِ پر کی اسیری تو تھی مگر
خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

ثاقب لکھنوی

کس شے کی فضاؤں میں تاثیر نظر آئی
یہ خواب اسیری کی تعبیر نظر آئی
یا زلف پریشاں کی تصویر نظر آئی
کچھ موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

میر

اس شہر کے سب خطے بت خانۂ آذر تھے
وہ پیکرِ رعنائی رشکِ مہ خاور تھے
ایماں کو غش آئے یہ وہ بت کافر تھے
دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

میر

ہستی عزیز کی بھی گئے ہیں ہستیوں میں
ہشیاریوں میں گزری اپنی نہ مستیوں میں
ڈھونڈا کیا ہوں سطیں ہستی کی پستیوں میں
عمر عزیز گزری حسرت پرستیوں میں
ایسی بھی زندگی کا یارب حساب ہوگا

عزیز

خوابِ گرانِ عشرتِ لذت کشی سے جاگ
معلوم ہے کہ سوز حقیقت ہے ایسی آگ
فردوس جس کو دیکھتے ہی شیخ اٹھے کر بھاگ
طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

غالب

بتاؤں کفر کا اپنے تجھے ثبات و قرار
"منم کہ طوفِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار"
ہر ایک طوفِ حرم دورِ حلقۂ زنار
مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

چندر بھان برہمن

کہاں تجھ کو خبر کیا کیا گزرتی ہے مرے دل پر
کہ تو نے دور سے دیکھا ہے یہ تاب آزما منظر
کبھی بیچارگی کا حس ہوا پیدا ترے اندر
محبت کو سمجھنا ہے تو زاہد خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

مختار بارہ بنکوی

میری کہیں صبح ہے کہیں شام
یکساں ہیں عشرتیں کہ آلام
رہ جاؤں جہاں وہیں ہے آرام
گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا کیجئے چھوڑیے گاؤں کا نام

پنڈت دیا شنکر نسیم

سوچتے تھے پھول کلیاں گلستاں میں کیا نہیں
ہم نے کیا کیا راگ رنگ اس بزم میں دیکھا نہیں
ہم نے کیا کیا نغمہ صحنِ باغ میں گایا نہیں
اب چمن میں بھی کسی صورت سے جی لگتا نہیں
ہاں مگر جب تک قفس میں تھے قفس بدنام تھا

چودھری جگت موہن لال، رواں

سب عاشق و معشوق یہاں کتنے ہیں خرسند
ہاں دیکھو درِ وصل کسی پر بھی نہیں بند
ہم دونوں بھی ہو جائیں نہ کیوں اوروں کی مانند
پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند
اے دوست بیا رحم بہ تنہائیِ ما کن

حافظ

ہاں وہ کیسے ہیں تسلی کو بس اتنا کہہ دو
کتنا بے چین ہوں مجھ پر بخدا رحم کرو
اور کچھ دوست کی روداد کہو یا نہ کہو

ہم بجان و سر جاناں کہ کم و بیش مگو
گو ہمیں یک سخنے راست کہ جاناں چونست

خسرو

اے مری شمع بزم زیست اے مرے دل کی روشنی
آ مرے باغ کی نسیم آ مری روح تازگی
کرتے ہیں اہل غم پہ بھی لطف و کرم کبھی کبھی

آ مری جانِ آرزو میری تمام زندگی
آکہ میں یہ نہ کہہ سکوں مجھ کو خدا نہیں ملا

بہزاد لکھنوی

قیامت نے بھی آکر سوچتا ہوں کیا کیا ہوگا
غبار ناتواں سا اٹھ کے کچھ کچھ رہ گیا ہوگا
یونہی اک مژدۂ دیدار جاناں سن لیا ہوگا

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر

غالب

ڈھلا دن اور آیا وقتِ شام آہستہ آہستہ
بسے پینے پلانے کے مقام آہستہ آہستہ
سرِ میخانہ آئے کچھ پیام آہستہ آہستہ

دئے ساقی نے مجھ کو چند جام آہستہ آہستہ
ہوئی یہ بزم مے مجھ پر تمام آہستہ آہستہ

عزیز مانکپوری

لُٹی لُٹائی ہوئی زندگی ہے اب جلد آ
کہ دستِ جورِ زمانہ سے اب بچا ہی ہے کیا
بتاؤں کیا تجھے اب میرے پاس کیا ہے دھرا

بیا کہ بے تو ز سرمایۂ حیات مرا
ز دیدہ ماند نگاہے و بر زباں سخنے

زیب النساء مخفی

غم کی اندھیری رات میں چھیڑی یہ کیسی لے
یہ بھی ہے راگ رنگ کا ناداں کوئی سمے
یہ تو چراغِ اشک جلانے کا وقت ہے

عرفی مگو بہ تیرہ شبِ ہجر حرف مے
حرفے است آنکہ در شبِ مہتاب گفتنی است

عرفی

مکتبِ عشق میں تو درس بھی فطرت ہی سے لے
ساتھ ہی بادِ سحرگاہ کے عاشق بھی اُٹھے
ہاں یہی وقت ہے سیر کوئے جاناں کے لیے

زائری بہرِ طوافِ حرم کوئے کسے
صبح تیزی ز نسیم سحر آموختہ ام

زائری

تیرے قدموں کی ذرا سی بھی اگر آہٹ آئی
دیکھ لینا مری خاکسترِ تن جاگ اُٹھی
خاک میں مل کے بھی اُٹھتے نہیں لگتی دیری

از پسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گذری
بانگِ پائت شنوم نعرہ زناں برخیزم

خسرو

یہ مانتا ہوں کہ مجھ سے خطا ضرور ہوئی
بجا کہ میرے تڑپنے سے تجھ کو نفرت تھی
اسے بھی سوچ کہ آخر یہ بات تھی کب کی

زمن بجرم تپیدن کنارہ می کردی
بیا بہ خاک من و آرمیدنم بنگر

غالب

تو نے یہ صورتِ وارفتہ مزاجی دیکھی
ایسی تصویر کبھی تیری نظر سے گزری
پردۂ بے خبری میں تھی عجب ہُشیاری

لب پہ ہُو تھا تری تصویر تھی سینے سے لگی
کُفر آیا ترے وحشی کو نہ اسلام آیا

اشرف

جو کرن ہوتی ہے برچھی کی انی ہوتی ہے
دھوپ میں جان مسافر کی بنی ہوتی ہے
گرد پھانکیں تو وہ ہیرے کی کنی ہوتی ہے

بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

حفیظ جونپوری

ہم کو تو یہ غم ہے کہ کچھ اس خلد سے حاصل
یہ حور و قصور اور یہ یک رنگی محفل
یکسانیتِ زیست کی آفت ہوئی نازل

جنّت چہ کند چارۂ افسردگیِ دل
تعمیر بہ اندازۂ ویرانیِ ما نیست

غالب

پایا نہ ازل نے بھی ترا راز
گو تو ہر سُو ہے جلوہ انداز
دلہا مرہونِ پیکرِ ناز

اے در رنگ و بوئے تو ز آغاز
عنقائے نظر بلند پرواز

فیضی

زحریمِ خلوتِ غیب ہا تو کجا در انجمن آمدی
تو برونِ سرحدِ این و آں تو چرا سرِ زمن آمدی
تو درون در دلِ تو نہاں ہمہ تو چساں میان تن آمدی

کہ کشید دامنِ فطرتت کہ بقیدِ ما و من آمدی
تو بہار عالمِ دیگری ز کجا بہ ایں چمن آمدی

نامعلوم

در محبت خواہشاتِ این و آں درکار نیست
در حریمِ خلوتِ دل حاجتِ اغیار نیست
در ریاضت خانۂ غم عیش جور ا بار نیست

در فضائے عشقِ جاناں بوالہوس را کار نیست
ہر سرے شایستۂ سنگ و سزائے دار نیست

حسرت رائے بیراگی

یقیں بیار بر ایں قول عشق بے رد و کد
کہ قرب و بُعد بتاں ہر دو عالمے دارد
حقیقتے کہ بگویم ہر اہلِ دل داند

وداع و وصلِ جُداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

غالب

کجا ایں گریۂ پیہم کجا ایں محفلِ دلکش
کجا افسردگیِ من کجا ایں رنگ انجمنش
چساں در خاطر آرد تیرہ بختے شاہدِ مہوش
تغافل ہائے یارم زندہ دارد ورنہ در بزمش
بجرمِ گریۂ بے اختیارم می تواں کشتن

غالبؔ

رنگ لاتا تھا مرا دیدۂ گریاں کیا کیا
بات جب کی ہے کہ تھا سینہ جراحت سے بھرا
ایک مدت ہوئی جب پھوٹ کے میں رویا تھا
چشمِ خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا
میں نے سمجھا تھا کہ اے میرؔ یہ آزار گیا

میرؔ

عمل میں ہے عملِ ناتمام بھی شامل
جو شمع بجھ گئی تھی وہ بھی رونقِ محفل
یہ اختصار و درازی کی بحث لاحاصل
حیات ہو کہ اجل سب سے کام لے غافل
کہ مختصر بھی ہے کارِ جہاں دراز بھی ہے

فراقؔ

ہر چشمِ حسن میں کی وہاں تک نظر کہاں
ہر قلب بے قرار کو اس کی خبر کہاں
دیکھا نگاہِ شوق نے اس کو مگر کہاں
ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

حالیؔ

خواب میں دورِ کائنات بھی ہے
کیفیت میں خدا کی ذات بھی ہے
ہستیٔ دہر بے ثبات بھی ہے
خودکشی غم میں کوئی بات بھی ہے
ہمت، اے دل اندھیری رات بھی ہے

عزیز لکھنوی

سر و سودائے یار رکھتے ہیں
شوق باغ و بہار رکھتے ہیں
ہستیٔ بے قرار رکھتے ہیں
آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں
تس پہ ہم دل کو مار رکھتے ہیں

میر

پوچھتے ہو مجھ سے کیا وجہِ ملال
بے رُخی پر ہیں تُلے اہلِ جمال
ہم سُنائیں بھی تو کس کو اپنا حال
وہ تو وہ تصویر بھی ان کی جلال
کہتی ہے تم بات کے قابل نہیں

جلال

چوٹ کھا کر رنگ لایا اورحُسنِ دل رُبا
آنچ کھا کر اور بھی چمکا جمالِ دل کُشا
زخم کھا کر وہ گُلِ تر اور بھی کچھ کھِل اُٹھا
ہو کے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے

غالب

کیا ہو تو کیا ہو اک سلامِ شوق آنکھوں نے
پیا ہو تو پیا ہو ایک جامِ شوق آنکھوں نے
لیا ہو تو لیا ہو ان سے نامِ شوق آنکھوں نے
دیا ہو تو دیا ہو کچھ پیامِ شوق آنکھوں نے
مرے لب تک تو حرفِ مدّعا اب تک نہیں آیا

ریاضؔ

مت پوچھ کہ کیا دُکھ ہیں اب مت پوچھ کہ کیا کیا سکھ پائے
وہ دَورِ خوشی کا بیت گیا اس دور کو کون اب پلٹائے
اب کیوں نہ دنوں میں وحشت ہو راتوں کو نہ کیوں جی گھبرائے
اِک خواب سا ہم نے دیکھا تھا وہ خواب بھلا کیوں یاد آئے
باتوں کا وہ بڑھنا راتوں میں راتوں کا وہ گھٹنا باتوں میں

نامعلوم

یہ گو مگو کا ہے عالم بیان کیسے کروں
کہ کوئی کہتا ہے جادو اُسے تو کوئی فسوں
اشارے کر گئی کچھ ایسے نرگسِ مے گوں
جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

حسرت موہانی

ہے مشقِ سخن جاری زنداں کی مصیبت بھی
ہے مشقِ سخن جاری ہر طرح کی کُلفت بھی
ہے مشقِ سخن جاری کوڑوں کی مصیبت بھی
ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقّت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

حسرت موہانی

ہے موت مجھے اپنی بنیاد سے ٹل جانا
ہوں مستی و مدہوشی مشکل ہے سنبھل جانا
میرے لے چل بسنا اک گام بھی چل جانا
جوں نکہتِ گُل جنبش ہے جی کا نکل جانا
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا

مومن

عجب سماں تھا نگاہوں میں تھا عجب منظر
ہر ایک موڑ پہ گمراہیوں کا خوف و خطر
نہ ہم کبھی کے مسلماں نہ ہم کوئی کافر
ٹھٹھک گئے حرم و دیر کے دوراہے پر
خلاف جا نہ سکے شاہراہِ فطرت کے

یاس یگانہ چنگیزی

حکایت فرد واحد کی کہاں معلوم ہوتی ہے
سراسر یہ تو تاریخِ جہاں معلوم ہوتی ہے
یہ ہر انسان کا اپنا بیاں معلوم ہوتی ہے
کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

سیماب اکبرآبادی

توجہ ادھر میرے ہمراز دینا
سہارا مجھے میرے دمساز دینا
کچھ اِس وقت کا مجھ کو انداز دینا
غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

صفی

بیکسوں پر مہرباں کچھ چرخِ گرداں ہو گیا
گو نہ کوئی پرسرِ قبر اشک افشاں ہو گیا
آسماں پرسانِ حالِ کس مپرساں ہو گیا
کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا

تعشق

خود اپنے آپ کو بدنام یوں نہیں کرتے
ہر اک زمانہ میں اہلِ جمال اور بھی تھے
مجال کیا کہ کسی پر بھی ان کا راز کھلے

مرا پیام صبا کہیو میرے یوسف سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری

آتش

بھرم میں لالہ و گل کے بھرم اپنا بھی کھو بیٹھے
یہ سوچا تھا کہ حسنِ گلستاں دیکھا کرو بیٹھے
کہاں کی سیر پھولوں کی ہنسی کو بھی تو رو بیٹھے

فریبِ رنگ و بو کھا کر چمن سے ہاتھ دھو بیٹھے
ترے وحشی تو کب کے لے اڑے ہوتے گلستاں کو

فراق

کسی اور ظرف میں کب ہے یہ جو شراب ساغرِ دل میں ہے
ارے اشکِ روحِ عنب ہے یہ جو شراب ساغرِ دل میں ہے
بڑے وسوسوں کا سبب ہے یہ جو شراب ساغرِ دل میں ہے
بڑی احتیاط طلب ہے یہ جو شراب ساغرِ دل میں ہے
جو چھلک گئی تو چھلک گئی جو بھری رہی تو بھری رہی

بے نظیر شاہ

# بارشِ نور و رنگ

ابھی فطرت سے ہوتا ہے نمایاں شانِ انسانی
ابھی ہر چیز میں محسوس ہوتی ہے کمی اپنی

بند شورِ جہاں کہ شاعر کی
انگلیاں نبضِ کائنات پہ ہیں

سنگ و آہن بے نیازِ غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

عشق کے دفترِ وزارت میں
سب سے بھاری محکمۂ غسم[1] ہے

میں پوچھتا تو ہوں مگر جواب کے لئے نہیں
یہ کیوں تری نظر پھری یہ کیوں بدل گئی ہوا

سانس ہے گرم و تیز سینے میں
ہوئی جاتی ہے دیر جینے میں

کٹ گئی سب کی طرح اپنی بھی
غمگیں غمگیں شاداں شاداں

نہ پوچھ ہضم کئے کیسے عشق کے دکھ سکھ
کوئی اتار لے ان کو تو ہڈیاں اُڑ جائیں

---

[1] یہاں عوام کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے۔ فراق

شامِ کے سایے گھٹے ہوں جس طرح آواز میں　　　ٹھنڈکیں جیسی کھنکتی ہوں گلے کے ساز میں

بے ضرر ہے فراق کا غصہ　　　اس کی گالی فقیر کی گالی

شاخِ گل جس طرح ہوا سے مڑے　　　یاد ہے تیرے روٹھنے کی ادا

تجھے پاکے تنہا مری بے کسی　　　سرِ شام بستر لگا جائے ہے

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں　　　خیر تم نے تو بے وفائی کی

غرض کہ کاٹ دیے زندگی کے دن اے دوست　　　وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

دل دُکھے روئے ہیں شاید اس جگہ اے کوئے دوست　　　خاک کا اتنا چمک جانا ذرا دشوار تھا

لطف و ستم وفا جفا، یاس و اُمید قُرب و بُعد　　　عشق کی عمر کٹ گئی چند توہمات میں

خاک میں چوٹ دبی تھی یہ نہ جانے کب کی　　　رگِ پیمانہ لہو دینے لگی اے ساقی

جب رات تری یاد آنے لگی　　　ہر غفلت تُمہیں کھانے لگی

اک فسونِ ساماں نگاہِ آسماں کی دیر تھی　　　اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے

شبِ ہجر کی تھی یوں تو مگر پچھلی رات کو — وہ درد اُٹھا فراق کہ میں مُسکرا دیا

زندگی کو وفا کی راہوں میں — موت خود روشنی دکھاتی تھی

یہ زندگی کے کڑے کوس یاد آتا ہے — تری نگاہِ کرم کا گھنا گھنا سایہ

جو اُلجھی تھی کبھی آدم کے ہاتھوں — وہ گُتھی آج تک سلجھا رہا ہوں

حُسن کی نرمیوں نے لَو دے دی — مُسکرانا ترا ہے یاد مجھے!

تمام خستگی و ماندگی ہے عالمِ ہجر — تھکے تھکے سے یہ تارے تھکی تھکی سی یہ رات

جہاں میں تھی بس اک افواہ تیرے جلوؤں کی — چراغ دیر و حرم جھلملائے ہیں کیا کیا

یہ نہیں ہوتی تھی حالت جانبِ در دیکھ کر — آستانِ یار سے ہم آج اُٹھ جائیں گے کیا

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو — تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

کون یہ لے رہا ہے انگڑائی — آسمانوں کو نیند آتی ہے

کوئی آیا نہ آئے گا لیکن — کیا کریں گر نہ انتظار کریں

چپ ہو گئے ترے رونے والے
دُنیا کا خیال آ گیا ہے

خستگی مہر و ماہ کی مت پوچھ
کون پیمانہ ہے جو چُور نہیں

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

زندگی کیا ہے آج اسے اے دوست
سوچ لیں اور اُداس ہو جائیں

زندگی کو بھی منہ دکھانا ہے
رو چکے تیرے بے قرار بہت

کس کو روتا ہے عمر بھر کوئی
آدمی جلد بھول جاتا ہے

کچھ آدمی کو ہیں مجبوریاں بھی دُنیا میں
ارے وہ دردِ محبت سہی تو کیا مر جائیں

ایں حیات اور کائنات کے راز!
کوئی سمجھے تو آنکھ نم ہو جائے

مذہب و شاعری و علم و عمل
سب یہ پردے حریمِ غم کے ہیں

عشق جسے میں ملا بھی ہوں اکثر
عشق سے میں نے بات بھی کی ہے

گیا ہے سیر کو زندگی میں رُخ جس سمت
ترے خیال سے ٹکرا کے رہ گیا ہوں میں

تعجب کیا ترے آگے جو ہم کچھ چپ سے رہتے ہیں
ہمارے درمیاں اے دوست لاکھوں حجاب حائل ہیں

تمام شبنم و گل ہے وہ سر سے تا بقدم
رُکے رُکے سے کچھ آنسو رُکی رُکی سی ہنسی

اس کا سراپا ہم سے پوچھو
چہرہ ہی چہرہ پاؤں سے سر تک

وصال اس سے میں چاہوں کہاں کی قسمت
یہ رو رہا ہوں کہ کیوں اس کو میں نے دیکھا تھا

تم سے آزردہ فراق آج بہت آئے نظر
کچھ تو لازم تھا تمھیں ان کی بزرگی کا خیال

کچھ درد دے گیا ہوں زمانے کو اے فراق
یہ سوچ کر کہ بعد کو یہ کام آئیں گے

اک اُترتا ہوا خوابِ سیمیں
چاند سے چاندنی کا سفر ہے

ہے یہ تیرا خیال یا کوئی اور
راستہ روک کر کھڑا ہے کون

فراق کو جو کہو ہو بُرا تم اے لوگو!
عزیزو حدِّ ادب ان کے ہیں بڑے درجات

پوچھ مت کیفیتیں ان کی نہ پوچھ ان کا شمار
جلتی بھرتی ہیں مرے سینے میں جو پرچھائیاں

عشق میں سچ ہی کا رونا ہے
جھوٹے نہیں تم جھوٹے نہیں ہم

بازیاں کتنی یوں تو مار گئی — زندگی زندگی سے ہار گئی

اِس پُرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے — کیا تو وہی خلوص سراپا ہے آج بھی

ہزار ضبط کی حد میں رہا، رہا نہ گیا — ترانۂ غمِ ہستی سُنا، سُنا نہ گیا

جو تیرے گیسوئے پُرخم سے کھیل بھی نہ سکیں — ان انگلیوں سے ستاروں کو چھیڑ سکتا ہوں

آج آنکھوں میں کاٹ لے شبِ ہجر — زندگانی پڑی ہے سو لینا!

وہ عالم اور ہی ہے جس میں میٹھی نیند آجائے — خوشی اور غم میں سونے کے لئے راتیں نہیں ہوتیں

نگاہیں کسی کو ڈھونڈتی ہیں آج بھی فراق — یوں تو جہاں میں مجھے کوئی کمی نہیں

وہ تیری نرم دوشیزہ نگاہی دل نہیں بھولا — پڑی جب جب نظر تیری نگاہ دزدیدہ نکلی

ٹوٹا ہے فلک سے ایک تارا — یا ٹوٹا ہے آسرا کسی کا!

تو یاد آئے ترے جور و ستم لیکن نہ یاد آئیں — محبت میں یہ معصومی بڑی مشکل سے آتی ہے

جب ختم پہ تھی مری کہانی — تاروں کو بھی نیند آچلی تھی

یہ سناٹا ہے میرے پاؤں کی چاپ — فراقؔ اپنی کچھ آہٹ پا رہا ہوں

مردِ حق پیشہ کو پھر دار و رسن پر کھینچا — اک چراغ اور بجھا ایک ستون اور گرا

رمتا جوگی بہتا پانی — عشق بھی منزل چھوڑ رہا ہے

میر دنیا کی ہے اگر منظور — میرا ہر شعر ایک دُنیا ہے

آنے والی نسلیں تم پر رشک کریں گی ہم عصرو — جب اُن کو یہ خیال آئے گا تم نے فراقؔ کو دیکھا تھا

موت کا بھی علاج ہو شاید — زندگی کا کوئی علاج نہیں

میں آسمانِ محبت سے رخصتِ آپ ہوں — ترا خیال کوئی ڈوبتا ستارا ہے

یاد آتا ہے کوئی رہ رہ کر — زندگی کی وہ بولتی تصویر!

طفلِ معصوم کی اک نظر سی — میری عرضِ وفا مختصر ہے

وہ غریبوں کے گھر کے صدق و خلوص — آج نظروں سے گر گئی جنت

میں تیرے غم کا وہ آنسو رہا جو پلکوں میں — ہزار جانبِ دامن بہا، بہانہ گیا

بادشاہوں کو رشک آتا ہے — اے مرے غم ترا جواب نہیں

تھے خزانے بھرے دو عالم کے — ایک آنسو وہ مول لے نہ سکے

دیکھ آئے آج یادوں کا نگر — ہر طرف پرچھائیاں پرچھائیاں

فراق کام مرا پردۂ مجاز میں دیکھ — حقیقتوں کے خزانے لٹا دیے میں نے

کیا کہوں کیفیتِ قلب دمِ فکرِ سخن — میں نے دیکھی ہیں خیالوں کی بھی آنکھیں پُر نم

نہ ذکرِ موجِ فنا کر کہ غم کے بیڑوں کو — گدازِ سینۂ ساحل ڈبو چکا کب کا

ترا پیمان جب ٹوٹا نہ آوازِ شکست آئی — وہ ٹوٹا اس طرح جیسے کسی کا آسرا ٹوٹے

تھی نظر کس کی جس نے یاد آ کر — مجھ مسافر کا راستہ کاٹا

ایک مدت سے آنکھ نم نہ ہوئی — تیرے غم کو بھی اک زمانہ ہوا

جو زہر ہلاہل ہے امرت بھی وہی لیکن — معلوم نہیں تجھ کو انداز ہیں پینے کے

میں نے اس آواز کو پالا ہے مر مر کے فراق — آج جس کی نرم لَو ہے شمعِ محرابِ حیات

شام کے جھٹپٹے میں یوں تیرا خیال دل میں آئے — جیسے جبینِ چرخ پر کوئی ستارہ جگمگائے

اے موت آ کے ہم کو خاموش کر گئی تو — صدیوں دلوں کے اندر ہم گونجتے رہیں گے

یادِ ایام کی پروائیو دھیمے دھیمے — میر کی کوئی غزل گاؤ کہ کچھ رات کٹے

یہ نہ پوچھ کتنا جیا ہوں میں نہ پوچھ کیسے جیا ہوں میں — کہ ابد کی آنکھ بھی لگ گئی مرے غم کی شامِ دراز میں

سنگ یاروں کے دل ہیں کتنے گداز — ان میں جیسے کھنک ہو شبنم کی

کاش ملتی تجھے یہ بے خبری — جیسے دن رات دھیان میں کہسار

سو رہی ہیں حقیقتیں ہر سو — بولو آہستہ اور آہستہ

کیسی یہ ہوا چلی چمن میں — منہ سوکھ گیا کلی کلی کا

سن اے فلک کبھی میری نوائے نیم شبی — جو کائنات کے اشکوں میں ہے نہائی ہوئی

یارانِ وطن نواحِ غم میں — آنا تو مجھے بھی پوچھ لینا

کچھ نہیں کہتیں وہ نگاہیں فراق — بات پہنچتی ہے کہاں سے کہاں

جن کی تعمیر عشق کرتا ہے
کون رہتا ہے ان مکانوں میں

دن رات اپنے ہنستے رہنے والے
کچھ دیر اُداس بھی رہا کر

جو ہونٹوں تک ترے محدود رہتی ہے سحر ہوتے
اُفق پر دُور تک وہ مسکراہٹ پھیل جاتی ہے

تیرے حجابِ ناز کو کافی
رُخ پر ایک نقابِ تبسّم

آہستہ کلامیاں ہماری
ہر دل میں گونجتی رہیں گی

خواہشوں کو تری محبت میں
خواہشوں سے بلند ہونا ہے

خدا کو بھول گیا ہوں بنا کے سو کعبے
بُتوں کو توڑ کے رکھی بنائے بُتکدہ

نگاہِ ناز کب تک یہ فریبِ ہمت افزائی
یہیں تک عشق مشکل تھا یہیں سے عشق آساں ہے

حیاتِ عشق کی تکمیل ہو چکی شاید
نہ بھولتا ہے کوئی اب نہ یاد آتا ہے

مری آواز ہے کہ شمع کوئی
جھلملاتی ہے دُور جنگل میں

ہم اور کوچۂ جاناں سے بے خبر گذریں
پکار سکتے ہیں ذرّوں کو اس کے نام بہ نام

ـ ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست   وصال کو مری دُنیائے آرزو نہ بنا

برائے جاہ و منصب جینے والے   کبھی اپنے لئے بھی سیکھ جینا

یہ جاہ و عزّت یہ نام و شہرت ہے چھاؤں بس ایک چلتی پھرتی
بہت نہ مغرور ہو جئے گا فراقؔ صاحب فراقؔ صاحب

حُسن اک خواب ناز ہے جس کے   چونک پڑنے کو عشق کہتے ہیں

ترے خیال میں تیری جفا شریک نہیں   بہت بُھلا کے تجھے کر سکا ہوں یاد تری

وہ شبِ وصل تھی اے دل یہ ہے صبحِ شبِ وصل   اُس کے عدوں کو بُھلا رات گئی بات گئی

خود قیامت کو جن پہ رشک آئے   وہ ترے انتظار کی گھڑیاں

مری نوا میں ازل کا ترنّم سحری   مری صدا میں ابد کے سکوت کی جھنکار

غزل کو اک نئی تہذیب کی ملے دولت   بدل سکوں کچھ اگر حسن و عشق کے کردار

ستیہ کا وِش پان تو سنا ہوگا   میں بھی اے دوست پی گیا آنسو

زندگی تو گئی شباب کے ساتھ   زندگی کا خمار باقی ہے

دل کی خوابیدہ قوتوں کو فراقؔ — شاعری منتر ہے جگانے کا

تیرا ہی سراپا ہے تیری ہی ادائیں ہیں — اے دوست ترے ہمراہ اک ہوتی ہے پرچھائیں

"قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں" — اے دوست کاش تو ہو مرے دل سے باخبر

اب وہ نہیں آئے گا یہاں — اے دلِ غمگیں آنسو پونچھ

حیات عشق عبارت ہے احتمالوں سے — ذرا ذرا سا مرا غم ذری ذری سی خوشی

اثر سے جن کے مری پلکیں بھیگ جاتی ہیں — ہوائیں سرد وہ کن وادیوں سے آتی ہیں

عروج پر ہو جب اپنے سکوتِ نیم شبی — فراقؔ سُن کبھی سرگوشیاں ستاروں کی

پڑھ کبھی آیتِ شفق قلب و نظر کا واسطہ — جلوۂ رنگ رنگ میں رنگِ پیمبری بھی دیکھ

ہم نے کئے ہیں گُناہ کو سجدے صدق و حضوریِ قلب کے ساتھ
بڑی ریاضت کی تب جا کے نمازِ گُنہ کے اِمام ہوئے

اُن کا لازم ہے احترام کہ ہیں — سنگ ریزے بجھے ہوئے آنسو

اپنی ہی گرمی سے آیا عشق میں اک بانکپن — اپنی ہی گرمی سے گھائل ہو گیا حُسنِ بتاں

تمام جھلملاہٹیں، تمام مسکراہٹیں — نہ پوچھ جسمِ نازنیں کی نرم جگمگاہٹیں

جس کی راتیں طلسمِ خوابِ حیات — اُسی وادی کا ماہتاب ہے تو

جیتی جاگتی دُنیا میں بھی — چلتے پھرتے مُردے دیکھے

صبرِ دلِ ایوبؑ ہوں اب میں — اے تری رحمت اے تری رحمت

ابھی جبینِ بشر منتظر سی ہو جیسے — کہ آدمی ابھی فطرت کا شاہکار نہیں

عمر میں مجھ سے بڑے میرے معاصر اے فراق — مرتے دم اُردو غزل کو میرے ذمّے کر گئے

خود کو اہل ان کی امانت کا جو ثابت کر سکوں — تو یہ سمجھوں گا وصیت اُن کی پوری ہو گئی

فراق اب اہلِ دُنیا سے وداعِ آخری لے لو — وہ دیکھو شاعرانِ رفتہ استقبال کو آئے

تم ہو پس ماندگانِ دورِ فراق — بخش دو سب کہا سُنا میرا

— یاد رکھنا کہ تھا تمھیں سا کوئی — بزمِ ہستی میں درد کی تصویر

• • •